مروّجہ اسلامی بینکاری

تجزیاتی مطالعہ۔ شرعی جائزہ۔ فقہی نقد و تبصرہ

تحقیق و ترتیب

رُفقاء دارالافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن





مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

مروّجہ اسلامی بینکاری

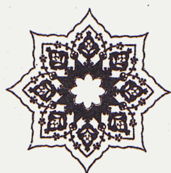
تجزیاتی مطالعہ۔ شرعی جائزہ۔ فقہی نقد و تبصرہ

تحقیق و ترتیب

رُفقاء دارُالافتاء

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن





مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

کتاب : مروجہ اسلامی بینکاری، تجزیاتی مطالعہ، شرعی جائزہ، فقہی نقد وتبصرہ

ترتیب : رفقاء دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

سن طباعت: ۲۰۰۸ء

ناشر : مکتبہ بینات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی



ملنے کا پتہ

مکتبہ بینات جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

فہرست مضامین | صفحہ نمبر

فہرست مضامین — صفحہ نمبر

فہرست مضامین — صفحہ نمبر

فہرست مضامین | صفحہ نمبر

فصل دوم

فہرست مضامین — صفحہ نمبر

فہرست مضامین | صفحہ نمبر

فہرست مضامین | صفحہ نمبر

فہرست مضامین　　　　صفحہ نمبر

فہرست مضامین
صفحہ نمبر

ضمیمہ اشکالات وجوابات

صفحہ نمبر فہرست مضامین

پیش لفظ

از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب
رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ.

وبعد قال اللہ تعالی: ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْ کُلُوْنَ الرِّبٰو لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْآ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَاءَ ہ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّه فَانْتَهٰی فَلَه مَاسَلَفَ ط وَاَمْرُه اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾. (١)

﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لایُحِبُّ کُلَّ کَفَارٍ اَثِیْمٍ﴾. (٢)

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِن کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ج لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُوْن﴾.(٣)

(١) البقرہ. الآیۃ:٢٧٥.　　(٢) سورہ بقرہ:٢٧٦.
(٣)سورہ بقرہ:٢٧٨-٢٧٩.

Œ روی دار قطنی عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائکة أنّ النّبی صلی اللہ علیه وسلم قال: لدر هم ربا أشدّ عند اللہ تعالیٰ من ستّ وثلثین زنیةً فی الخطیئة. (۱)

• وروی عن النّبی صلّی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنّه قال: الربا تسعة وتسعون باباً أد ناها کإتیان الرجل بأمه. (۲)

Ž عن ابن عباس رضی اللہ عنه فی قوله تعالی (فإن لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسوله): فمن کان مقیماً علی الربا ،نزع عنه، فحق إمام المسلمین أن یستیقد، فإن نزع وإلّا ضرب عنقه. (۳)

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ربا کی سنگینی اور قباحت واضح طور پر ثابت ہورہی ہے، یہی وجہ ہے کہ سود تو حرام ہے ہی اگر کسی معاملے میں سود کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، ایسی واضح اور شدید وعیدوں کی موجودگی میں تاویلات سے کام لینا، یا فرضی فوائد کا حوالہ دینا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

دنیا جانتی ہے کہ ''بینکنگ'' کا عالمی نظام یہود کے سرمایہ داری نظام کی فرع اور اس کی شاخ ہے، اسلام کے پاکیزہ نظام مالیات کا اس مبغوض ومنحوس نظام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اسلام کے ساتھ اس کو جوڑا جاسکتا ہے۔ یعنی اسلام اور بینک کاری اپنی بنیادی خصوصیات اور اہداف کی وجہ سے دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ اس لئے اس معنی میں نہ تو بینکاری کا اسلامی تصور قابل قبول ہے اور نہ اسلام اور بینکنگ کو جمع کرنا ممکن ہے۔

(۱) دار قطنی. (۲) ابوداود.
(۳) ابن کثیر.

احقر کا خیال ہے کہ اگر شراب نوشی کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ قمار اور جوئے کو اسلام، ناجائز اور حرام بتاتا ہے، تو ایسا بینکاری نظام جس میں اسلام سے زیادہ یہود کے جاری کردہ سرمایہ داری بینک کاری نظام کی ترجیحات اور تقاضے پورے کئے جارہے ہوں، اس کو اسلام کے نام پر کیوں کر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

لہٰذا اسلامی اصولوں پر جب بھی سرمایہ کاری کی بات کی جائے تو اس بنیادی حقیقت کو ضرور مدنظر رکھنا ہوگا۔ ورنہ حقیقت حال کی کماحقہٗ وضاحت میں شدید دشواری ہوگی، بلکہ خلطِ مبحث کا مفسدہ بھی لازم آئے گا۔

اس کی تفصیلات، زیرنظر مقالے میں آپ پڑھیں گے جو ملک کے مشہور ومعروف اہل فتویٰ حضرات کا متفقہ مؤقف بھی ہے۔

میں یہاں پر اختصار کے ساتھ علماء کے اس متفقہ موقف کے اعلان سے پیدا شدہ صورت حال کے تناظر میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں:

پہلی بات:۔ متفقہ فتوے، کی اشاعت کے بعد اسلامی بینک کاری کے حامی حضرات کہہ رہے ہیں کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ طویل مدت سے بینک کاری کے معاملات سے متعلق ہیں اور عمیق غور وخوض کے ذریعہ انہوں نے اسلامی بینک کاری کا سلسلہ جاری کیا ہے، جبکہ متفقہ فتویٰ جاری کرنے والے اصحاب فتوی، بینک کاری کے معاملات سے واقف نہیں، اس لیے یہ فتوی قابل قبول نہیں، یہی بات میزان بینک کا عملہ ہر اس شخص سے کہا کرتا ہے جو کسی عالم یا مفتی کے حوالے سے اس غیر سودی نظام پر اشکال کرتا ہے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بینک کاری کے حوالے سے مہارت کا ذکر پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور اب بھی اس کو پیش کیا جارہا ہے۔

احقر کے خیال میں قرآن وسنت میں وارد شدہ سخت وعیدوں کے بعد اور سود کی

طرح سود کے شبہ پر مشتمل معاملات کو بالاتفاق سود کی طرح حرام قرار دیئے جانے کے بعد، مزید برآں مغربی سرمایہ داری نظام کے زیر اثر چلنے والے بینکاری نظام کی بالا دستی میں اسلامی بینکاری کا ایسا جواز سمجھنا، جو شرعی احکام اور ایمانی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، بظاہر حقیقت وصداقت سے خالی ہے، بلکہ سچ بات یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کی عملی تصویر سے یہی تأثر مل رہا ہے کہ چند ظاہری فوائد کے نام پر ثابت شدہ اسلامی احکام سے فرار اور ایمانی تقاضوں سے پہلو تہی کا معاملہ ہو رہا ہے۔

مزید اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ متفقہ فتوی پیش کرنے والے ارباب فتوی کے علاوہ ملک کے مشہور ومعروف اقتصادی ماہرین، جناب جسٹس تنزیل الرحمٰن، عبدالمجیب انصاری (سابق معاشی مشیر حکومتِ سعودیہ، سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) جناب ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، جناب حسن الزمان اختر، جناب ڈاکٹر مولانا مفتی عبدالواحد، ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری جن کی نگرانی میں عمران اشرف نے اپنی پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔ انصاری صاحب نے لندن میں بیس سال تک معاشیات کی تعلیم دی ہے، یہ تمام حضرات اسلامی بینک کاری کو رد کرتے ہیں، ان کے نزدیک بینکاری کے سودی اور غیر سودی نظام میں کوئی واضح فرق نہیں ہے، یہ حضرات بینکنگ کے رموز واصول اور معاملات سے بھی واقف ہیں اور بینک کاری کے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کو بھی خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور ایک عرصے سے وہ اسلامی بینک کاری کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرتے آ رہے ہیں، ان سب کو نظر انداز کرکے صرف اکیلے مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ کی تحقیق پر انحصار سمجھ سے بالاتر ہے۔

عوام وخواص سب جانتے ہیں کہ علماء کا متفقہ فتوی تو بہت تاخیر سے آیا ہے اس سے بہت پہلے یہ حضرات جن کا متفقہ فتویٰ شائع ہو رہا ہے، خود بھی اور ان کے دارالافتاء بھی نام نہاد اسلامی بینک کاری کے عدم جواز کا فتوی دیتے رہے ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ ان

بینکوں سے وابستہ لوگ معاشی و بینکاری امور کے رموز اور معاملات کے ماہرین کی رائے اور مؤقف کی طرف توجہ نہیں دیتے؟ اسی طرح ناجائز کہنے والے اہل فتویٰ کے فتویٰ کو اس معاملے میں اہمیت نہیں دیتے؟ حالانکہ دیگر تمام مسائل میں ان اہل فتویٰ کے فتویٰ پر عمل کرنے میں ذرا بھر تأمل نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ بظاہر ان بینکوں سے مفاداتی وابستگی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی۔ اگر مولانا تقی صاحب مدظلہ کے فتویٰ کو صرف مفاداتی بنیادوں پر قابل قبول سمجھا جاتا ہو اور اسی بنیاد پر ان کی تحقیق کو اول آخر سمجھا جاتا ہو تو پھر یہ اتباع ہویٰ ہے، اتباعِ شریعت نہیں ہے۔

دوسری بات:۔ اسلامی بینک کاری کے حوالے سے پاکستان اور باہر دوسرے ممالک میں تشویش تھی۔ علماء، اصحاب فتویٰ، تجارت پیشہ حضرات اور عوام سب ہی ہم سے پوچھتے تھے کہ یہ کیسی اسلامی بینک کاری ہے ہمیں تو سودی کاروبار کرنے والی بینکوں میں اور مروجہ اسلامی بینکوں میں کوئی فرق نظر نہیں آیا؟ ادھر ہمارے ملک کے مختلف دارالافتاء بھی باوجود یہ کہ اس اسلامی بنک کاری کے خلافِ شرع ہونے کا فتویٰ اپنی اپنی جگہ دے رہے تھے، لیکن اجتماعی فتوی نہ ہونے کی وجہ سے تشویش موجود تھی، احقر نے علامہ بنوری ٹاؤن کے اصحاب فتویٰ، جامعہ فاروقیہ کراچی کے مفتیوں، جناب مولانا مفتی حبیب اللہ شیخ، مولانا مفتی احمد ممتاز جامعہ خلفاء راشدین کے مفتی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حکیم محمد اختر مدظلہ) سے درخواست کی کہ وہ اس مسئلے کی تحقیق کریں۔

چنانچہ ان تمام اصحاب فتویٰ کی مشاورت کا اہتمام کیا گیا اور اس سلسلے میں ان حضرات کی مختلف مجلسیں بھی ہوئیں، ان حضرات نے اپنا اپنا موقف اپنے دلائل، مشاہدات اور معلومات کی روشنی میں پیش کیا اور حسب ضرورت بعض ماہرین معاشیات سے مجلس و مشاورت کا سلسلہ بھی قائم رہا، اس مشاورتی سلسلے میں یہ بات بھی بطور خاص محسوس کی گئی کہ

مروجہ اسلامی بینکاری کے خلاف شرع ہونے کا موقف اگرچہ ملک کے جمہور اہل فتویٰ کا ہے مگر اس میں انفرادی فتوؤں اور تحریروں کے بجائے جامع اور مفصل تحریر بھی سامنے آنا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ ذمہ داری حسب مشورہ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب کی نگرانی میں ان کے رفقاء کو سونپی گئی۔ ماشاء اللہ ان حضرات نے خوب محنت سے یہ تحریر مرتب کی، جس پر احقر حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری اور ان کے رفقاء ومعاونین کا بالخصوص اور دوسرے اصحابِ فتویٰ کا بالعموم مشکور ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو حسن قبول عطا فرمائے اور ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے اور دوام عافیت اور تمام عافیت کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

اس اجتماعی موقف کو اجتماعی طور پر عام کرنے کے لئے ۲۸/اگست ۲۰۰۸ء کو جامعہ فاروقیہ کراچی میں ملک بھر کے جید علمائے کرام کا دوروزہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اس تحریر کی مکمل خواندگی اور بحث ومباحثہ کے بعد ملک بھر سے آئے ہوئے ارباب فتویٰ نے اس سے اتفاق کیا اور اس پر دستخط کئے۔ اور اجتماعی دستاویز کے طور پر اُسے اپنا مؤقف قرار دیا۔

تیسری بات:۔ یہاں ایک سوال یہ کیا جارہا ہے کہ متفقہ فتوی شائع کرتے وقت مولانا مفتی تقی عثمانی زید مجدہ کو اعتماد میں نہیں لیا گیا، سب جانتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا نقطۂ نظر ان کی کتابوں میں شائع ہو چکا ہے، کتاب بھی ایک نہیں بہت ہیں، بار بار چھپ رہی ہیں اور ان کے کئی معاون علیحدہ علیحدہ مفتی محمد تقی صاحب کے علوم اور تحقیقات کو شائع کر رہے ہیں تو متفقہ فتوی صادر کرنے والے مفتی اچھی طرح مفتی محمد تقی صاحب کے نقطۂ نظر اور اس کی جملہ تفصیلات سے آگاہ ہیں، بلکہ اجتماعی موقف میں ان کی کتابوں کو حوالہ کے طور پر پیش بھی کیا گیا ہے۔ اس لیے مستقل طور پر مفتی محمد تقی صاحب کو اعتماد میں لینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اگر انہیں اعتماد

میں لینا کسی بھی درجے میں ضروری ہوسکتا ہے، تو پھر دوسرے موقف والے حضرات بطریق اولیٰ کہہ سکتے ہیں کہ خود مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس نام نہاد مروجہ اسلامی بینک کاری کو جائز قرار دینے کے لیے کس کو اعتماد میں لیا تھا؟ اور جن حضرات کو شریک محفل فرمایا گیا تھا ان کے تحفظات کو کس حد تک خاطر میں لایا گیا تھا؟

بہر کیف اس قسم کی باتیں شرعی مسئلہ سے زیادہ گلے شکوے ہیں اور اپنوں کے آپس میں گلے شکوے کوئی نئی روایت نہیں ہے۔ اس لئے میں دونوں طرف کے علماء سے یہی درخواست کروں گا کہ گلے شکوے ذاتی نوعیت کے ہیں اور شرعی مسئلے کا اظہار و بیان الگ نوعیت کا حامل ہے، لہٰذا دونوں کو خلط ملط کر کے عوام میں تشویش نہ پھیلائیں۔

بہر حال متفقہ فتوی کی تائید میں اب یہ مفصل تحریر آ گئی ہے، اور یہ جمہور علماء کا مؤقف ہے۔ اس میں اسلامی بینکاری پر فقہی اشکالات اور عدم جواز کی وجوہ لکھ دی گئی ہیں، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پورے اطمینان کے ساتھ ان اشکالات اور عدم جواز کی وجوہ کا جواب لکھ سکتے ہیں، کیونکہ موازنہ اور محاکمہ کے لئے دونوں مؤقف تحریراً سامنے آ چکے ہیں۔

اس مناسب اور مفید طریقہ کار کی موجودگی میں اعتماد میں نہ لینے کا اشکال درست نہیں، جب کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو تسلی اور اطمینان کے ساتھ متفقہ فتوی کے حصول میں نا قابل ذکر مشکلات حائل ہو جاتیں۔ اور یہ مشکلات عدمِ جواز کا متفقہ موقف بیان کرنے میں ماضی کے بعض مسائل کی طرح طویل عرصے تک حائل رہتیں، جبکہ یہ متفقہ موقف شرعی دلائل کی روشنی میں حق ہے، اور اس کا اظہار بھی شرعاً لازم تھا۔ اور اس حق کے اظہار میں جس قدر تاخیر ہو چکی ہے وہ بھی نہیں ہونی چاہئے تھی جس پر اس متفقہ مؤقف والے علماء نے اجتماعی طور پر توبہ واستغفار بھی کیا ہے۔ مطلب یہ کہ اس موقف کے اظہار کے لئے باہمی بحث و مباحثہ کی لمبی راہیں نکال کر مزید تاخیر کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اگر ہم مروجہ اسلامی

بینکوں پر اشکالات اور اعتراضات کو موضوع بنا کر بحث مباحثہ شروع کر دیتے تو بحث ہی ہوتی رہتی، جبکہ ہم عرض کر آئے ہیں کہ دوطرفہ موقف کی موجودگی اور تقابل کے لئے دوسری موقف کا سامنے آنا اصولاً بھی ضروری تھا۔ اب اگر ایک موقف کو اظہار سے روک کر دوسرے موقف پر اشکالات و جوابات ہی کو موضوع بنایا جاتا تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا کہ پہلے موقف والے حضرات ہر حال میں اپنی رائے کو درست قرار دینے پر مصر ہیں اور دوسروں پر اپنی رائے مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس قسم کی جزوی شکایات پہلے بھی سامنے آ چکی ہیں اور اس قسم کی شکایات کا دوبارہ موقع فراہم کرنا مناسب نہیں تھا۔

اگر ان تمام شرعی واجبات اور خدشات سے قطع نظر ہم اپنے بھائیوں کے منشاء کے مطابق اشکالات اور اعتراضات کے ازالے کے لئے مجلسیں شروع کر دیتے تو اشکالات اور اعتراضات اتنے ہیں کہ ان کو جمع کرنے کے لیے کتاب لکھنی پڑتی، ایک یا دو سے زیادہ مجلسوں میں ان کا جواب نہیں دیا جاسکتا تھا۔ بحث شروع ہوتی، بات لمبی ہوجاتی اور مسئلہ حل نہ ہوتا، عین ممکن ہے کہ باہر جا کر ہر فریق اپنی برتری کا دعوی کرتا، تحریر لکھنے والے کہتے ان کو جواب نہیں آیا اسلامی بینکاری کے حامی کہتے کہ ہم نے سب اشکال دور کر دیئے۔ ہمارا یہ خیال یونہی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اس کی معقول وجوہات اور کئی مثالیں اب تک سامنے آ بھی چکی ہیں۔ مثال کے طور پر مفتی محمد عیسیٰ صاحب نے اسلامی بینک کاری پر اعتراضات کیئے، مفتی محمد تقی صاحب کہتے ہیں ہم نے ان کو جواب دیا لیکن وہ انکاری ہیں، ارشد زمان صاحب نے استفتاء کیا اور اشکالات لکھے مفتی محمد تقی صاحب خاموش ہیں اور عمران اشرف کہتے ہیں کہ ہم نے جواب دیا ہے اور سلیم اللہ خان کو بھی اطلاع کر دی ہے جب کہ یہ سب غلط ہے۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کے اعتراضات شائع ہوتے رہے ہیں، مفتی محمد تقی کے ایک حمایتی کہتے ہیں کہ میں نے مفتی عبدالواحد کو جواب دیا ہے، سوال یہ

ہے کہ اعتراضات چھپتے رہے ہیں تو جواب کیوں نہیں چھاپا؟ اس صورت حال کی موجودگی میں یہی ہونا تھا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے حامی زور وشور سے یہی پروپیگنڈہ کرتے کہ اسلامی بینک کاری پر جتنے شکوک وشبہات تھے وہ دور ہوگئے ہیں، اور یہ بینک کاری اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

چوتھی بات:۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس وقت دوفریقوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک فریق ان ارباب فتوی کا ہے جنہوں نے متفقہ فتوی دیا ہے، وہ پورے ملک کے معروف اور مستند مفتی حضرات ہیں، وہ کسی بنک کے ملازم نہیں، نہ لاکھوں روپے بنک سے وصول کرتے ہیں، ان کے فتویٰ کی بنیاد اسلامی تعلیمات ہیں ان کا فتوی اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہے۔

دوسری طرف اکثر وہ حضرات ہیں جو بینکوں کے ملازم ہیں اور ان کے مالی مفادات بھی بینکوں سے وابستہ ہیں وہ متفقہ فتویٰ کو ماننے سے ممکن ہے اس لئے انکار کرتے ہوں کہ اس فتوی کو قبول کرنے میں ان کے مالی مفادات پر زد پڑسکتی ہے اور شاید کچھ ایسے بھی ہوں جو مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی مبینہ مہارت کے پیش نظر ان کی ہم نوائی کررہے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پانچویں بات:۔ نام نہاد اسلامی بینکوں میں مردوزن کے آزادانہ اختلاط کے مناظر اور بینک میں رائج دوسرے طریقے اسلامی حیثیت سمجھنے میں کس حد تک معاون ہیں؟ یہ کسی ذی شعور پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر آپ اس اختلاط کو اسلامی سمجھتے ہیں تو یہ کون سا اسلام ہے؟ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ کتنے مالیاتی اور غیر مالیاتی ادارے ایسے ہیں جن میں بے حجاب دوشیزاؤں کے بغیر نظام چلایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا کرنا مشکل بھی

نہیں اور کسی ادارے کی ضرورت بھی نہیں، مگر نہ معلوم بینکنگ کے حامی علمائے کرام نے بینکوں کے ساتھ مشروط تعاون کے وقت اس قسم کی شرط کیوں نہیں لگائی کہ وہ اسلام کے نام پر ایسے مناظر پیش نہیں کریں گے، اگر یہ علماء اپنی حمایت کی شرطوں میں یہ شرط شامل کر لیتے تو یقیناً صورت حال مختلف ہوتی۔

چھٹی بات:۔ ہمارے بعض حضرات علماء اور فتویٰ سے متعلق حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ میزان بینک کا عملہ معلومات کے لیے ضروری کاغذات طلب کرنے پر وہ کاغذات فراہم نہیں کرتا، بلکہ مفتی محمد تقی صاحب کی مہارت کا حوالہ دے کر میزان بنک کے طریقہ کار پر اعتماد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہم سب مولانا مدظلہ کا دل سے احترام کرتے ہیں، مگر انہیں اس طرح حجت اور دلیل ماننے کا شرعاً کوئی پابند نہیں۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کی ہر خامی اور ہر اشکال کا وبال مولانا کے کھاتے میں ڈالا جائے۔

ساتویں بات:۔ کہا جارہا ہے کہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے اس متفقہ فتوی کو مسترد کر دیا ہے، ہمارے علم میں اب تک ایسی کوئی بات نہیں آئی، البتہ ایک کوئی صاحب جو جدت پسندی سے غیر ضروری حد تک متاثر ہیں وہ مدرسہ صولتیہ کے مدرس بھی ہیں، انہوں نے اس متفقہ مؤقف کو اپنے مزاج کے خلاف سمجھتے ہوئے اپنے انفرادی ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ موصوف کی تردید مدرسہ صولتیہ کی تردید شمار ہوتی ہے یا یہ ان کا انفرادی عمل ہی ہے، کچھ بھی کہہ لیجیے۔ متفقہ فتوی کے سامنے موصوف کی رائے کی یا مدرسہ صولتیہ کی اختلافی رائے کی، اہل علم اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں جتلائی جاسکتی، کیونکہ وہ ہمارے ہی لوگ ہیں، لیکن ہمارے کل کا بعض ہیں، کل ہرگز نہیں ہیں۔

بہر حال مولانا مفتی محمد تقی صاحب، مولانا مفتی محمد رفیع صاحب اوران کے رفقاء سب ہمارے بھائی اورعزیز ہیں، ہم دل وجان سے ان کے خیر خواہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں سے ان کونوازا ہے ہمیں ان کا اعتراف ہے، ہم ان کی قدر کرتے ہیں، زیر بحث معاملے میں اپنے علم اور معلومات کے مطابق مکلّف سمجھ کر ہم نے بات کی ہے، معاملہ کی سنگینی نے مجبور کیا تو یہ چند سطور لکھی ہیں، اللہ تعالیٰ اس امت کو شریعتِ غراء کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو صراط مستقیم پر چلائے آمین ثم آمین۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلَکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ، مِنْ شَرِّالْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾. (سورۂ الناس، آیت: 1-6)

سلیم اللہ خان

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

ورئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وصدر اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان

مقدمہ

مسائل جدیدہ کے حل کے لئے دائمی لائحہ عمل

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب
مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین،والصّلوٰۃ والسّلام علی سیّد المرسلین وعلی آله وصحبه أجمعین. أمّا بعد:

قال تعالیٰ: الیوم أکملت لکم دینکم،وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً ....الآیة (۱)

عن علی رضی اللّٰہ عنه. قال: قلت یا رسول اللّٰہ إن نزل بنا أمر لیس فیه بیان أمر ولانهی فما تأمرنی؟ قال: شاوروا فیه الفقهاء والعابدین،ولاتمضوا فیه رأی خاصة.(وفی روایة ولاتقضوا فیه برأی خاصة) رواہ الطبرانی فی الأوسط،ورجاله موثقون من أهل الصحیح.(۲)

(۱) المائدۃ:۳.

(۲)مجمع الزوائد ومنبع الفوائد لنور الدین علی بن ابی بکر الهیثمی،کتاب العلم،باب فی الإجماع ۱/۱۷۸،ط: دار الکتاب العربی ،بیروت.

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام کامل مکمل اور انسانیت کے لئے ابدی دستورِ حیات ہے، قیامت تک پیش آنے والے انسانی مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ اس دعویٰ پر ایک دلیل یہ ہے کہ ہر دور میں تقریباً نئے نئے مسائل پیش آتے رہے، اوران مسائل کا حل شریعتِ اسلامیہ کے ماہرین بتاتے رہے اور امت مسلمہ دین پر عمل کرتی رہی۔ یہاں پر بادیٔ النظر انسان فوراً سوال کرتا ہے کہ نصوص کے محدود ذخیرہ سے غیر محدود نووارد مسائل کا جواب کیسے ممکن ہوا؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ شرعی مسائل بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہیں:

۱- مسائل منصوصہ، جو صراحۃً قرآن وسنت میں موجود ہوں۔ ایسے مسائل کو دینی وشرعی اصولوں کے مطابق جوں کا توں ماننا اوران پر عمل کرنا صاف ظاہر ہے۔

۲- مسائل غیر منصوصہ، جن کا حکم قرآن وسنت میں صراحت کے ساتھ بیان نہ فرمایا گیا ہو۔ مگر ایسے مسائل کے حل کا طریقۂ کار اور بنیادی خطوط کی تعیین وتصریح آپ ﷺ کے ارشادات میں وافر انداز میں موجود ہے۔

اس کی ایک روشن مثال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے، جس میں انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ:

''اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس میں آپ کا کوئی بیان، کرنے یا نہ کرنے سے متعلق نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: فقہاء وعابدین سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں، شخصی رائے کو دخل نہ دیں''۔

اس حدیث شریف سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی اہمیت معلوم ہوتی ہے،

وہاں اس جماعت کی اہلیت کی شرائط بھی معلوم ہوتی ہیں کہ وہ اہل علم ایسے ہوں کہ ان کو **تفقہ فی الدین** حاصل ہو، اور وہ صالح ومتقی اور عبادت گزار بھی ہوں۔ اگر اس حدیث شریف کی جامعیت پر غور کیا جائے تو حوادث ونوازل کے حل کے لئے بنیادی خطوط کی تعیین اور متعلقہ شرائط کے لئے یہی روایت کافی ٹھہرتی ہے۔ اگر اس حدیث کے علاوہ ذخیرہ حدیث میں کوئی اور روایت نہ بھی ہوتی تو اس روایت کی موجودگی میں دینِ اسلام کے "**إتمام وإکمال**" پر اشکال نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس حدیث شریف کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ہر دور میں معمول بہ رہی ہے اور رہے گی، اور اس کے مندرجات کی روشنی میں حوادث ونوازل کے حل کے لئے اجتماعی مشاورت ہوتی رہی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں اس حدیث پر عمل ہوتا رہا، پھر تابعین کے دور میں مسائل مزید بڑھنے لگے تو اس حدیث پر مزید وسعت کے ساتھ عمل ہونے لگا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی چالیس رکنی فقہی مشاورتی مجلس اس کی بہترین نظیر اور عملی مصداق ومظہر ہے۔ اسی حدیث شریف پر عمل کی برکت کہئے کہ فقہ حنفی اتنے ہمہ گیر اور ہمہ جہت انداز میں قبول عام کے امتیازی مقام تک پہنچی۔ چنانچہ خلافتِ عباسیہ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے اختتام تک تقریباً بارہ سو برس کے طویل زمانے میں جس مذہب کی روشنی میں مخلوقِ خدا کی مشکلات حل ہوتی رہیں، اور ان خلافتوں میں جس مسلک کو ملکی قانون کا درجہ حاصل رہا ہے وہ "فقہ حنفی" تھا۔

خلافتِ اسلامیہ کے سقوط کے بعد حکومتی سطح پر اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوششیں اور امت مسلمہ کو درپیش ہونے والے مسائل کا حل سرکاری وسائل کی مدد سے تقریباً ناممکن

ہو چکا ہے، اس لئے اب امت مسلمہ کے مسائل (حوادث ونوازل) کے حل کی تدبیریں علماء امت ہی کے ذمہ رہ جاتی ہیں۔ یہ بنیادی نقطہ آج سے تقریباً نصف صدی قبل ہمارے شیخ حضرت بنوریؒ نے پیش فرماتے ہوئے غیر منقسم پاکستان کے تمام بڑے مدارس کے ذمہ داروں سے اپیل کی تھی کہ وہ نو پیش آمدہ مسائل کے شورائی حل کے لئے اس بنیادی نقطے پر متفق ہوجائیں تو یہ عظیم کام بہت جلد انجام پذیر ہوسکے گا، اور امت کی مشکل با آسانی حل ہوسکے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ منزلیں عطا فرمائے، انہوں نے ہمیں صرف فکر ہی نہیں بلکہ عملی نمونہ بھی عطا فرمایا ہے، یہ عملی نمونہ ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے وجود پذیر ہوا تھا، جس کے ارکان میں محدث العصر حضرت بنوریؒ کے علاوہ امت کے اساطینِ علم مفتی اعظم پاکستان اول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی اعظم پاکستان دوم حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہم اللہ جیسے امت کے مرجع وماٴویٰ اکابر شامل تھے۔ بلاشبہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک بزرگ ذاتی وشخصی رائے قائم کرنے کی بھرپور اہلیت رکھتا تھا، مگر انہوں نے شخصی اجتہادات کی ''طرح'' ڈالنے کی بجائے شورائی اجتہاد کی سنت شرعیہ کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اور ایک موقع پر حضرت شیخ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

> ''اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مزایا اور خصوصیات جو فراواں علم، عظیم اخلاص، اور شدتِ خشیت اللہ کے ساتھ ہمارے سلف صالحین کے اندر موجود تھیں، جیسا کہ میں بتلا چکا (جس کی تفصیلات حضرت نے اپنے مقالے کے اندر ذکر فرمائی ہیں) اس دور میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی جمع نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اس کی تلافی اس طرح کی جائے کہ جہاں تک ہو کسی ایک فرد کی

شخصی رائے پر اعتماد اور اس کو قبول کرنے سے اجتناب کیا جائے،
خواہ وہ کتنا ہی وسیع النظر اور کثیر المعلومات عالم کیوں نہ ہو، بلکہ
اس ذمہ داری کا بار اٹھانے کے لئے ایک جماعت سامنے آئے
جس میں بحیثیت مجموعی وہ تمام ممیّزات وخصائص موجود ہوں
جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے‘‘۔

واضح رہے کہ جن ممیّزات وخصائص کی طرف حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی عبارت میں اشارہ ہے، وہ آپ کے ایک محاضرہ میں مذکور ہیں، جو آپ نے ۲۵/شوال ۱۳۸۳ھ بمطابق ۹/مارچ ۱۹۶۴ء کو قاہرہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں پیش فرمایا تھا، جس کا اردو ترجمہ ’’مسائل حاضرہ میں اجتہاد کے اصول وشرائط‘‘ کے عنوان سے ماہنامہ بینات، صفر المظفر ۱۳۸۴ کی اشاعت میں شامل ہے۔ اور ’’فتاویٰ بینات‘‘ میں بطور مقدمہ کے بھی قندِ مکرر کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے محولہ بالا محاضرے کے علاوہ بھی کئی محاضرات، مقالات اور اداریئے تحریر فرمائے تھے، جن میں جدید مسائل کے حل کے لئے اسلام کے ابدی اصولوں کی طرف راہنمائی کا وافر سامان پایا جاتا ہے، جو مسائل حاضرہ جدیدہ کے حل کے لئے دائمی لائحہ عمل کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے اس لائحہ عمل کے اہم اہم نکات اختصار کے ساتھ عرض کئے جائیں تا کہ اس کی روشنی میں اہل علم اور اصحابِ فقہ وفتاویٰ اپنے شورائی طریقہ کار کی تعیین میں استفادہ کرسکیں۔

’’جدید مسائل میں اجتہاد کا طریق کار‘‘ کے زیر عنوان حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بقول اجتہاد کے لئے جن چند اہم نکات کا لحاظ ضروری ہے وہ یہ ہیں:

۱...... اجتہاد کرنے والی جماعت کے لئے قرآن وسنت اور اجماع امت کی

معرفت، کتبِ فقہ سے واقفیت اور اصولِ فقہ میں کامل بصیرت، نیز قرآن وسنت کو سمجھنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے، ان میں مہارت ازبس ضروری ہے۔

۲...... بالغ نظری، دقیقہ رسی، خشیتِ الٰہی اور دین خداوندی کے ساتھ کامل اخلاص شرط ہے۔

۳......شورائی اجتہاد کا اہتمام ہو، "شخصی رائے" کی کمی کو اجتماعی آراء سے پورا کیا جائے، حضور ﷺ نے جدید مسائل میں انفرادی رائے کی بجائے فقہاء وعابدین سے مشاورت کا حکم دیا ہے۔ ادھر امام اعظم کی فقہی مجلس بھی اسی کا مصداق ومظہر تھی باوجود یہ کہ اس میں ہر فرد یکتائے زمانہ تھا۔

۴...... جب پیش آمدہ مسئلہ کا حل مذاہب اربعہ میں موجود ہو، بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو، تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا، تاکہ اجتہاد جدید اور مذاہب مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔

۵...... ہمارے ملک میں چونکہ حنفی مسلک رائج ہے، اس لئے رائے عامہ کو تشویش سے بچانے کے لئے اضطرار شدید کے بغیر حنفی مسلک سے باہر جانے سے اجتناب کیا جائے۔

۶......مسائل منصوصہ قطعیہ ہر دور میں اجتہاد سے خارج رہے ہیں، اجتہاد صرف غیر منصوص اور غیر اجماعی مسائل میں ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، حکمت یا مصلحت تراش کر اسے ایسے طور پر مدار حکم بنایا جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا اور اجماعِ امت کا باطل ہونا لازم آئے، یہ طرز عمل تقریباً الحاد وتحریف سے جاملتا ہے، اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی وجہ سے اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۷......جدید مسائل میں اجتہاد کے لئے خلافت راشدہ کو نظیر بنانا ناممکن ہے،

کیونکہ خلافتِ راشدہ کا منصب، منصب اجتہاد سے بالاتر ہے۔اور خلافت راشدہ کے فیصلے بھی بنص حدیث منصوص اور واجب العمل ہیں۔

۸...... مذاہبِ مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مترادف ہے۔

۹...... تمدن جدید کے ہر تقاضے کو اضطرار کے بہانے سے اسلامی معاشرے میں جوں کا توں فٹ کرنے کی بجائے اس کے اسلامی متبادل کی مکمل تطبیق اور ترویج کی کوشش کی جائے۔مثلاً: بینک کا سود، بیمہ اور کمیشن ایجنسی کے متبادل کے طور پر شرکت، قراض اور کفالت وغیرہ کی صورتیں موجود ہیں، اگر انہیں اختیار کیا جائے تو حرام امور کے ارتکاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بقول ہماری بنیادی مشکل یہ ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو ان میں رتی بھر تبدیلی کئے بغیر اسلامی اصول پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔اور وہ جب فٹ نہیں ہوتے تو گمان کر لیا جاتا ہے کہ اسلام معاذ اللہ جدید دور کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یاد رہے کہ اصول اسلامیہ کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے، اس کا علم قیامت تک کے حوادث کو محیط ہے، اس کا علیم وخبیر اور قادر ہونا مسلمانوں کا ایمان ہے۔

۱۰...... الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان نمایاں فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ دونوں کا حکم یکساں نہیں، یعنی مضطر کے احکام لے کر امیر کے مسائل حل کرنے بیٹھ جائیں تو اس روش سے ماتم انگیز حادثے ہی جنم لیا کریں گے، جدید مسائل کا حل نہیں ہوگا۔(۱)

(۱) تفصیل کے لئے ماہنامہ بینات محرم الحرام ۱۳۸۸ء ملاحظہ ہو۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جدید مسائل کے حل کے لئے یہ اصولی نکات ''**تلک عشرۃ کاملۃ**'' کا مصداق ہیں، ان اصولوں کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے نو پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل بتایا جاسکتا ہے، بلکہ ہر مسئلہ کا قابلِ قبول اتفاقی حل بھی سامنے آسکتا ہے اور معاشرے میں اضطراب وتشویش پیدا کرنے والے ہر قسم کے تفردات اور شذوذات کی روک تھام بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ انہی زریں اصولوں کی رعایت اور پاسداری کے ساتھ تشکیل پانے والی ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے ثمرات وبرکات کا میں عینی شاہد ہوں۔ اس وقت کے ہمارے بزرگوں نے باہمی اجتماعی مشاورت سے جن جن مسائل کو موضوع بحث بنایا وہ سارے مسائل نہ صرف یہ کہ باآسانی حل ہوئے، بلکہ تقریباً اتفاقی واجماعی بھی قرار پائے تھے۔ اس وقت کوئی ایسا اختلاف اور شذوذ ہرگز سامنے نہیں آیا جو مسلم معاشرے میں اضطراب اور بے چینی کا باعث بنتا۔

آج بھی اگر ہم اسی طرز فکر وعمل کے ساتھ اپنے فرض منصبی کے تقاضے پورا کرنے کا عزم کرلیں تو باہمی اختلافات اور تفردات کا سلسلہ ختم ہوجائے گا، اور ہمارا طرز عمل عوام کے لئے تشویش اور فتنہ میں ابتلاء کا ذریعہ وسبب نہیں بنے گا، اور اس سے بڑھ کر رحمت وبرکت یہ ہوگی کہ اجتماعیت کی وجہ سے بے راہ روی اور کجروی کے امکانات معدوم ہوجائیں گے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق امت مسلمہ کا گمراہی پر اجتماع ناممکن ہے، جبکہ آپ نے شذوذ کے کئی خطرات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

اپنے اکابر کے اسی طرز فکر وعمل کے تناظر میں اگر ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کا جائزہ لیا جائے تو اہلِ علم کے درمیان درج ذیل بنیادی نکات پر اتفاق رائے کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں بچے گی، اور مروجہ اسلامی بینکاری کی شرعی اصولوں پر اصلاح بھی

ممکن ہوگی۔ مثلاً:

۱......سودی نظام کے نعم البدل کے طور پر اسلامی سرمایہ کاری کا طریقہ ''شرکت ومضاربت'' ہے، اور شرکت اور مضاربت کے تفصیلی احکام شریعتِ اسلامیہ اور مذاہب فقہاء میں اپنی کلیات وجزئیات کے ساتھ موجود ہیں، جو مسلمان واقعۃً نیک جذبے کے ساتھ اسلامی طریقے پر سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہو، اور وہ اسلام کے قابلِ عمل دین ہونے کا عقیدہ بھی رکھتا ہو تو وہ شرکت ومضاربت کے بعد سودی بینکاری کے متبادل کے لئے اسلامی سرمایہ کاری کے کسی اور طریقے کا محتاج یا طلب گار نہیں ہوگا۔

۲- جب ہم اسلامی بینکاری کی فکر لے کر عملی میدان کی طرف بڑھنے لگیں تو یہ اسلامی حمیت ہمارے پیش نظر ہونی چاہیئے کہ ''تمدن جدید'' کا ہر تقاضا 'اضطرار شرعی'' کے زمرے میں نہیں آتا۔

۳-اسلامی بینکاری کی عملی تطبیق وترویج میں بہت ساری لغزشوں کی بنیاد یہ ''امر'' بھی ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو رتی بھر تبدیلی کیئے بغیر اسلامی اصولوں پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے ہیں جس سے عوام میں یہ غلط فہمی جنم لیتی ہے اور مغربی اقوام کو اس پروپیگنڈے کا ثبوت فراہم ہونے لگتا ہے کہ اسلام معاذ اللہ دورِ جدید کے ساتھ قدم ملاکر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حالانکہ اسلام کو تا قیامت انسانیت کے لئے دستور حیات ماننا مسلمانوں کی ایمانیات میں سے ہے۔

۴......اسلامی بینکاری کی طرف بڑھتے ہوئے، شریعت کے واضح منصوص اور منقول اصول واحکام سے جہاں ضرورت وحاجت کے نام پر صرف نظر کی نوبت آتی ہو، وہاں پر یہ لازم ہوگا کہ ''الجاء واضطرار'' کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان نمایاں فرق کو ملحوظ رکھا جائے، اور مضطر کے احکام لے کر سرمایہ داروں

کے مسائل حل کرنے کا طریقہ نہ اپنایا جائے، محسوس یوں ہوتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں اس اصول کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

۵- پاکستان میں اسلامی بینکاری کی جب بات کی جائے تو رائے عامہ کے احترام میں اس کا مدار فقہ حنفی پر ہی ہونا چاہئے۔ اگر ضرورت وحاجت کے سارے تقاضے اور شواہد اکٹھے ہوجائیں، تو پھر مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب متبوع کی طرف جایا جاسکتا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ ''تلفیق'' (مذاہب مختلفہ کو ملانے) کی نوبت نہ آئے، اور چھانٹ چھانٹ کر رخصتیں تلاش کرنے کا ارتکاب نہ ہو۔ کیونکہ فقہاء کے بقول یہ تو دین سے نکل کر ''ہویٰ نفس'' کی پیروی ہوگی۔ اس لئے مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے اتفاق رائے پیدا ہونے کے لئے اس قسم کی شکایات کا ازالہ اور آئندہ کے لئے روک تھام ضروری ہے۔

٦- سرمایہ کاروں کو ایسی روش اور طریقہ کار سے دور رہنا بھی لازم ہوگا جس کے نتیجے میں شریعت کے ثابت شدہ احکام کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماع امت کا باطل ہونا لازم آتا ہو۔ چنانچہ اگر غور فرمایا جائے تو بینکاری کا اسلامی تصور شرکت ومضاربت کے منصوص و منقول احکام میں منحصر ہے۔ اگر کسی مصلحت وحکمت یا علت کو بنیاد بناتے ہوئے اسلامی سرمایہ کار کسی اور بنیاد پر بینکنگ کے لئے چل نکلے تو یقیناً اس میں مذکورہ خرابی لازم آئے گی۔

ہماری معلومات کے مطابق مروجہ اسلامی بینکوں میں اجارہ اور مرابحہ وغیرہ کے نام سے سرمایہ کاری کے جو طریقے سودی بینکوں کے طرز پر اختیار کئے گئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ شرکت ومضاربت کی شرعی بنیادوں پر بینکنگ کی راہ میں رکاوٹ ہیں، بلکہ سودی نظام کے ساتھ مشابہت اور سودی حیلے کا کام دینے کی وجہ سے اسلامی سرمایہ کاری نظام کی ناقص اور مسخ شدہ تصویر بھی پیش کررہے ہیں، اس لئے ان مسخ شدہ صورتوں کو مروجہ اسلامی بینکاری سے جدا کئے بغیر اتفاق رائے مشکل ہے۔

مزید یہ کہ شرکت ومضاربت کی بنیاد پر بینکنگ کے لئے اصلاحی وترمیمی آراء وتجاویز کا سلسلہ بھی قائم نہیں ہوسکتا، کیونکہ اہل علم کی علمی توانائیاں ان مسخ شدہ صورتوں کی صفائی اور دھلائی میں صرف ہورہی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہی سامنے آرہا ہے کہ ''اسلامک بینکنگ'' کنونشل بینکنگ کے ڈھب پر چل رہی ہے، جس کی وجہ سے ''اسلامی بینک'' میں اسلامی تشخص کا وجود اور اسلامی معاملات کا رنگ روپ دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ سودی بینکوں کے غیر شرعی معاملات کو چھوڑ کر اسلامی بینکوں کے ساتھ اسلامی طریقے پر معاملات کے خواہشمند طبقے کو بے حد مایوسی ہوئی ہے۔ اسی طرح ''بینک'' کے نام سے گھبراتے ہوئے بینکوں کے ساتھ تمویلی معاملاتی تعلق سے احتراز کرنے والے طبقہ کے لوگوں نے جب ''اسلامی بینک'' کے ساتھ حسن ظن اور نیک توقعات کی بنیاد پر معاملات شروع کرنا چاہے تو اسلامی وغیر اسلامی بینکوں کے معاملات میں نمایاں امتیازی فرق محسوس نہ ہونے پر نہ صرف یہ کہ وہ اضطراب وتشویش کا شکار ہوئے، بلکہ علماء شریعت کے متعلق بھی مختلف قسم کی بدگمانیاں اور تبصرے کرتے دکھائی دینے لگے، یہاں تک سننے میں آیا کہ جس قسم کے معاملات کو عوام الناس بھی صاف طور پر ناجائز سمجھ رہے ہوں تو بعض علماء اسے کیسے جائز کہہ رہے ہیں؟ اسی طرح وہ یہ بھی کہنے لگے تھے کہ ایسے ناجائز معاملات کے بارے میں علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ خاموش کیوں ہے؟ علماء کے بڑے طبقہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اجتماعی اور اتفاقی رائے عوام الناس کے سامنے بیان کرے تاکہ تشویش اور بدگمانیوں کا سلسلہ کسی حد تک ختم ہوسکے۔

چنانچہ مسلم معاشرے کی اس دینی ضرورت اور شرعی مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے انہیں ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کی حقیقی صورتحال سے آگاہ کرنے کے لئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب حفظہ اللہ نے اپنے

بڑے پن کا حق ادا کرتے ہوئے چاروں صوبوں کے مشہور ومعروف اہل فتویٰ کو ان کے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے نہ صرف یہ کہ متوجہ فرمایا بلکہ ایک متفقہ فتویٰ بھی جاری کروایا، جس پر حضرت شیخ الحدیث صاحب ہم سب کی طرف سے شکریہ وسپاس کے مستحق ہیں۔ **فجزاهم اللّٰه عنّا وعن الأمّة الإسلامية خير الجزاء ،وبارك فى عمرهم وشكر مساعيهم الجميلة.**

بہرکیف یہ ''متفقہ فتویٰ'' منظر عام پر آ چکا ہے،اس فتویٰ کی ترتیب میں ہمارے دارالافتاء کے مفتی حضرات نے بھی خوب محنت کی ہے اور اس کار خیر میں ان کا بھی حصہ ہے۔ جس پر میں انہیں حوصلہ افزائی کا مستحق سمجھتا ہوں،اوران کے لئے دعا گو بھی ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امت اسلامیہ کی مزید دینی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے،اور قدم قدم پر ان کی نصرت وتائید فرمائے۔ **فألهمهم اللّٰه رشدهم وأعاذهم من شر أنفسهم وصانهم من كلّ زيغ وزلل. آمين**

اسی ضمن میں، میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اہل علم کے درمیان علمی نوعیت کے اختلافات کا سلسلہ بہت پرانا ہے، کسی فرد یا جماعت سے علمی اور اصولی اختلاف کو کبھی بھی فتنہ وشر انگیزی کا باعث نہیں بنانا چاہئے، اور نہ ہی ایسا سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ علمی اختلاف کو جب بھی ذاتی رنگ دیا جانے لگا، اور علمی اختلاف کو کسی فرد یا جماعت کی توہین وتنقیص پر محمول کیا جانا لگا تو اس سے معاشرے میں فتنہ وفساد اور جنگ و جدال نے جنم لیا، اور معاشرے میں کئی مفاسد پیدا ہوئے۔

اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ تمام علماء کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں اس بات پر خوب زور دیں کہ علماء کے درمیان اختلاف محض علمی نوعیت کا ہے، ذاتیات کا نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، اور

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے علاوہ کوئی محفوظ نہیں۔ غلطی کا امکان ہر کسی سے ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے پاس جب بھی ایسے لوگ آئے جن کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا کہ وہ علماء کے علمی اختلاف کو اپنے مقاصد کے لئے عوام میں اچھالیں تو میں نے ہمیشہ ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ لوگ بسا اوقات کہیں کی بات کہیں فٹ کر کے اس کو ایسا عنوان دیتے ہیں کہ جس سے عوام کو یہ تأثر دیا جاتا ہے کہ علماء کے درمیان یا فلاں فلاں ادارے کے درمیان جنگ ہو رہی ہے، جبکہ حقیقتِ حال بالکل الگ ہوتی ہے۔

البتہ اتنی بات طے ہے کہ اگر اس قسم کی غلطیوں کی بنیادوں میں نفسانی خواہشات اور کجروی کا آمیزہ نہ ہو، بلکہ وہ اجتہادی غلطی ہونے کی بناء پر اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہو تو ایسی غلطی کرنے والے انسان کو شرعاً واخلاقاً ملامت نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ اپنی مخلصانہ محنت و کوشش پر اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا حقدار بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلام کے عادلانہ اقتصادی نظام کے نفاذ، اسلامی اصولوں پر سرمایہ کاری اور ملک میں رائج سودی نظام سے خلاصی کے لئے ہمارے جن جن علماء کرام نے انفراداً یا اجتماعاً جو جو کوششیں فرمائی ہیں وہ اپنی کوششوں میں مخلص تھے، ان کی نیک نیتی میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ علماء کرام اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئے تو اس کے اسباب وعوامل کیا تھے؟ یہ الگ اور مستقل موضوع اور تاریخی تسلسل ہے۔ میں اس طوالت میں نہیں جانا چاہتا۔

بس آخری گزارش کے طور پر میں عوام الناس سے صرف دو باتیں عرض کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں:

ایک بات یہ ہے کہ ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کے ساتھ کاروباری تعلقات کو بعض علماء کرام جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ علماء کرم کا ایک بڑا طبقہ جس میں ہر صوبے کے مشہور

ومعروف اہل فتویٰ شامل ہیں وہ حرام قرار دے رہے ہیں، ایسی صورتحال میں ایک عام مسلمان کا شرعی فرض یہ بنتا ہے کہ وہ اس طرح کے معاملات سے اجتناب کرے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"**ترکنا تسعة أعشار الحلال مخافة الربا**" (۱)

یعنی ہم نے نوے فیصد حلال کو ربا کے خوف سے چھوڑ رکھا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ

...."**فدعوا الربوا والريبة**". (۲)

یعنی سود بھی چھوڑ دو اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

اس وقت مروجہ اسلامی بینکوں کو بعض اہل علم سودی بینک کہتے ہیں، اور دوسرے بعض بھی شائبۂ سود پر مشتمل مانتے ہیں۔ لہٰذا اہل علم کو چاہئے کہ وہ امت کی راہنمائی کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کو ضرور سامنے رکھیں، اور امتِ مسلمہ اخلاص کے ساتھ ان کے فتوؤں پر عمل کرے۔

دوسری بات یہ کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے، اور یہ جذبہ بھی ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے کہ تھوڑا سا حلال بہت زیادہ حرام سے بدرجہا بہتر ہے، اسی میں ہماری نجات اور فلاح ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**قل لایستوی الخبیث والطیّب ولو أعجبک کثرة الخبیث فاتقوا اللّٰه یا أولی الألباب لعلّکم تفلحون**" (۳)

---

(۱) کنز: ۲/ ۲۳۱۔

(۲) مشکوٰۃ۔ باب الربا۔ ص: ۲۴۶۔ ط: قدیمی کراچی۔

(۳) مائدہ: ۱۰۰۔

ترجمہ:۔ تم کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت، سوڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تمہاری نجات ہو“۔ (۳)

چنانچہ اس آیت مبارکہ کے پیش نظر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ غریب اور محدود آمدنی والے معمولی مسلمان مزدور کا امتحان لینے کے لئے ایک طرف بکرے کا ایک کلو حلال گوشت رکھ دیا جائے، اور دوسری طرف گدھے کا ایک من گوشت رکھ دیا جائے، اور ساتھ یہ شرط بھی رکھی جائے کہ آپ کو ہزار روپے کا نوٹ بھی ملے گا، تم دونوں میں سے کون سا گوشت کھانا پسند کروگے؟ وہ مسلمان غریب مزدور، اپنی غربت اور افلاس کے باوجود ایک من حرام گوشت کی کثرت اور ہزار روپے کے شرطیہ نفع سے مرعوب ہونے کی بجائے ایک کلو حلال ہی کو اپنے حق میں بہتر سمجھے گا۔

اس لئے میں اپنے تاجر پیشہ مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ محض اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے، زراندوزی اور معاشرے میں مصنوعی معیار زندگی بلند رکھنے کی نفسانی خواہشات کی خاطر مروجہ اسلامی اور غیر اسلامی بینکوں کے ساتھ تمویلی کاروباری تعلقات استوار کرنے سے قبل حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد گرامی کو ضروری سامنے رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر جو ”ہدایت کرنے والا“ بٹھایا ہے، اور ہر مسلمان کے دل اور ضمیر کے اندر جو ”مفتی“ بٹھایا ہے، اسے جھنجھوڑ کر سوال کریں کہ آپ کیسے معاملات کررہے ہیں؟ اور کیوں کررہے ہیں؟ اور آپ کو کیا کرنا چاہئے؟

واضح رہے کہ حدیث شریف کی رو سے ہر مسلمان کا اپنے ضمیر سے یہ سوال ان صورتوں کے لئے بتایا گیا ہے جہاں معاملات کے جائز اور ناجائز کی کشمکش میں اہل فتویٰ نے کسی چیز کو جائز قرار دیا ہو، اس کے بعد بھی حضور نے ”ضمیر“ کے ”مفتی“ سے رجوع کرنے

(۳) ترجمہ شیخ الہندؒ۔

کے لئے فرمایا ہے۔لہٰذا مسلمان تاجروں پر لازم ہے کہ وہ مذکورہ آیت مبارکہ اور حدیث شریف کی روشنی میں اپنے معاملات پر ضرور نظر ثانی کریں۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حلال وحرام کی پہچان نصیب فرمائے، ہمارے اندر صرف حلال کھانے کا جذبہ اور حرام سے بچنے کا حوصلہ پیدا فرمائے،اور شریعت پر پوری طرح عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وصلى الله وسلّم على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

فقط والسلام

عبدالرزاق اسکندر

مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

٢٥/٩/١٤٢٥ھ/ ٢٦/٩/٢٠٠٨ء

ابتدائیہ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلاۃ والسّلام علی سیّد المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

أمّا بعد: فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم، بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم: "أحلّ اللّٰہ البیع وحرّم الرّبوٰ". (١)

وعنہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول: "لاترکبوا ما ارتکبت الیہود فتستحلّوا محارم اللّٰہ بأدنی الحیل". (٢)

سود اور اس کا متبادل

حق تعالیٰ شانہ نے "ربٰو" کو حرام قرار دیا اور اس کے جائز متبادل بلکہ نعم البدل کے طور پر "بیع" کو حلال قرار دیا۔

---

(١) البقرة: ٢٧٥.

(٢) أعلام الموقّعین: ٦١٩. ط: دار الکتب بیروت. وکذا إبطال الحیل لإبن بطة. ص: ٢٤ بحوالہ موسوعة اطراف الحدیث: ١٠٠/٧. ط: دار الفکر بیروت.

''بیع'' دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان باہمی رضامندی سے خرید وفروخت کا نام ہے، چنانچہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کوفروخت کرنے والے دو یا دو سے زیادہ افراد ہوں، اسی طرح خریدنے والے بھی اصالۃً یا نیابۃً دو یا کئی افراد ہوں، یعنی اسلام میں بیع وشراء کے اندر فریقین دو فرد اور دو جماعتیں بھی ہو سکتے ہیں جسے مشترکہ کاروباری سلسلے (Joint commercial enterprises) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مشترکہ کاروباری سلسلے کی شریعت میں دو واضح بنیادیں ملتی ہیں۔ ایک ''شرکت'' اور دوسری ''مضاربت''۔

مشترکہ کاروباری شکلیں اور مروجہ اسلامی بینکاری

عصر حاضر میں مشترکہ کاروبار کی کئی شکلیں اور اسکیمیں روایتی بینکوں نے بھی متعارف کروائی ہیں اور انہیں خوب منافع بخش بھی ثابت کیا جارہا ہے، یہاں تک کہ تجارتی بازار پر بھی بینک کا اثر ورسوخ اور بینک کی ضرورت حاوی ہوچکی ہے، باوجود یہ کہ روایتی بینک خالص سودی بنیادوں پر کام کرتا ہے۔ ہمارا تاجر پیشہ مسلمان نفع کی طمع اور لالچ یا کسی مجبوری میں سودی بینک کے ساتھ معاملات کررہا ہے، ایسے لوگوں کو سودی معاملات سے نجات دلانے اور جائز متبادل نظام مہیا کرنے کے لئے اگر ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کی بنیاد پر ''اسلامی بینکاری'' کے قیام کی کوشش کی جائے تو کیا یہ ممکن ہے یا نہیں؟

جہاں تک صحیح اسلامی بنیادوں پر اسلامی بینکاری کے قیام کے لئے نیک جذبات اور کوششوں کا تعلق ہے، ان کے محمود ومطلوب اور قابلِ ستائش ہونے میں ذرہ بھر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جہاں تک ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کے قیام کے امکانات کا تعلق ہے، اس پہلو سے کلام کی گنجائش ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ تاہم اتنی

بات پر سب متفق ہیں کہ مروجہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ''بینکنگ'' میں ''شرکت'' و ''مضاربت'' کی بنیاد پر کسی تمویلی نظام (Financing System) کی تشکیل وترویج ناممکن نہ سہی، مشکل اور دشوار ضرور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری نظام کو صرف اپنی حقیقی اور شرعی بنیادوں (مشارکہ ومضاربہ) پر قائم کرنے کی بجائے ''مرابحہ واجارہ'' وغیرہ کے نام سے ایسے حیلوں کو بھی مروجہ اسلامی بینکاری کی تمویلی بنیادوں میں شامل کرنا پڑا جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے قطعاً مثالی اسلامی تمویلی طریقے نہیں تھے، بلکہ ''مرابحہ'' عام سادہ بیع، اور ''اجارہ'' عام سادہ معاہدہ تھا۔ مگر اجارہ اور مرابحہ کو اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ بینکاری کے قوانین (Banking Rules) کے مطابق مسلمان تاجر اور ضرورت مند آدمی سودی بینک کو سود (ربوا) کی مد میں جو رقم ادا کرتا تھا، وہی رقم ''اسلامی بینک'' کو ''مرابحہ'' کے حیلے کے ذریعہ اسلامی ''ربح'' (Profit) کے نام سے ادا کرے۔ اور روایتی بینک ''لیزنگ'' (Leasing) کے نام پر اپنے گاہک کو جو سہولیات (Services) فراہم کرتا ہے اور ''لیزنگ'' کو منافع بخش ذریعۂ آمدن بناتا ہے، اس کے ساتھ گہری مناسبت ومشابہت رکھنے والا ہمارا سادہ معاہدہ (عقد اجارہ) ہے، لہٰذا روایتی بینک کے ''لیزنگ سسٹم'' کی جگہ ''اسلامی بینک'' کو اجارہ کا حیلہ دیدیا جائے، تاکہ وہ اپنے گاہک کو وہ سہولیات فراہم کرسکے جو روایتی بینک اپنے ''لیزر'' کو دے رہا ہے، اور اپنا منافع بھی کماتا ہے۔ ان دو حیلوں کی لازمی افادیت یہ ہوگی کہ اسلامی بینک، بینکنگ کی دوڑ میں شامل ہوسکے گا اور جوں ہی اسلامی بینک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوجائے گا تو وہ ان عارضی حیلوں (Ordinary Leagal device) سے بھی جان چھڑائے گا اور صرف اپنی اصل بنیادوں ''شرکت ومضاربت'' پر کام کرنے لگے گا۔

مروجہ اسلامی بینکوں کی کارکردگی

مگر ہمارے اسلامی بینکوں کی اب تک کی کارکردگی کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو وہ اپنی اصلی شرعی بنیادوں کی طرف پیش رفت کی بجائے ان عارضی حیلوں پر ہی انحصار کئے ہوئے ہیں، بلکہ اصل تمویلی طریقہ (mode of Financing) بھی ''مروجہ اجارہ ومرابحہ'' کے حیلۂ محضہ کو بنایا ہوا ہے۔ اوران حیلوں کو بھی مطلوبہ شرعی معیاراور شروط وضوابط کے مطابق استعمال نہیں کیا جارہا۔ یہ صرف بینکار حضرات کا قصور نہیں، بلکہ ہمارے بعض نوجوان اسلامی بینکاران سے بڑھ کران حیلوں کواسلامی بینکاری کی حقیقی اوراصلی بنیادیں بتانے اورمنوانے کے لئے انتھک محنتیں فرمارہے ہیں، اگر ہم ''مروجہ مرابحہ اوراجارہ'' کو اسلامی بینکاری کی واقعی بنیادیں تسلیم کرلیں اوراپنے نوجوان ساتھیوں کی تأویلوں اور صفائیوں کو سچ اورحق مان لیں تو پھر مروجہ اسلامی بینکوں کے غالب عنصر کی رعایت کرتے ہوئے مروجہ اسلامی بینکوں کو ''اسلامی بینک'' کی بجائے ''حیلہ بینک'' کہنا انصاف اور دیانت کا تقاضہ ہوگا۔

مروجہ اسلامی بینکاری اورعلماء وعوام

بہرکیف مروجہ اسلامی بینکوں نے مستقل تمویلی طریقہ (Mode of Financing) اور ذریعۂ تجارت، ''مروجہ اجارہ ومرابحہ'' کے حیلوں کو بنارکھا ہے، جو روایتی بینک کے سودی طریقۂ کارکی افادیت کے حامل ہونے کی وجہ سے اختیار کیا گیا تھا،

حیلوں کے فرق اور ناموں کے بجز ''روایتی بینک'' اور ''اسلامی بینک'' کے درمیان واضح فرق معلوم نہ ہوسکنے کی وجہ سے عوام اور خواص کی کثیر تعداد اندرونِ ملک و بیرونِ ملک بے حد تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہے، بالخصوص علماءِ حق سے وابستہ طبقہ، حد درجہ پریشانی سے دو چار ہے، اس طبقہ کی پریشانی میں اس وقت مزید اضافہ ہوجاتا ہے جب وہ اپنے کسی بھی معتمد دارالافتاء سے استفتاء کرتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا کیا حکم ہے؟ ان بینکوں میں رقم لگانا اور نفع خوری جائز ہے یا ناجائز ہے؟ تو سوائے چند بزرگوں اور ایک آدھ دینی ادارے کے اسے یہ تشویش کُن جواب ملتا ہے کہ ہمیں اس نظام کے موافقِ شرع ہونے پر اطمینان نہیں ہے۔ایسے مستفتی کو دو قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ایک یہ کہ اپنے ہی مسلک کے اکابر اہلِ علم کی رائے میں اتنا تفاوت اور بُعد کیوں ہے؟ دوسرے یہ کہ جن چیزوں اور معاملات کو اختیار کرتے ہوئے عوام اس لئے گھبراتے ہیں کہ انہیں ظاہری صورتحال سے ناجائز ہونے کا شک ہونے لگتا ہے۔آخر کیا وجہ ہے کہ چند علماء کرام اسے بلاتردد جائز فرمارہے ہیں؟ آیا ان مجوزین علماء کو ان معاملات کے ناجائز ہونے میں ذرہ بھر شبہ نہیں یا وہ شبہ کو بیان نہیں فرماتے؟

علماءِ حق کے ایسے عقیدت کیش لوگ اس تشویش اور پریشانی کے عالم میں اپنے ان علماءِ کرام سے بھی ناراضگی اور شکایت کا پُر زور انداز میں اظہار کرنے لگے ہیں جو علماءِ کرام اسلامی بینکاری پر اپنا مؤقف صرف ''عدمِ اطمینان'' کے الفاظ کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ان لوگوں کا یہ شکوہ اور اظہارِ ناراضگی اس لئے بھی بجا تھا کہ اپنے مؤقف کے بیان میں عدمِ اطمینان کے لفظ پر اکتفاء کرنے سے دو طرح کی خرابیاں پیدا ہورہی تھیں۔

ایک یہ کہ بینک کے بعض طرفداروں کی طرف سے کھلے عام یہ تاثر دیا جارہا تھا کہ جو حضرات اسلامی بینکاری پر عدمِ اطمینان کا اظہار کررہے ہیں انہیں حقیقتِ حال کا

ادراک ہی نہیں، حالانکہ ان (عدمِ اطمینان والے حضرات) کا یہ مؤقف دیانت و مصلحتِ دینیہ پر مبنی تھا۔ جس کی تفصیل آخر میں اس قسم کے سوال کے جواب میں آئے گی۔

دوسری خرابی یہ لازم آرہی تھی کہ جو اہلِ علم، عملاً فتویٰ سے منسلک نہیں ہیں اور وہ عدمِ اطمینان کی وجہ سے مروجہ اسلامی بینکوں کے بارے میں مصلحتِ دینیہ کے تحت خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بینکار طبقہ ان کی خاموشی کو اپنے حق میں خاموش تائید سمجھتا اور باور کراتا تھا، جس سے یہ تأثر عام کرنے میں مدد حاصل کی جارہی تھی کہ مروجہ اسلامی بینکاری بالکلیہ اور بالاتفاق شریعت کے مطابق ہے۔

حالانکہ اسلامی بینکوں پر اطمینان کرنے والے اور عدمِ اطمینان کا مؤقف رکھنے والے سارے علماءِ اُمّت اس پر متفق ہیں کہ ''شریعتِ غرّاء'' الگ چیز ہے اور ''حیلے'' الگ چیز ہیں، حیلے عین شریعت ہرگز نہیں ہیں۔ اگر کوئی حیلہ شرعی شروط و آداب پر مبنی ہو تو وہ حرام سے بچنے کے لئے یا حلال تک پہنچنے کے لئے ایک ''پُل'' کا کام دیتا ہے۔ پُل کو کبھی کسی نے منزل نہیں کہا اور نہ ہی پل پر ڈیرے ڈالے، بہرحال یہ بحث اپنے مقام پر آگے آئے گی۔

مروجہ اسلامی بینکاری اور جمہور علماء کا موقف

یہاں پر یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عدمِ اطمینان کا مؤقف رکھنے والے اکابر اہلِ علم کے محتاط رویوں کی وجہ سے علماءِ حق سے وابستہ لوگوں میں پائی جانے والی پریشانیوں اور تشویش میں دن بدن اضافہ ہورہا تھا اور مسلمان معاشرے کا معتدبہ طبقہ، اس اجمالی مؤقف کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہورہا تھا۔ ایسی صورتحال میں عدمِ اطمینان والے علماءِ کرام کا فرضِ منصبی تھا کہ وہ اپنے علم، اپنے مؤقف اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔ باقی جو لوگ ان کی رائے کے منتظر

نہیں رہے، انہوں نے دوسرے بعض اہلِ علم کی پیروی کی ہے، وہ ان کا اپنا عذر ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری پر عدمِ اطمینان کا موقف رکھنے والے حضرات اس سلسلہ میں متفکر ہوئے اور اپنے اس مؤقف کے اظہار کے لئے اور علماء کے متنسبین کی پریشانی اور اضطراب کے ازالے کی خاطر ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۵/ مئی ۲۰۰۸ء کو ’’باب الرّحمت مسجد‘‘ نمائش چورنگی کراچی میں اربابِ فقہ وفتویٰ کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔

یہ اجتماع رئیسِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب أدام اللہ فیوضہم کی دعوت اور تحریک پر انہی کے زیرِ صدارت منعقد ہوا، اس اجتماع میں یہ طے پایا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی وجہ سے پیدا شدہ صورتحال کا ادراک کیا جائے اور اس سلسلہ میں عدمِ اطمینان کا مؤقف رکھنے والے علماء کرام کے مؤقف کو مرتب انداز میں بیان کیا جائے، اور عوام کے سامنے مناسب اور معقول انداز میں اس کا اظہار اور اعلان کردیا جائے، اور ساتھ یہ وضاحت بھی کہ اس اعلان واظہار سے کسی کی توہین اور تنقیص یا مخالفت اور محاذ آرائی ہرگز نہ سمجھی جائے، بلکہ یہ اظہار ایک شرعی مسئلے سے متعلق اپنی رائے کا اظہار ہے، جسے شرعی فریضہ کے طور پر حسبِ ضرورت شرعیہ عام کیا جارہا ہے۔

اس اظہارِ رائے کے طریقہ کار اور وقت کے حوالے سے تفصیلی مشاورت ہوتی رہی اور متعدد مجالس بھی منعقد ہوتی رہیں، جن میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کی سرپرستی اور توجہات پیہم شاملِ حال رہیں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے طریقہائے تمویل (modes of Financing) پر عدمِ اطمینان کی رائے رکھنے والے حضرات علماءِ کرام کے مؤقف کو تحریری شکل میں لاتے ہوئے عدمِ اطمینان کی وجوہات بھی تفصیلی وضاحت کے ساتھ پیش کردی جائیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی تحریر وتفصیل کے لئے کچھ وقت اور مہلت کی ضرورت بھی تھی،

چنانچہ شرکاءِ مجلس علماءِ کرام نے مؤدبانہ اصرار کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث صاحب زیدمجدہم سے کچھ وقت اور مہلت حاصل کرلی، ایسے وقت طلب کاموں میں تاخیر، بالخصوص آج کے دور میں خواہ مخواہ ہو ہی جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو عمر دراز نصیب فرمائے، جن کی سرپرستی وتوجہات سے یہ وقت طلب کام بہت قلیل عرصہ میں موجودہ صورت میں سامنے آرہا ہے۔

ہمیں اپنی کوشش کے اس مرحلے تک پہنچتے ہوئے جہاں فرحت ومسرت محسوس ہورہی ہے، وہیں افسوس ورنجیدگی بھی محسوس کررہے ہیں کہ ہم اپنے بھرپور اخلاص وللّٰہیت کے باوصف اپنے مؤقف کا اظہار اور اعلان ایک ایسے مرحلے پر کررہے ہیں، جہاں علماء دشمن، دشنام طراز طبقہ، علماءِ دین کے خلاف منہ کھولے کھڑا ہوا ہے، اگر اس اعلان اور اظہار کے لئے فرضِ منصبی کا تقاضا اور ضرورتِ دینیہ کا فوری داعیہ کارفرما نہ ہوتا تو شاید مزید تأمل سے کام لیتے ہوئے کسی اور مناسب وقت کا انتظار کرلیا جاتا، مگر امتِ مسلمہ اپنے علماءِ دین اور مسئلہ دینیہ کے بارے میں فتنے کا شکار بنتی جارہی ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اپنے مؤقف کا واضح اعلان اور اظہار کردیا جائے اور حلال وحرام کے اختلافی نقطہائے نظر کی موجودگی میں عوام الناس کو ''عمل'' کے لئے راستہ بھی بتادیا جائے۔ تاکہ وہ صحیح صورت حال کا ادراک کرتے ہوئے دینی احکام پر عمل پیرا ہوسکیں۔

''مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم'' اور ان کے ناقدین

ہمارے ملک میں اسلامی بینکوں کا تعارف، شہرت اور ترویج چونکہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی وساطت سے ہوئی ہے، بلاشبہ اگر مروجہ

اسلامی بینکاری کو مولانا مدظلہم کی شخصیت کا سہارا نہ ملتا تو کم از کم پاکستان میں اس کے پاؤں ہرگز نہ جم سکتے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جاسکتا کہ پورے نظام کے صحیح یا غلط ہونے کے ذمہ دار بھی مولانا ہی ہیں، بالخصوص اس نظام میں جو بھی خرابی نظر آئے اس کا ذمہ دار مولانا کو ٹھہرانا عقل، دیانت اور شریعت کے موافق نہیں، اور کیا ہی ستم ظریفی ہوگی کہ مولانا مدظلہم کو اس نظام کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے بدکلامی، بدزبانی اور دریدہ دہنی کی نوبت بھی آجائے۔

ہماری معلومات اور مشاہدات کے مطابق موجودہ بینکاری نظام کی عملی تطبیق کے حوالے سے حضرت مولانا مدظلہم حسبِ موقع اپنے عدمِ اطمینان کا اظہار بھی فرماتے رہتے ہیں، جس کا حوالہ آگے اپنے مقام پر آئے گا۔

البتہ مولانا کا مروجہ اسلامی بینکاری میں جو حصہ اور کردار ہے وہ آپ کی فراہم کردہ فقہی بنیادیں ہیں، یہ ذمہ داری بہرحال مولانا مدظلہم پر عائد ہوتی ہے۔ آپ کے ناقدین اگر ان بنیادوں پر فقہی بحث ومباحثہ کرنا چاہیں تو تنقید وحقِ تنقید کے اخلاقی وشرعی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تنقید کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ بسا اوقات شرعاً ضروری بھی ہوتا ہے۔ اب تک ہم نے جو دیکھا ہے مولانا کے ناقدین تین قسم کے لوگ ہیں،

ناقدین کی پہلی قسم

بعض پروفیسرز اور فلاسفر حضرات جو مغربی فلسفہ سے اتنے مرعوب ہیں کہ انہیں دنیا کے ہر ڈھانچے اور خاکے کی بنیادوں میں مغربی فلسفے کا رنگ نظر آتا ہے۔ مغربی فلسفے کے دنیا پر گہرے اثرات سے ہمیں کوئی انکار نہیں، ہمیں ان حضرات سے شکوہ یہ ہے کہ ہم آپ کے اخلاص، تدین اور اسلام پسندی میں شک وشبہ نہیں کرتے، اگر آپ مولانا پر تنقید کرتے ہوئے

انہیں اسلام کے بارے میں اپنے درجہ کا مخلص، دیندار اور اسلام پسند تسلیم کرتے ہوئے گفتگو فرماتے تو آپ کا اخلاص اور دینداری نکھار کے ساتھ سامنے آتی۔ یا آدابِ تحریر کی رعایت کرتے ہوئے ''محاکات'' کے طور پر ادب واحترام کا جتنا حصہ سیکولر اور مستشرقین مفکرین کو دیا ہے اتنا حصہ مولانا مدظلہم کے لئے بھی مختص فرمادیتے تو شاید آپ کی قیمتی آراء وتجاویز تنقید برائے تنقید کی بجائے تجویز برائے تعمیر اور نصح وخیر خواہی پر حمل کی جاتیں اور کوئی فائدہ بھی ہوتا۔

دوسرے یہ کہ ہمارے ان بھائیوں کی تنقید ''فقہی'' نہیں بلکہ فکری اور نظریاتی نوعیت کی ہے، جبکہ مولانا موصوف پر زیادہ تر ذمہ داری فقہی بنیادوں کے حوالے سے عائد ہوتی ہے، فکری تنقید ایک ضمنی نوعیت کی تنقید ہے۔

اس لئے ہم ان حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا مدظلہم پر تنقید آپ کا حق ہے، مگر اس سے قبل اگر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا رسالہ ''تنقید اور حقِ تنقید'' پڑھ لیا جائے تو امید ہے کہ دینی سوچ کے تحت تنقید کرنے والے بھائیوں کو بہت ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

ناقدین کی دوسری قسم

مولانا مدظلہم پر تنقید کرنے والوں کی دوسری قسم بعض علمائے کرام ہیں جن کی تنقید کا محور مولانا مدظلہم کی فراہم کردہ فقہی بنیادیں تو ضرور ہیں، مگر ان کی تنقید کے دو پہلو سقم سے خالی نہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے مروجہ اسلامی بینکاری کے عملی تطبیقی نظام کی خرابیوں کا ذمہ دار بھی مولانا کو ٹھہرایا۔ دوسرے یہ کہ وہ مولانا پر تنقید کرتے ہوئے ان کے مقام اور مرتبہ سے قطع نظر خود اپنی عالمانہ شان کا پاس بھی نہیں رکھ سکے، ایسے حضرات کو اپنے طرزِ

تنقیداورانداز تحریر و بیان پر ضرورنظرِ ثانی کرنی چاہئے۔

ناقدین کی تیسری قسم

مولانا مدظلہم پر تنقید کرنے والے حضرات کی تیسری قسم آپ کے معاصرار بابِ فقہ وفتاویٰ کی جماعت ہے،اس جماعت میں آپ کے بعض اساتذۂ کرام اور ملک کے معتمد اور معتبر دارالافتاؤں کے مفتیانِ کرام شامل ہیں۔ یہ حضرات مولانا مدظلہم کے مقام اور مرتبہ کا پاس رکھتے ہوئے ادب واحترام کے دائرے میں رہ کر مروجہ اسلامی بینکاری کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مولانا مدظلہم کا اخلاص وللّٰہیت مسلم ہے،انہوں نے جو فقہی بنیادیں اسلامی بینکاری کے لئے وضع فرمائی ہیں،وہ اسلام، اہلِ اسلام اور وطنِ عزیز کی سچی پکی محبت میں ڈوب کر تیار فرمائی ہیں،مولانا مدظلہم یہ سچی خواہش اپنے اندر پالے ہوئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اسلامی معاشرہ سودی آلائشوں سے پاک صاف ہوجائے۔ یقیناً یہ سوچ وفکراور جدوجہد قابلِ ملامت نہیں بلکہ قابلِ ستائش ہے۔البتہ دو باتیں ضرور ہیں۔

۱۔ یہ کہ جن لوگوں پر انحصار اوراعتماد کرتے ہوئے مولانا مدظلہم نے اسلامی بینکاری کی بنیادیں فراہم کی ہیں،اب تک کی کارکردگی سے یہی ثابت ہورہا ہے کہ وہ حضرات ان کی نیک توقعات پر پورا اترنے میں قطعاً کامیاب نہیں ہوسکے، بلکہ غیر سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ''مروجہ مرابحہ واجارہ'' جیسے وقتی حیلوں سے ''مشارکہ و مضاربہ'' جیسی حقیقی بنیادوں کی طرف کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں ہوسکی اور یہ لوگ اپنے خلافِ شرع اور قابلِ اعتراض طریقۂ تمویل کے لئے مولانا کے نام اور فتویٰ کو بطورِ ڈھال کے پیش کررہے ہیں اور یہ پرانی روایت چلی آرہی ہے۔

اسی طرح مولانا مدظلہم کے اقتصادی وبینکاری اُفکار کی ترجمانی اور تشریح کا کردار

ادا کرنے والے بعض نوجوان اسلامی بینکاروں کے رویوں میں مولانا مدظلہم سے زیادہ، عام بینکاروں کا رنگ روپ غالب ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں کو ہم مولانا مدظلہم کی ترجمانی کہیں، یا انہیں بھی مولانا جیسے احترام کا مستحق سمجھیں، شرعاً اور اخلاقاً یہ ضروری نہیں ہے۔

الغرض ان دونوں طبقوں کے ہر قول وفعل کو نہ تو ہم بالکلیہ شریعت کے موافق کہتے ہیں اور نہ ہی ان کے ہر قول وفعل کی ذمہ داری مولانا عثمانی مدظلہم کے سر تھوپنے کو مناسب سمجھتے ہیں۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب أدام اللہ فیوضہم کے علم اور دیانت کا اعتراف کرتے ہوئے اسلامی بینکاری کے لئے ان کی تجویز کردہ فقہی بنیادوں اور ان بنیادوں کی تشریح اور تطبیق پر بحث ومباحثہ اور رد وقدح کی کافی گنجائش ہے۔ ان کی تجویز کردہ فقہی بنیادوں اور طرزِ استدلال پر اعتراض اور اس سے اختلاف کرنا آپ کی توہین یا تنقیص کے حکم میں ہرگز نہیں آتا، بلکہ یہ اختلاف دینی اور اصولی ہونے کی بناء پر شرعاً محمود ومطلوب بھی ہے اور یہ ایسا اختلافِ رائے ہے جس کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال خود ''فقہ حنفی'' ہے۔

مولانا مدظلہم کے اکابر یا معاصر اربابِ فتوی کے ان سے اختلاف کو اسی تناظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔ اور یہ اختلاف راجح ومرجوح سے لیکر حلال وحرام تک بھی ہوسکتا ہے۔

اختلاف سے نکلنے کا راستہ

یہ حقیقت ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں ہر طبقے کے لوگوں کے تحفظات اور خدشات پائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ علماء دین کی طرف سے بھی دو قسم کی آراء سامنے آرہی ہیں۔ ایسی صورت حال میں عوام الناس کیا کریں؟ اس اختلاف سے نکلنے کا

راستہ کیا ہوگا، بالفاظ دیگر اس اختلاف میں وجۂ ترجیح کیا ہوگی؟

چنانچہ ہم اپنی تحقیق اور جستجو کے بعد یہ عرض کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالہ سے علماء کرام کا اختلاف صرف راجح مرجوح کا اختلاف نہیں ہے جس میں چشم پوشی سے کام لیا جاسکے، بلکہ یہ اختلاف، حلال اور حرام کا اختلاف ہے۔ دوسری طرف مروجہ اسلامی بینکوں کو جائز کہنے والے حضرات بھی اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار بھی کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینک مکمل حلال اور خالص اسلامی ہرگز نہیں بلکہ کچھ حلال اور کچھ حرام ہے، ان کے بقول اسلامی بینکوں میں سودی اور غیر اسلامی معاملات کی شرح روایتی بینکوں کی بنسبت کم ہے اس لئے یہ "اہون سود" (۱) ہونے کی بناء پر اسلامی بینک ہے۔ اور اس کے ساتھ معاملات کرنا شرعا جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بناء پر ہمارا کہنا یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں جمہور علماء کرام کا موقف اصولی طور پر صحیح اور واجب العمل ہے۔ جب کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور ان کے پیروکاروں کا موقف غیر صحیح اور شرعاً ناقابل عمل ہے۔ اس کی سرسری چند وجوہ یہ ہیں:

۱......جمہور کا موقف صریح نصوص اور واضح شرعی اصولوں پر مبنی ہے۔ اور مولانا مدظلہم کے موقف کی بنیاد غیر ضروری حیلوں اور رخصتوں پر ہے۔ نصوص شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے مقابلے میں حیلوں کا سہارا نہیں لیا جاسکتا۔

۲......جمہور علماء حرام کہہ رہے ہیں، اور مولانا حلال کہہ رہے ہیں۔ ایسے مسئلہ میں بہرحال حرام کو مقدم رکھا جاتا ہے۔

۳......اگر مولانا کے موقف کو تسلیم کیا جائے تو اسلامی بینک کے ذریعہ سرمایہ

---

(۱) ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد فروری ۲۰۰۴ء زیر عنوان یہ محض ایک حیلہ ہے۔

کاری زیادہ سے زیادہ مباح عمل ہے۔ دوسری طرف حرام میں وقوع کا اعلان ہے۔ مباح کو اختیار کرنے کی بجائے حرام سے بچنا فرض ہے۔

۴...... اگر بفرض تسلیم اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری کو ہم حلال وحرام سے مخلوط کی حد تک مان لیں تو بھی مروجہ اسلامی بینکوں کے ذریعہ سرمایہ کاری کے جواز کا راستہ بالاتفاق نہیں مل سکتا۔ اس پر خود مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا وہ تجزیہ بہت ہی ٹھوس اور جامع انداز میں پیش خدمت ہے جو انہوں نے غیر سودی کاونٹروں کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

> ''اس تجزیے سے یہ بات واضح ہوئی کہ فی الحال ان غیر سودی کاؤنٹروں کا کاروبار جائز اور ناجائز معاملات سے مخلوط ہے اور اس کا کچھ حصہ مشتبہ ہے لہٰذا جب تک ان خامیوں کی اصلاح نہ ہو اس سے حاصل ہونے والے منافع کو کلی طور پر حلال نہیں کہا جاسکتا اور مسلمانوں کو ایسے کاروبار میں حصہ لینا درست نہیں''۔(۱)

اسی اجمال کی تفصیل آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ إن شاء اللہ۔

وضاحت

واضح رہے کہ اس مقالے کی تحریر میں بچند وجوہ کسی خاص بینک یا بینکاری نظام کی جزئیات کو ہم نے موضوع بحث نہیں بنایا۔ جزئیات کا استقصاء دشوار ہونے کے علاوہ شاید عبث بھی ہوتا، کیونکہ جڑ میں فساد ہو تو پتے جھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے ہم نے جزئیات کی بجائے مروجہ اسلامی بینکاری کے ڈھانچے کی بنیادوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اب مروجہ اسلامی بینکاری کا طریقہ تمویل اور وہ بنیادیں کیا کیا ہیں جن کو اعتماد کے

(۱) فقہی مقالات، جلد۲، صفحہ۲۶۴، طبع میمن اسلامک پبلشرز۔

ساتھ اسلامی بینکاری کی بنیاد کے درجے میں سمجھتے ہوئے کوئی حکم لگایا جاسکے؟ ہمارے خیال کے مطابق اس سوال کا معتبر اور صحیح جواب اس موضوع پر حضرت مولانا مدظلہم کی تحریریں ہیں جو کہ اسلامی بینکاری کے ثبوت کے لئے واحد ٹھوس ثبوت اور سند وحوالے کا درجہ رکھتی ہیں۔اس لئے آپ کی تحریرات ،موضوع بحث کے محور ،مأ خذ اور بنیاد کے طور پر لی گئی ہیں۔اس کے علاوہ دیگر بعض تحریریں بھی پیش کی گئی ہیں اور ہر تحریر کا حوالہ بھی تقریباً دیا گیا ہے۔

جبکہ مروجہ بینکاری کے احوال واقعی کے بابت زیادہ تر انحصار بھی حضرت مولانا مدظلہم کی تحریرات اوران کے ارشادات پر کیا گیا ہے کیونکہ ان کی شہادت ''**شهادة اهل علیٰ عیالہٖ**'' کا درجہ رکھتی ہے اس لئے مروجہ بینکاری کے بابت ہم اپنے پیش کردہ ثبوت اور حوالہ جات سے متعلق جزم کے ساتھ صحت کا دعویٰ کرسکتے ہیں ،مگر بشری اور علمی کمزوریوں کے احتمال کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔کسی مقام پر بھرپور احتیاط کے باوجود کوئی علمی ،فنی یا لفظی لغزش سرزد ہوئی ہو تو عین ممکن ہے۔اہل علم ونظر کی طرف سے ایسی لغزشوں کی نشاندہی کے لئے ہم بصد شکر منتظر رہیں گے۔

اعتذار

دورانِ تحریر ہماری یہ بھی کوشش رہی کہ بے جا طور پر کسی ادارے یا فرد کا نام اس کے مقامِ احترام سے ہٹا کر ہرگز نہ لیا جائے۔ بایں ہمہ اگر ہماری گفتگو،طرزِ تخاطب یا تذکرہ و بیان کے ضمن میں ہمارے کسی بھی مسلمان بھائی کی دل شکنی ہوئی ہو یا ان کے اس مقام کا پاس نہ رکھ سکے ہوں جس کا وہ ہم سے گمان رکھتے تھے،تو اپنے ایسے بھائیوں سے ہم انتہائی لجاجت کے ساتھ معافی کے خواست گار ہیں اوران کی شایانِ شان معذرت خواہ ہیں۔ساتھ

ساتھ ان سے متعلق اس حسن ظن کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ وہ ہماری ہر تلخ وشیرین بات کو اخلاص، للّٰہیت اور حمیت دینی کے تناظر میں دیکھیں گے۔

بخدا ہمارے پیش نظر نہ کسی کے خلاف سازش ہے نہ کوئی محاذ آرائی ہے اور نہ ہی کسی باعزت انسان کی توہین وتنقیص ہے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف اظہارِ حق ہے اور بس!

واللّٰہ تعالیٰ علیٰ مانقول وکیل وشہید۔

پہلا باب

فصل اول

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصّلوٰۃ والسّلام علٰی سیّد المرسلین وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین: أما بعد فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم، بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم:
قال تعالیٰ: ’’أحلّ اللّٰہ البیع وحرّم الربو‘‘.(۱)
’’ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل‘‘.(۲)

بینک اور اسلام

Bank & Islam

بینک کا بنیادی تصور

’’بینک‘‘ ابتدائی طور پر ’’نقود‘‘ کے لین دین کا ادارہ ہے، جہاں محنت وعمل کے واسطہ کے بغیر ’’زر‘‘ کے ذریعہ ’’زر‘‘ کی پیدائش کا تصور کارفرما ہے، جو مغربی سرمایہ داری نظام (Capitalism) کی ایجاد ہے، اس ادارہ میں سرمایہ کا ایسا ارتکاز ہوتا ہے جہاں

(۱) البقرۃ، الآیۃ: ۲۷۵. (۲) البقرۃ، الآیۃ: ۱۸۸.

نقصان وخسارے کا گزر نہ ہوسکتا ہو، یہ ادارہ سرمایہ کو ایسی گردش میں رکھنے کا عزم ظاہر کرتا ہے جس سے سرمایہ میں زیادتی ہوتی رہے اور سرمایہ دار اس سے مستفید ہوتے رہیں، اس گردشِ سرمایہ کا محور چونکہ محض سرمایہ دار ہی ہوتے ہیں، اس لئے نتیجہ کے طور پر سرمایہ چند سرمایہ داروں کے درمیان چکر کاٹتا رہ جاتا ہے، عام معاشرہ ''سرمایہ'' کی اس گردش سے باہر رہتا ہے، جس کا انجام عام معاشرے کے استحصال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ''بینک'' اپنے اس بنیادی تصور کے اعتبار سے سود، ''**أکل بالباطل**'' (دوسروں کا مال ناحق ہتھیانے) اور ''**دولۃً بین الأغنیاء**'' (دولت مندوں کے درمیان اُلٹ پھیر) کی واضح ترین شکل ہے، اس لئے ''بینک'' کے بنیادی تصور کے غلط ہونے میں شریعت کی رو سے کسی قسم کا خفاء نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس ''بینکاری نظام'' کے تانے بانے شاطر ذہنیت نے ایسی عیاری ومکاری سے بُنے ہیں کہ یہ نظام ''سرمایہ دارانہ نظام'' کے ضمن میں پوری دنیا کے اندر جال بن کر پھیل چکا ہے اور ہر ملک کے لئے ریاستی مجبوری بن چکا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی حکومت ہو، وہ بینکاری کے مغربی تصور کے مطابق اہلِ مغرب کے بنائے ہوئے سانچوں اور قوالب میں ''مرکزی'' اور ''قومی بینک'' بنانے کے لئے مجبور بنی ہوئی ہے۔ بینکاری کو دنیا کی مجبوری بنانے کے لئے مزید یہ حربہ بھی اختیار کیا گیا کہ ''بینک'' صرف ''نقدی'' کے لین دین میں واسطہ کی حد تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ تمویل، تخلیقِ زر اور درآمدات وبرآمدات میں بھی لازمی واسطہ بنے گا۔ چنانچہ بینک کے واسطہ کے بغیر درآمدات وبرآمدات کا سلسلہ صحیح طور پر قائم نہیں رہ سکتا، اگر کوئی حکومت یا کمپنی بیرون ملک سے کچھ منگوانا چاہے، یا اپنی اشیاءِ فروخت باہر بھیجنا چاہے تو اسے بینک کو واسطہ بنانا پڑے گا۔

الغرض بینکاری نظام کو دنیائے انسانیت کے حق میں ایسی ریاستی مجبوری

بنادیا گیا ہے جس سے دنیا کا چھٹکارا کافی حدتک مشکل ہے، پھر اس پر مستزاد یہ ستم بھی ہے کہ روایتی بینکاری کو جن سانچوں میں ڈھالا گیا ہے، وہاں اسلامی تصور اور دینی تشخص کے لئے نہ صرف یہ کہ کوئی خانہ، کوئی گوشہ اور کوئی زاویہ خالی نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ بقول مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے سطحی فوائد کا ملمع چڑھا کر ایسا دلکش اور نظر فریب بنادیا گیا ہے کہ اُسے تقلید مغرب کی منحوس عینک اُتارے بغیر بے ضرر نفع بخش بلکہ قطعاً ناگزیر ہی کہا جاسکتا ہے۔(۱)

الغرض مغربی جمہوری تصور نے مسلمانوں کے تصورِ خلافت کے عملی نفاذ کے راستے میں جس طرح ہر قسم کی رکاوٹوں کے انبار لگارکھے ہیں، اسی طرح اس کے ذیلی جزء ''مغربی بینکاری نظام'' کے ذریعہ اسلام کے ''عادلانہ اقتصادی نظام'' کے عملی نفاذ کے تمام راستوں کو مسدود کرنے کے لئے بھی اپنی تمام تر صلاحیتیں اور کاوشیں بروئے کار لائی جاچکی ہیں۔

اب ایسی سنگین صورتحال میں مجبوری و بے بسی اور پریشانی کے چوراہے پر کھڑی امتِ مسلمہ کہاں جائے؟ اور کیا کرے؟

چنانچہ امت مسلمہ کے بعض مفکرین اس طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے یہ کوشش شروع کی کہ مسلمانوں کو استعماری اقتصادی نظام کے تحت چلنے والی بینکوں سے نجات دلائی جائے، چنانچہ انہوں نے اسلامی بینکاری کا ایک خاکہ پیش کیا۔(۲)

---

(۱) جواہر الفقہ، تجارتی سود عقل اور شرع کی روشنی میں: ۱۶۲/۳-۱۶۳۔ط: مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند، الہند۔

(۲) مستفاد از ''البنوک فی العالم، انواعها، وکیف تتعامل معها'' لجعفر الجزار ۔بصائر وعبر، از حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ۔ بینات محرم، ۱۳۸۸ھ۔ جدید معیشت وتجارت از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ۔ تعارف زر و بینکاری، از شیخ مبارک علی۔ المعاملات المالیه المعاصرة فی ضوء الفقه والشریعة الدکتور محمد رواس.

بینکاری کا اسلامی تصور

''بینک'' اپنے بنیادی مغربی تصور کے اعتبار سے تو اسلام کی ایسی ضد ہے، جس کا اسلام کے ساتھ جمع ہونا روشنی اور ندھیرے کے ایک ساتھ جمع ہونے کے مترادف ہے، کیونکہ بینک کا بنیادی تصور اصل سرمایہ کے تحفظ کی ضمانت اور نفع کی واقعی یقین دہانی پر قائم ہے، اسلام میں ایسا معاملہ صرف قرض اور اس پر متعین نفع کی شرط پر ہی ہوسکتا ہے جو کہ خالص ''سود'' ہوکر حرام قطعی کہلاتا ہے، بایں معنیٰ ''اسلامی بینک'' کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ''اسلامی سود'' کہنا یا ''اسلامی شراب خانہ''، ''اسلامی قحبہ خانہ'' وغیرہ۔ مگر جب سے بینک اپنے بنیادی تصور سے کچھ اوپر آ کر تجارتی سرگرمیوں میں ادارہ اور فریق کی حیثیت سے حصہ دار بننے لگا ہے تب سے بینک اور اسلام کے درمیان قربت کے کچھ محدود آثار محسوس کئے جانے لگے ہیں۔ کیونکہ بینک اگر واقعۃً سودی معاملات چھوڑ کر تجارتی ادارے کی حیثیت سے معاملات کرتا ہے تو اسلام بھی چونکہ ''سود'' کا متبادل شرعی تجارت ہی کو قرار دیتا ہے، اس لئے بینک (بحیثیت تجارتی ادارہ) اور اسلام کے فراہم کردہ نعم البدل (بیع شرعی) کے درمیان ربط اور اجتماع کے امکانات تسلیم کئے جاسکتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا ادارہ اگر تجارتی اصولوں پر سرمایہ کاری کرے تو وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ''تجارتی ادارہ'' ہی ہوگا، خواہ نام کے اعتبار سے کمپنی کہا جائے یا ''بینک'' یا کچھ اور؟ (بینک اور اسلام کے اکٹھے ہونے کے تصور کی کچھ بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی)

لیکن ایسے ادارہ کو اسلامی ادارہ یا اسلامی بینک کہنے کے لئے چند بنیادی اسلامی خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے، چنانچہ محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ سے لے کر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم تک ہمارے اکابر نے

''اسلامک بینکنگ'' کا جو تصور پیش فرمایا ہے اس کے مطالعہ سے اسلامی بینک میں مندرجہ ذیل خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے:

۱- اسلامی بینک کی پہلی خصوصیت بلکہ علامت اور پہچان یہ ہے کہ وہ شرکت ومضاربت کے شرعی اصولوں پر سرمایہ کاری کرے اور مالی استحکام ہو تو قرضِ حسن کے ذریعہ لوگوں کے ساتھ معاملات کرے، اس کے علاوہ کوئی اور تمویلی طریقہ (Mode of Financing) اسلامی بینک کی مستقل بنیادوں میں شریعت کی رو سے قابل قبول نہیں ہے۔

۲-اسلامی بینکاری، شرعی تجارتی اصولوں پر مکمل پابندی کرے اور ایسے طریقوں پر سرمایہ کاری کرے جو دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر منتج نہ ہوں جہاں امیر سے امیر تر بننے اور غریب سے غریب ٹھہرانے کے جذبات وتعلقات کارفرما نہ ہوں، یعنی اسلامی بینک کے سامنے ''کی لایکون دولۃً بین الأغنیاء منکم'' (دولت کے دولت مندوں کے درمیان الٹ پھیر نہ ہو) کی رکاوٹ حائل رہنا ضروری ہے۔

۳- اسلامی بینک ایسے افکار وطریقہائے کار پر سرمایہ کاری نہ کرے جس سے معاشرے میں مہلک استحصالی جراثیم کا اضافہ ہوتا رہے یعنی ''أکل بالباطل'' (دوسروں کا مال ناحق ہتھیانے) کا فکر وعمل اسلامی بینکاری کے قریب نہیں بھٹکنا چاہئے۔

۴- اسلامی بینکاری میں ایسے حیلوں کو ہرگز راستہ نہیں ملنا چاہئے جن حیلوں سے مقاصد شریعت فوت ہوتے ہوں اور ان حیلوں کو سود کی روح باقی رکھنے کا ایک قانونی حیلہ بنایا جائے اور بینکاری نظام کی پوری عمارت ان حیلوں پر کھڑی کردی جائے اور اربوں کی سرمایہ کاری کے لئے حیلوں کو مدار بنایا جائے یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

۵-اسلامی بینکاری کے نظام کو ایسی بنیادوں پر ہرگز نہ چلایا جائے جن سے اسلامی نظام سرمایہ کاری کا ناقص اور ادھورا تصور دنیا کے سامنے پیش ہو۔

پس جو نام نہاد اسلامی بینک اس خصوصیت سے عاری ہوگا وہ قطعاً غیر اسلامی ہوگا۔ چنانچہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے بلا سود سرمایہ کاری کے حوالے سے ''بصائر وعبر'' کے زیرعنوان کئی اداریئے تحریر فرمائے، ایک اداریئے میں اسلامی بینکاری کا جو اسلامی حقیقی تصور پیش فرمایا ہے اور جس احتیاط وحذاقت کے ساتھ پیش فرمایا ہے اس کے تازگی آج بھی محسوس ہورہی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

> ''باہر کی دنیا میں غیر اسلامی نظام رائج ہے، جس کی بنیاد سود اور بیمہ پر ہے، نیز بغیر بینک کے کوئی نظام آج کل چل نہیں سکتا تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ایسا نظامِ تجارت سوچیں اور ایسا بینک قائم کریں کہ جو بغیر سود کے چل سکے ...چاہے وہ مضاربت کے اصول پر ہو یا شرکت کے قانون پر ہو...نہ یہ کہ ہم یہ اندازِ فکر اختیار کریں کہ بینکنگ کے سود کو جائز ٹھہرائیں کہ یہ وہ سود نہیں ہے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ درحقیقت بینک کا سود ہی وہ بڑی لعنت ہے جس پر سرمایہ داری کی ساری عمارت کھڑی ہے اور یہی لعنت ہے جو اپنے ردعمل کے طور پر اشتمالیت واشتراکیت کا سبب بن رہی ہے۔(۱)

اسی مضمون کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے مقالے کے اندر بہت ہی خوبصورت پیرائے میں تحریر فرمایا ہے جس کو ان کا ''بینکاری نظریہ'' بھی کہا جاسکتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ:

> جب ہم ''غیر سودی بینکاری'' کا نام لیتے ہیں اور بینکنگ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا منشاء

(۱) بصائر وعبر، ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ۔

یہ نہیں ہوتا کہ چند حیلوں کے ذریعے ہم موجودہ طریق کار کو ذرا سا تبدیل کر کے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے پورے نظام کو تبدیل کر کے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں، جس کے اثرات تقسیم دولت کے نظام پر بھی مرتب ہوں۔ اور سرمایہ کاری کا اسلامی تصور یہ ہے کہ جو شخص کسی کاروبار کو سرمایہ فراہم کر رہا ہے وہ یا تو نفع کا مطالبہ نہ کرے یا اگر نفع کا مطالبہ کرتا ہے تو نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہو، لہٰذا ''غیر سودی بینکاری'' میں بنیادی طور پر اس تصور کا تحفظ ضروری ہے۔ اب اگر بینک کا سارا نظام ''مارک اپ'' (مروجہ اسلامی بینکاری میں اس ''مارک اپ'' کا نام ربح اور اجرت رکھ دیا گیا ہے۔ مرتب) کی بنیاد پر استوار کرلیا جائے تو سرمایہ کاری کا یہ بنیادی اسلامی تصور آخر کہاں اطلاق پذیر ہوگا؟ .... کیا اس حیلے کے ذریعہ نظام تقسیم دولت کی مروجہ خرابیوں کا کوئی ہزارواں حصہ بھی کم ہو سکے گا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو خدارا سوچئے کہ ''مارک اپ'' (مروجہ نام نہاد ربح و کرایہ۔ مرتب) کا حیلہ استعمال کر کے ہم اسلامی نظام سرمایہ کاری کا کیا تصور دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟

اسی لئے ہمارے فقہاء کرامؒ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ ''اِکّا دُکّا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کر لینے کی تو گنجائش ہے، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصد شریعت فوت ہوتے ہوں، اس کی قطعاً اجازت نہیں۔(١)

---

(١) فقہی مقالات ٢/١-٢٦٠۔

اسلامی بینکاری کا آئینۂ ادوار

اسلامی بینکاری کا آغاز اور اس کا انجام

اسلامی تمویلی طریقوں پر بینکاری کا تصور تقریباً ساٹھ کی دہائی کے اوائل میں پیش ہوا، استاد جعفر جزّار کے بقول اس فکر کے اول مؤید شیخ فیصل بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہیں، جن کے ایماء پر اس تصور کا عملی تجربہ ''مصر'' میں ہوا، مصر میں با قاعدہ ترویج تقریباً ۱۹۶۷ء میں مصری فرمانروا جمال عبد الناصر مرحوم کے دور میں ہوئی، اس تجربہ کو مزید وسعت دینے کے لئے ۱۹۷۰ء میں بعض اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کا پہلا اجلاس بلایا گیا، یہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا، اس کانفرنس میں ملکی سطح پر اسلامی بینک کے اجراء کا فیصلہ ہوا، چنانچہ محمد احمد نامی ایک معروف بینکار نے اسلامی بینکاری کی عملی تنفیذ وترویج کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔ پھر ۱۹۷۳ء میں مملکت سعودیہ عربیہ کے زیر سرپرستی تقریباً پندرہ اسلامی ممالک کا دوبارہ اجلاس ہوا، جس میں اسلامی بینکاری کی تجربہ گاہ کے حوالے سے یہ پالیسی کھل کر سامنے آئی کہ اس کا آغاز کسی غریب ملک سے کر دینا چاہئے، چنانچہ مصر کے بعد پاکستان میں اسلامی بینکاری کا تجربہ شروع ہوا۔ مگر یہ تجربہ دونوں جگہ ناکام ہوا جس کے خارجی عوامل میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا وہ گہرا اثر ورسوخ ہے جس کی زد میں دنیا کے ہر ملک کا ریاستی نظام آیا ہوا ہے۔ اور داخلی عوامل میں سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ہوس زر کی نفسانی بیماری کے علاوہ فراہم کردہ اسلامی تمویلی طریقوں سے انحراف بنیادی سبب تھا۔

مصر میں ترویج اور پھر ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سودی نظام سے چھٹکارے

کے نیک جذبہ کے تحت وہاں کے جدید فکر کے کچھ علماء کرام نے نیک توقعات کے ساتھ مسلم بینکاروں کی کھل کر حمایت کی اور ان کے پشتیبان بن گئے، اور عوام الناس ان علماء کے علم اور فتویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی بینکاری کا حصہ بنتے گئے۔ لیکن جب ان علماء کرام کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اسلامی بینکاری کی عملی تطبیق کے ذمہ دار لوگ اسلامی بنیادوں پر بینکاری کے سلسلے میں قطعی غیر مخلص اور خود غرض ہیں، اور وہ اسلام کے نام پر غیر اسلامی بینکاری کے راستے پر گامزن ہیں۔ مزید یہ کہ اسلام کا نام محض گاہکوں کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کر رہے ہیں تو وہ علماء کرام اسلامی بینکوں کی تائید اور سرپرستی سے دست کش ہوگئے، جس کے نتیجہ میں اسلامی بینکاری کا چلتا پہیہ رکتے رکتے ۱۹۷۷ء میں بری طرح جام ہو کر بیٹھ گیا۔ (۱)

جبکہ پاکستان میں تو اسلامی بینکاری کی تائید اور حمایت کے لئے علماء طبقے سے ایسے لوگوں کا میسر آ جانا ہی از حد مشکل تھا، جو مصری علماء کرام کی طرح فوراً اسلامی بینکاروں کی پشت پر کھڑے ہو جاتے، کیونکہ ایک تو ہمارے علماء کرام کے مزاج میں موروثی روایت پسندی پائی جاتی ہے۔ وہ جدیدیت و اباحیت کے پُرفریب نعروں سے متاثر نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ وہ اسلام کے نام پر جھوٹ، فریب اور دھوکہ جیسے کئی زخم پہلے سے کھائے بیٹھے تھے، بالخصوص ان علماء کرام کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے تھے جن کی ہمدردیاں اور عوامی اثر رسوخ حاصل کرنے کے لئے پاکستان کا مطلب کیا، لاالہ اللہ، جیسے نعروں سے علماء کرام اور عوام کے ساتھ دھوکوں پر دھوکے کئے گئے تھے، اس لئے یہاں کا علماء طبقہ اپنی بذاذت ایمانی کے باوجود ایک سوراخ سے بار بار ڈسنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا تھا۔ اور وہ اپنے نام نہاد اسلامی بینکاروں کے پُرفریب دعووں اور دھوکوں میں نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ

(۱) مستفاد من" البنوک فی العالم انواعها و کیف تتعامل معها" لجعفر الجزار.

یہاں پر اسلام کے نام سے بینکاری نظام کو سہارا نہ مل سکا۔ بلکہ ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۸۵ء تک اسلامک بینکنگ یا بلاسود بینکاری کے نام سے شروع کی جانے والی ہر کوشش کو ہمارے اکابر نے نہ صرف یہ کہ مشکوک قرار دیا، بلکہ بڑھ چڑھ کر اس کو رد بھی کیا، اور اسے اسلام کے نام پر دھوکہ قرار دیا، بلکہ بعض کوششوں کو تحریفِ دین قرار دیتے ہوئے حرام بھی بتایا۔(۱)

پاکستان میں بینکاری نظام کے استحکام کا انوکھا حربہ

پاکستان میں بعض لوگوں نے بینکاری کی ترویج اور استحکام کے لئے ایسا انوکھا انداز اختیار کیا کہ وہ مصر والوں سے بھی سو قدم آگے نکل گئے۔ چنانچہ ملک کے سابق حکمران صدر ایوب خان مرحوم کے دور میں سرکاری سطح پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نامی ملحد انسان کی سرکردگی میں ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' کے نام سے اسلامی احکام پر نشتر زنی کی ایک بنیاد رکھی گئی، جس کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ تھی کہ وہ بینکاری نظام کو عصری ضرورت قرار دے کر اس میں پائی جانے والی بنیادی خرابی ''سود'' کو اپنے اجتہادات اور تاویلات کے ذریعے حلال قرار دے، تاکہ بینکنگ کو ترویج و استحکام نصیب ہو سکے، لوگ اس سے محتاط رہنے کا طرزِ عمل ترک کر دیں اور بلا شک و شبہ بینکاری نظام کا حصہ بن سکیں۔ چنانچہ انہوں نے پوری طرح ملحدانہ کوششیں کیں، اور اہل اسلام کو بینکاری نظام کی ضرورت اور افادیت سمجھانے لگا اور انہیں یہ باور کرانے کی کوششیں کرنے لگے کہ شریعت نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ الگ ہے اور بینکاری نظام کے تحت ملنے والا سود اس حرمت سے خارج ہے۔ اسی طرز پر بینکاری نظام کی حمایت و تائید کی کوششیں مولانا ظفر علی خان اور جعفر پھلواری صاحب

(۱) تفصیل کے لئے ''جواہر الفقہ'' از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ''بصائر وعبر'' از علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور ''جواہر الفتاویٰ'' از حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب مدظلہم ملاحظہ ہو۔

وغیرہ حضرات کی طرف بھی منسوب کی گئی ہیں۔مگر ہمارے اکابر نے فتنۂ اباحیت کی ایسی سرکوبی فرمائی کہ وہ فتنہ اپنے موجدین کی قبر میں دفن ہوگیا۔ بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت بنوری، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، حضرت مفتی رشیداحمد لدھیانوی صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب، حضرت مولانا محمد طاسین صاحب نوّر اللہ مرقدہم، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اورحضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب مدظلہما کی اس موضوع پر تحریرات، تاریخی فقہی دستاویز کا درجہ رکھتی ہیں۔

ملکی سطح پر غیرسودی سرمایہ کاری کی کوششیں

ملکی سطح پر غیرسودی سرمایہ کاری کی قراردادیں، کوششیں اورحکمرانوں کے وعدے یوں تو روزِ اول سے پاکستانی قوم سنتی آرہی ہے۔لیکن ۱۹۷۳ء سے یہ سلسلہ قانونی اورآئینی بنیادوں پر جب شروع ہوا تو عوام وخواص بڑی امیدوں کے ساتھ اسلامی مالیاتی نظام کی تنفیذ کا انتظار کرنے لگے۔ مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ جب بھی اس سلسلے کی کوششیں آئینی راستے سے عمل داری کی طرف بڑھنا شروع ہوئیں تو حکومت وقت نے مہلت کے بہانے سے اسے ٹال دیا، یہ ٹال مٹول کا سلسلہ تاریخ رقم کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل کے دائرۂ کار میں داخل ہوگیا اورنظریاتی کونسل نے اپنے دائرۂ کار کی حد تک سفارشات بھی مرتب کیں، جن کی روشنی میں ۱۹۸۱ء میں حکومت وقت کی طرف سے ملک میں بلاسود بینکاری کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور ہر بینک میں غیر سودی کاؤنٹر (پی ایل ایس، Profit and lose sharing) کھول دیئے گئے اورحکومت

وقت نے یہ بھی کہا کہ یہ بلاسود بینکاری کی طرف پہلا قدم ہے اور آئندہ بینکنگ کے پورے نظام کو رفتہ رفتہ غیر سودی نظام میں تبدیل کردیا جائے گا. اس مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل نے خاطر خواہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور بقول حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے،کونسل نے اب تک کی سب سے زیادہ جامع، مفصل اور حقیقی رپورٹ مرتب کی۔

اس رپورٹ کا حاصل یہ ہے کہ سود کے اصل متبادل طریقے صرف دو ہیں۔ ایک نفع ونقصان کی تقسیم،یعنی شرکت یا مضاربت،اور دوسرا قرض حسن، جہاں یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں ایسے مقامات پر جزوی طور سے کچھ دوسرے طریقے بھی مختلف حضرات کی طرف سے تجویز ہوئے،مگر یہ طریقے پورے نظام بینکاری کی بنیاد نہیں بن سکتے بلکہ انہیں استثنائی یا عبوری طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے،لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس عارضی طریق کار کو سود کی روح باقی رکھنے کا قانونی حیلہ بنا کر بینکاری کی پوری عمارت ان حیلوں کی بنیاد پر کھڑی کی جائے ورنہ سودی لین دین کے از سر نو رواج کے لئے چور دروازہ کھل جائے گا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹ میں اس بات پر خاص زور دیا تھا کہ ”اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے (سودی حیلے بیع مؤجل وغیرہ جیسے عارضی حیلے) سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کرلیں“۔(١)

اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ پر علماء کا ردعمل

اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ کارکردگی اور رپورٹ چونکہ بظاہر بہت حوصلہ افزا تھی اس لئے بعض علماء کرام نے اسے خوش آئند قرار دیتے ہوئے اس کی تائید اور حمایت کا عزم ظاہر فرمایا،لیکن جب ان علماء کرام نے یکم جنوری ١٩٨١ء سے نافذ ہونے والی اس اسکیم کا

(١) مستفاد، خاتمۂ سود پر اسلامی نظریاتی کونسل کی اردو رپورٹ ص:١٣٠ و فقہی مقالات: ٢/٢٤٩ وبعدہ۔

بغور جائزہ لینا شروع کیا تو ان پر یہ حقیقت بزودآشکارا ہوگئی کہ:

''سود کی آغوش میں پرورش پائی ہوئی ذہنیت اتنی آسانی سے اس نجاست (سود) کا خاتمہ کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ اس پر تھوڑا سا عطر چھڑک کر اور خوش نما پالش کر کے مزید کچھ عرصے تک کام چلانا چاہتی ہے، اور ''مارک اپ'' کو غیر سودی کاؤنٹرز کے کاروبار کی اصل بنیاد قرار دیا گیا ہے، بلکہ ''مارک اپ'' کے طریق کار میں ان شرائط کا بھی لحاظ نظر نہیں آتا جو اس مارک اپ کو محدود فقہی جواز عطا کر سکتی تھیں''۔(۱)

چنانچہ علماء کرام نے اس نظام میں متعدد خرابیاں گنواتے ہوئے اسے خلاف شرع قرار دیا اور عوام الناس کو ان کاؤنٹرز کے غیر سودی سمجھتے ہوئے معاملات کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے دوٹوک الفاظ میں یہ لکھا کہ:

خدارا سوچئے کہ (مروجہ بینکنگ سسٹم میں) ''مارک اپ'' کا حیلہ استعمال کر کے ہم اسلامی نظام سرمایہ کاری کا کیا تصور دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟ اسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اِکّا دُکّا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کر لینے کی تو گنجائش ہے، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصد شریعت فوت ہوتے ہوں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔(۲)

---

(۱) فقہی مقالات مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم: ۲/۲۵۰-۲۵۱۔ ط: میمن پبلیشرز۔

(۲) فقہی مقالات مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم: ۲/۲۶۱ ط: میمن پبلیشرز۔

بیع مؤجل کے حیلے کی بابت مولانا مدظلہم نے اس سے بڑھ کر وضاحت یوں فرمائی کہ:

> ''اور ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو، اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجہ مجبوری اختیار کر لینے کی تو گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کر دینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنا لینا کسی طرح درست نہیں''۔
>
> (آگے چل کر مزید فرماتے ہیں) اس قسم کے حیلوں کی شدید ضرورت کے مواقع پر تو گنجائش ہوسکتی ہے، لیکن سارا کاروبار ہی حیلہ سازی پر مبنی کر دینا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

(مقالہ کے آخر میں جا کر فرمایا کہ)

> ''اس (غیرسودی کاؤنٹر) سے حاصل ہونے والے منافع کو کلی طور پر حلال نہیں کیا جاسکتا اور مسلمانوں کو ایسے کاروبار میں حصہ لینا درست نہیں''۔(۱)

پاکستان میں غیرسودی نظام کی قانونی جنگ اور اس کا حشر

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بلاسود بینکاری نظام کے لئے اب تک کی کوششیں سبوتاژ ہونے کے باوجود بعض اہل علم اور دانشور حضرات نے مایوس ہونے کے بجائے نئے انداز سے بلاسود بینکاری کی کوششیں کیں اور پاکستان میں اسلامی بینکاری کے

(۱) فقہی مقالات ۲/۲۶۰ ط: میمن پبلشرز۔

نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے لئے ایک زبردست قانونی جنگ بھی لڑی، چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴/نومبر ۱۹۹۱ء کو سودی نظام کے خلاف تاریخی فیصلہ صادر کیا۔ پھر سرکار نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی جو مسترد ہوئی، البتہ ۲۳/نومبر ۱۹۹۹ء سے ۳۰/جون ۲۰۰۱ء تک سرکار کو مہلت دی گئی کہ وہ مالیاتی نظام کو شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالیں، جبکہ اس وقت کے اٹارنی جنرل نے پانچ سال کی مزید مہلت بھی مانگ لی۔ بالآخر ۳۰ جون ۲۰۰۲ء کو عدالتی فیصلے کے مطابق مہلت ختم ہونے سے صرف چھ روز قبل ایک مختصر فیصلے میں عدالت عظمیٰ نے اپنے ہی بینچ کے سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار دیا، اور مقدمہ واپس شرعی عدالت کو بھیج دیا چنانچہ یہ معاملہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالتوں کے رحم وکرم پر چلا گیا کہ بینکوں کا سود اسلام میں حرام بھی ہے یا نہیں؟ الغرض ۲۰۰۲ء کو سابقہ فیصلہ واپس ہوا اور ملک کے انتظامی اور عدالتی ڈھانچے نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عوام کو اپنے کردار وعمل سے یہی پیغام دیا کہ اس ملک کے لئے سودی بینکاری نظام ہی کو قابل قبول قرار دیا جارہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہوئے اعلان جنگ کردیا ہے، اللہ تعالیٰ مخلص مسلمانوں کو اپنے عذاب سے بچائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور اسلامی بینکاری

پاکستان میں سودی نظام سے چھٹکارے اور بلاسود بینکاری نظام کے رواج کے حوالے سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا کردار بھی بہت اہم اور قابل قدر ہے، بلاسود بینکاری کے لئے قانونی جنگ میں بھی انہوں نے اپنے شایان شان کردار ادا فرمایا۔ بالآخر وہ اپنے منصب سے علیحدہ بھی ہوئے، کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق وہ

صرف محسوس ہی نہیں بلکہ مشاہدہ بھی فرمارہے تھے کہ ان کی کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار ہونے نہیں دیا جارہا، وہ اپنے منصب پر رہتے ہوئے وہ کردار ادا نہیں کرسکتے جو ان کی شخصیت اوران کے منصب کا تقاضا ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق وہ بہت پہلے سے یہ بھانپ چکے تھے کہ مغربی سرمایہ داری نظام کی بالادستی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں حکومتی سطح پر بلاسود بینکاری کی واقعی کوششیں ناممکن ہیں اوراس عنوان سے جو کوششیں ہوئی ہیں یادعوے کئے جارہے ہیں وہ محض دھوکہ ہیں اس لئے حکومتی سطح پر اس قسم کی کوششوں کا نتیجہ صفر رہتا ہے، لہٰذا نجی سطح پر غیرسودی بینکاری کی کوششیں ہونی چاہیں۔

چنانچہ اس مقصد کے لئے شعبان ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹۹۲ء کو جامعہ دارالعلوم کراچی میں ’’بلاسود بینکاری‘‘ کے عنوان سے ایک اجلاس منعقد کیا گیا، اس اجلاس میں چند بینکاروں کے علاوہ علماء کرام کی ایک جماعت بھی شریک ہوئی، جس میں تقریباً انیس علماء کرام شریک ہوئے، جن میں سے تیرہ علماء کرام اور مفتیان عظام خود جامعہ دارالعلوم کراچی کی طرف سے تھے جبکہ ۶ ر علماء کرام باہر سے بلائے گئے تھے، جن میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ اوران کے ساتھ مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ بھی تھے، اسی طرح باہر سے تشریف لانے والے بزرگوں میں سے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب رحمہما اللہ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب (جامعہ خیرالمدارس) اس مجلس میں حاضر ہوئے۔

اس اجلاس کی روئیداد اور مجوزہ سفارشات احسن الفتاویٰ جلد ہفتم میں طبع شدہ ہیں جہاں اسلامی بینکاری کے حوالے سے حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کے بعض تحفظات اور خدشات بھی بایں الفاظ درج ہیں:

”شعبان ۱۴۱۲ھ کو بینک کی اصلاح کے لئے ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ کا وہ اجلاس ہوا جس کی کاروائی زیر نظر رسالے میں شائع کی جارہی ہے،اس میں پاکستان بینکنگ کونسل کے دوممبروں کوبھی شریک کیا گیا تھا۔تجاویز کی تحریر میں ان کی زیادہ سے زیادہ رعایت رکھی گئی، یہ بعض امور پر محض اس لئے مصر رہے کہ بینک کوزیادہ سے زیادہ نفع ہو،علماء نے محض ان کی رعایت سے ان کی بعض نامناسب تجاویز کو بھی قبول کرلیا، اس کے باوجود اب تک بینک سے سود کی لعنت کوختم کرنے کا کہیں دور دور بھی کوئی رجحان نظر نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ اس قوم کوہدایت دیں۔فإلیه المشتکیٰ وھو ولی التوفیق ولا حول ولا قوۃ إلا به.“ (۱)

اسی طرح اس مجلس کی کارروائی میں مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ کے اختلافی نکات بھی موجود ہیں جو انہوں نے اضافات کے ساتھ الگ سے شائع بھی فرمارکھے ہیں۔نیز جامعہ خیرالمدارس سے تشریف لائے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب یا ان کے دارالافتاء کی رائے بھی شروع سے محتاط رہی ہے، انہوں نے اسلامی بینکاری پر کھل کر اپنے اطمینان کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ خود بھی اور اب وہاں کے موجودہ مفتیان کرام مروجہ اسلامی بینکاری کو بلاسود بینکاری ماننے کی بجائے سودی بینکاری کی طرح قرار دے رہے ہیں۔

تاہم حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب رحمہما اللہ کا اس سلسلے میں تحریری نقطۂ نظر ہمارے سامنے نہیں آیا کہ مروجہ اسلامی

---

(۱)احسن الفتاویٰ:۷/۱۱۵ ۔ط:ایچ ایم سعید ادب منزل پاکستان چوک کراچی۔

بینکاری کے بارے ان کی کیا رائے تھی؟

البتہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اوران کے رفقاء دارالافتاء کا مؤقف واضح طور پر سامنے رہ جاتا ہے، جس کا اظہار، زبانی، تحریری اور عملی طور پر بھی یہ حضرات گرامی فرماتے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں۔ اس لئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں علماء کی سطح پر اسلامی بینکاری کا آغاز واجراء جامعہ دارالعلوم کراچی کے علماء کرام بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے دست اقدس سے ہوا ہے۔ اوران کی تحریری وعملی کوششیں اس کا بیّن ثبوت ہیں، اس لئے آپ کی رائے اور مؤقف کو پاکستان میں اسلامی بینکاری کی بنیاد کا درجہ حاصل ہے، اس موضوع پر آپ کے بعد جتنا کام ہوا ہے وہ آپ کی چند بنیادی تحریروں کی خوشہ چینی سے آگے کچھ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے مروجہ اسلامی بینکاری کی فقہی بنیادوں پر تبصرہ وتجزیہ کے لئے آپ ہی کی تحریرات کو بنیاد بنایا ہے۔

اہل علم اور ارباب دانش کو اس حقیقت کا اعتراف ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا مدظلہم نے مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے جو فقہی بنیادیں تجویز فرمائی ہیں، آپ اپنی ذات کی حد تک اس میں مخلص تھے، آپ کی نیک نیتی، اخلاص اور للّٰہیت میں بھی کسی قسم کا کلام نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری معلومات کے مطابق مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے آپ کی امانت اور دیانت کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے آپ اس نظام کی تطبیقی خامیوں کی نشاندہی اور اپنی ناگواری کا اظہار شروع سے تاحال موقع بموقع فرماتے رہے ہیں، جس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں عرض کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

یہاں پر صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ پاکستان میں مروجہ اسلامی بینکاری کے موجد حضرت مولانا مدظلہم ہیں۔ اس سلسلے میں ملکی سطح پر ارباب فقہ وفتاویٰ اور اہل علم کی

با قاعدہ متفقہ مشاورت تو نہیں ہوسکی تھی۔ البتہ مولانا کی شخصیت اور آپ کی امانت ودیانت پر اعتماد کرتے ہوئے عوام الناس مروجہ اسلامی بینکاری کی طرف راغب ہوئے اور اس نظام کا حصہ بننا شروع ہوگئے۔

ملک کے جمہور علماء کرام اور مروجہ اسلامی بینکاری

دوسری طرف ملک کے جمہور علماء کرام جو مولانا کی طرح ملک میں اسلامی مالیاتی نظام کی ترویج کی دیرینہ خواہش رکھتے ہیں وہ اولاً مولانا کی کوششوں پر اعتماد کرتے ہوئے نیک توقعات کے ساتھ انتظار کرتے رہے اور خیال کرتے رہے کہ عملی کوشش کیسی ہی کیوں نہ ہو، غیر سودی بینکاری کا قیام تو بہرصورت ایک نیک کام ہے مگر آگے چل کر کچھ ایسے ضروری اسباب پیدا ہونا شروع ہوئے کہ جمہور علماء سابقہ خاموشی اور مزید نیک توقعات کی بجائے اپنی تحریروں اور بیانات میں یہ کہنے لگے کہ ہم مروجہ اسلامی بینکاری سے مطمئن نہیں، ہاں اگر کسی سائل کو مولانا تقی صاحب کے فتویٰ پر اعتماد ہو تو وہ ان سے معلوم کرکے ان کے فتویٰ پر عمل کرلے۔ اس کے ساتھ ساتھ جمہور اصحاب فتویٰ اور اہلِ علم کے لئے مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں کا مطالعہ اور اس کی تطبیقی کوششوں کا تجزیہ بھی مجبوری بنتا چلا گیا۔ چنانچہ ملک کے جمہور علماء کرام نے اس نظام کو قریب سے دیکھنے کے بعد اس کے اسلام سے ہم آہنگ ہونے کے اثرات معدوم پائے اور یہ ادراک ہونے لگا کہ بلاسود بینکاری کی حالیہ کوششوں میں ایک تو اسلامی بینکاری کے حامی ان علماء کرام کے ساتھ وہی روایتی دھوکہ ہورہا ہے، جس کی کئی مثالیں ماضی میں ہم دیکھ آئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ جمہور علماء کرام نے جب مزید غور سے اس نظام کی فقہی بنیادوں کی

شرعی جانچ پرکھ کی تو یہ بھی معلوم ہوا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے فراہم کردہ فقہی بنیادوں میں بھی وہی خرابیاں موجود ہیں جو خرابیاں جنوری ۱۹۸۱ء کو نافذ ہونے والی بلاسود بینکاری اسکیم میں پائی جارہی تھیں جن کی نشاندہی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنے مقالے میں تفصیل سے فرمائی ہے۔ان خرابیوں میں سے چند اہم خرابیاں یہ ہیں:

۱......سودی بینکاری کا حقیقی متبادل صرف دو چیزیں ہیں۔ایک نفع ونقصان میں شرکت کا معاملہ یعنی شرکت ومضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری۔اور دوسرا قرض حسنہ،قرض حسن کے لئے تو خاطر خواہ مالی استحکام کی ضرورت ہے۔لیکن شرکت ومضاربت سے فرار کا عذر اسلامی بینکاری سے سودی بینکاری کی طرف فرار کے سوا کچھ نہیں۔

۲......بعض ناگزیر حالات اور عبوری دور کے لئے شرکت ومضاربت کے متبادل کے طور پر بیع مؤجل وغیرہ کے جو حیلے بتائے گئے تھے ان کو معمول بنالینا اور اسلامی بینکاری کی بنیاد تصور کرلینا ناجائز تھا، کیونکہ ایسے حیلے محض اِکّا دُکّا موقعوں پر استعمال کئے جاسکتے ہیں ان حیلوں پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی عمارت کھڑی کردینا کسی طور پر بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

۳......مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ عملی طور پر جو نظام چل رہا ہے اس نظام میں ان حیلوں کو بھی مطلوبہ شرائط اور شرعی معیارات کے مطابق استعمال نہیں کیا جارہا، بلکہ یہ طریقہ کار سود کو قانونی حیلے کے ذریعہ از سر نو چور دروازے سے رواج دینے کا طریقہ ہے۔

چنانچہ جمہور علماء کرام نے غور کیا تو یہ تینوں بنیادی خرابیاں،جن کی وجہ سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور دیگر اہل علم نے ''پی ایل ایس اسکیم'' کو ناجائز اور خلاف شرع قرار دیا تھا یہی خرابیاں بدرجۂ اتم مروجہ اسلامی بینکاری میں بھی موجود ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر خرابیاں پائی جارہی ہیں کیونکہ اس اسکیم میں ''سود'' کو چور دروازے سے داخل کرنے کے لئے خلاف شرع حیلوں کے استعمال کی خرابی لازم آرہی تھی،جبکہ مروجہ

اسلامی بینکاری میں سودی حیلوں پر خود مولانا کی تحریروں میں از خود، اشکال در اشکال وارد کر کے ان کے جوابات اور تأویلات کا اچھا خاصا سلسلہ موجود ہے۔

مثال کے طور پر روایتی بینکوں کے شرح سود کو مروجہ اسلامی بینکوں کے نفع کے لئے معیار بنانا، شرعی اصولوں کے مطابق درست نہیں۔ حضرت نے خود بھی اس معیار کو سودی معاملات کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کہیں ناجائز اور کہیں نامناسب کہا ہے، اور ناجائز ہونے کا ایک سبب خود بھی بیان فرمایا کہ اس صورت میں نفع تخمینی اور تقریبی ہوگا، حقیقی مشکل ہے، اور یہ مشارکہ و مضاربہ کے اصولوں کے خلاف بھی ہے، اور پھر اس کی تاویل کرتے ہوئے بعض حضرات کی طرف سے متبادل تجویز پیش فرمائی اور اس کو شریعت سے ہم آہنگ قرار دیا۔

اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ آگے چل کر بعض جدید بینکاروں نے اس سودی مشابہت کو عدم جواز کی موسلا دھار بارش سے بچانے کے لئے حقیقت پسندانہ جائزہ کی چھتری بھی تان رکھی ہے، چنانچہ ان بعض بینکاروں کی مستقل مصروفیت یہی بنی ہوئی ہے کہ ان حیلوں پر اور اس نظام پر جو جو اشکال ہوتا رہے اس کی تاویل کی جائے۔

چنانچہ مولانا مدظلہم کی اس موضوع کی کتابوں سے لے کر جدید اسلامی بینکاروں کے ''حقیقت پسندانہ جائزوں'' تک مطالعہ کرتے جائیں تو قاری کو بقول حضرت مدظلہم کے ''سود کے چور دروازے'' کے جواز کی کئی کئی تأویلات ملیں گی، جس سے جمہور اہل علم کو یہ اندازہ ہوا کہ ۱۹۸۱ء کی بلاسود بینکاری میں وقتی حیلوں کو اربوں کی سرمایہ کاری کے لئے صرف بنیاد بنانے کی خرابی تھی۔ جبکہ ۱۹۹۲ء کی بلاسود بینکاری میں حیلوں والی خرابی پر مستزاد ہر خرابی کی شرعی تأویل در تأویل کا وسیع سلسلہ بھی قائم دائم ہے۔ مزید یہ کہ اس نظام کی عملی تطبیق کے ذمہ داروں کی روایتی وعدہ خلافیوں کا تسلسل بھی نہیں ٹوٹا۔ اس صورتحال کا تقاضا تو یہ تھا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو جائز قرار دینے والے حضرات اہل علم، دوسرے اہل علم

سے پہلے خود ہی اُسے ناجائز اور خلاف شرع قرار دیتے اور مزید انتظار کی بجائے بلاسود بینکاری کی سابقہ کوششوں اور ان کے انجام کے تناظر میں مروجہ اسلامی بینکاری کے ساتھ تمویلی کاروباری تعلقات کو حرام قرار دیتے ۔مگر تاحال ان اہل علم کی طرف سے ناجائز ہونے کا باقاعدہ کوئی فتویٰ تو سامنے نہیں آیا، البتہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے اس قسم کے اشارات ملنا شروع ہوئے ہیں کہ وہ اس نظام سے رفتہ رفتہ الگ ہورہے اور وہ شدت کے ساتھ محسوس فرمارہے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا پہیہ اب الٹا چلنے لگا ہے۔ (کماسیأتی تفصیله فی مکانه)

تاہم مروجہ اسلامی بینکاری کی اس دگرگوں صورتحال کو دیکھتے ہوئے ملک کے جمہور علماء کرام اور ارباب فتویٰ مروجہ اسلامی بینکاری پر صرف عدم اطمینان کا اظہار کرتے رہنے کے بجائے اسے غیر اسلامی قرار دینے کے لئے شرعی فریضہ کے طور پر مجبور ہوئے، چنانچہ انہوں نے مروجہ اسلامی بینکاری کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے اپنا اصولی متفقہ موقف اختیار کیا ہے اور شرعی مسئلہ کے طور پر عوام الناس کے سامنے اس کا اظہار ضروری سمجھا، اور یہ بھی واضح کیا کہ مروجہ اسلامی بینکاری، مسلمانوں کے حق میں روایتی بینکاری سے زیادہ خطرناک ہے۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں اسلام اور فقہی اصطلاحوں کے نام پر مسلمانوں کے ساتھ سنگین دھوکہ ہورہا ہے' ان بینکوں میں کہیں بھی اسلامی رنگ اور ان کے معاملات میں فقہی احکام کی رعایت نہیں ہورہی ۔ بلکہ اسلام کے نام پر رائج ہونے والی بینکاری کے حامی علمائے کرام کا نام اور ان کے فتوے ان ہی مقاصد کے لئے استعمال ہو رہے ہیں جن کا خدشہ اسلام کے نام پر شروع ہونے والی اس بینکاری کی پہلی مجلس کے وقت سے ہی محسوس کیا جارہا تھا۔جن کا اظہار اس مجلس کے صدر نشین حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں فرمایا تھا:

علماء انفراداً و اجتماعاً تمام سودی اداروں کو متبادل سود سے
پاک جائز طریقے مسلسل بتاتے چلے آرہے ہیں، ان اداروں کے
ذمہ دار خوب تشہیر بھی کرتے ہیں:
''ہم نے سودی نظام کو علمائے کرام کی تجاویز کے مطابق
خالص شرعی نظام میں تبدیل کردیا ہے''۔
مگر بعد میں یہ معلوم کرکے سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بدستور
سودی نظام ہی چلارہے ہیں، اور علمائے کرام کی تجاویز کو قبول کرنے
کی تشہیر صرف عوام کو فریب دینے کے لئے کررہے ہیں۔(۱)

جمہور علماء کے موٴقف کا خلاصہ

چنانچہ ملک کے جمہور اہلِ فتویٰ نے قرآن وسنت، احوال واقعی اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تحریرات کی روشنی میں دوٹوک الفاظ میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سرمایہ کاری کا اسلامی تصور نفع ونقصان کی بنیاد پر شرکت ومضاربت ہے، جس کا مروجہ اسلامی بینکوں میں کوئی خاطر خواہ حجم نہیں پایا جاتا، بلکہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ، اجارہ اور شرکت متناقصہ کے نام سے جو سودی حیلے اختیار کئے گئے ہیں وہ ایک تو شرکت ومضاربت کے شرعی مقصد اور مثالی تمویلی طریقے کو فوت کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان حیلوں پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کرنا اور ان حیلوں کو معمول کے کاروبار کا طریقہ بنالینا قطعاً ناجائز ہے۔ ان حیلوں کے ذریعہ حاصل ہونے والا مرابحہ کا

(۱) احسن الفتاویٰ: ۱۱۴/۷۔ ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

''ربح'' اور اجارہ کی اجرت، ۱۹۸۱ء کی ''بلاسودی بینکاری'' کے ''مارک اپ'' سے سرِ مو مختلف نہیں ہے، جس طرح وہ ''مارک اپ'' شرعی اعتبار سے خالص سود اور سرمایہ کاری کے اسلامی نظام پر بدنما داغ تھا، بعینہ اسی طرح، بلکہ اس سے بڑھ کر مروجہ مرابحہ کا ربح اور اجارہ کی اجرت بھی سود ہے اور روایتی بینکاری میں اسلامی پیوند کاری کے گھناؤنے جرم کے مترادف ہے۔ بلکہ مروجہ اسلامی بینکوں نے اپنی ترقی کی معراج یہ سمجھ رکھی ہے کہ وہ روایتی بینکوں کی تقلید اور نقالی کرتے ہوئے انہی کے پروڈکٹس (PRODUCTS) کے مشابہ پروڈکٹس بنا کر اسلامی لبادے میں متعارف کروائیں، یہ ان کا مشن بنا ہوا ہے۔ ایسے بینک قرآن وسنت اور اکابر کی تصریحات کے مطابق غیر سودی یا اسلامی قطعاً نہیں ہو سکتے، اگر اس کے باوجود بھی کوئی ان بینکوں کو اسلامی کہنے پر اصرار کرے اور اسلامی جتلائے تو یہ اسلام کے نام پر دھوکہ ہوگا اور یہ طرزِ عمل حرام چیز پر اسلامی لیبل لگانے کے مترادف ہوگا جو کہ ایمانی لحاظ سے بہت ہی خطرناک بات ہوگی۔

چنانچہ آئندہ صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری نظام میں لفظی وفکری تسامحات:

مروجہ اسلامی بینکوں کو اسلامی بینک کہنا

n ......سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کو ''اسلامی بینک'' کہنا درست ہے یا نہیں؟ چنانچہ ''اسلامی بینک'' دو لفظوں کا مرکب ہے، ''اسلامی'' اور ''بینک''۔

''بینک'' چونکہ معاشی نظام کا اہم عنصر ہے، اس لئے بینک کی خصوصیات میں معاشیات (Economics) کے اصولوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، معاشیات کے جو اصول روایتی بینکوں کے لئے ہیں، اسلامی بینکوں کے لئے بھی وہی قواعد ہوں گے، کوئی الگ سے اصول کی خیرات (Charity) ہمارے لئے مروجہ معاشی نظام میں نہیں ہے، بالخصوص جب کہ کسی ملک میں کسی بینک کا قیام جب ہی عمل میں آسکتا ہو جب ''اسٹیٹ بینک'' (مرکزی بینک) اپنی پالیسی کے تحت اسے اجازت دے اور ہمارے ملک کا مرکزی بینک اپنی پالیسی سازی میں بالکلیہ آزاد نہیں، بلکہ سودی قرضوں کی بھوک کی وجہ سے ''ورلڈ بینک'' کا تابع ہے، ''ورلڈ بینک کے ہاں ہمارے اسلامی تشخص کی کتنی قدردانی اور رعایت ہے؟ اسے ہر صاحبِ عقل جانتا ہے! الغرض ''بینک کا بحیثیت بینک کسی نہ کسی درجہ میں مروجہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے مقاصد واہداف کو ملحوظ رکھنا مجبوری ہے، ورنہ کوئی بینک، بینک نہیں کہلاسکتا۔

اسی طرح ''اسلامی بینک'' میں لفظ ''اسلامی'' کا تقاضا یہ ہے کہ ان بینکوں میں

اسلامی تشخص نمایاں ہو اور اسلامی نظام معیشت کے مقاصد و اہداف کی طرف پیش قدمی کے واضح آثار محسوس ہوں، مثلاً اسلام نے ''سود'' کو حرام قرار دیا ہے تاکہ معاشرے سے ظلم و ناانصافی، استحصال اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا سلسلہ بند ہو سکے۔ اگر مروجہ اسلامی بینکوں نے اسلام کے ان اہداف و مقاصد کی طرف کوئی پیش قدمی کی ہے تو وہ ''اسلامی'' کا سابقہ لگا سکتی ہیں ورنہ نہیں۔

n ...... نیز مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں میں سودی بینکاری کے متبادل کے ساتھ ''متوازی نظام'' کی فکر شامل ہے، جبکہ قرآن کریم اس نظریہ کی بیخ کنی کرتے ہوئے **''وذروا ما بقی من الربوا... وإن تبتم فلکم رؤس أموالکم''** کا حکم دیتا ہے، اس لئے اسلامی بینکاری کو متوازی نظام کے طور پر قبول کرتے ہوئے ''اسلامی'' کہنے میں مذکورہ آیت دعوتِ فکر دیتی ہے۔

غالباً اسی بنیاد پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ۱۹۸۱ء والی بلاسود بینکاری اسکیم کے طریقۂ کار کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

> ''ذاتی طور پر اگرچہ ہمیں اس طریقِ کار میں سے شدید اختلاف تھا کہ سودی اور غیر سودی کاونٹر متوازی طور پر ساتھ ساتھ چلائے جائیں، مگر جب ان کاونٹروں کا افتتاح ہوا تو اس اقدام کو ماضی کے مقابلے میں بہر حال غنیمت سمجھتے ہوئے ہمارا فوری اور پہلا تاثر یہ تھا کہ ان کاونٹروں کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ عرصۂ دراز کی تمناؤں اور جد و جہد کے بعد اس کام کا آغاز ہو رہا ہے جس کے انتظار میں ایک تہائی صدی بیت گئی ہے، خیال یہ تھا کہ حکمتِ عملی خواہ کیسی ہو، لیکن غیر سودی بینکاری کا قیام بہر صورت

ایک ایسا نیک کام ہے جس میں تعاون خیر ہی خیر ہے، چنانچہ اس کارِخیر میں تعاون اور حصہ داری کے جذبے کے ساتھ ہم نے اس کی اسکیم کا مطالعہ کیا۔لیکن افسوس اور شدید افسوس، حسرت اور شدید حسرت اس بات کی ہے کہ ان کاونٹروں کے تفصیلی طریقِ کار کو دیکھنے کے بعد یہ جذبہ بڑی حد تک سرد پڑ گیا''!(۱)

n ...... مروجہ اسلامی بینکوں کو''اسلامی'' کا نام دینے میں ایک اور بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے حامی اور مخالف تمام اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان بینکوں کے معاملات سو فیصد اسلامی ہرگز نہیں ہیں، بلکہ بعض معاملاتِ فاسدہ (Deffective Transactions) بھی دخیل ہیں۔ معاملاتِ فاسدہ کو ظاہراً بیوع میں شامل تو کیا جاسکتا ہے لیکن اسلامی اور شرعی نہیں کہا جاسکتا۔ایک طرف اسلام ''**ادخلوا فی السّلم کافّة**'' کے ذریعہ اسلامی کمال تک پہنچنے کا مطالبہ کرتا ہے، دوسری طرف ہمارے مروجہ بینکوں کے معاملات قانونِ شریعت کے ایک باب'' **فقه المعاملات**'' کی لے دے کہ صرف چھ دفعات (مشارکہ، مضاربہ، اجارہ، مرابحہ، سلم اور استصناع) پر قائم ہیں۔ یہ قیام بھی محض دعویٰ کی حد تک ہے۔ درحقیقت اسلامی بینکوں کے مروجہ معاملات عملاً صرف مرابحہ و اجارہ میں سمٹ چکے ہیں۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) پس جو ادارہ اسلام کی چند جزئیات کو لے کر (وہ بھی قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کے ساتھ) اپنے اوپر پورے اسلام کا''لیبل'' ظاہر کرے تو عملاً ایسا کرنا بدترین خیانت اور دھوکہ دہی کہلائے گا۔

اس کو مثال کے ذریعہ یوں سمجھا جائے کہ ماضی میں ہماری ایک سیاسی مذہبی جماعت نے ایک پرچم بنایا، جسے عقیدت مندوں نے اس بنیاد پر''پرچمِ نبوی'' کہنا شروع

(۱) فقہی مقالات:۲/۲۵۰۔ط:میمن اسلامک پبلیشرز۔

کر دیا کہ اس پرچم کا رنگ اور طرز، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر استعمال آنے والے ایک جھنڈے کی مشابہت و متابعت میں منتخب فرمایا گیا تھا، اس جھنڈے کے متعلق عوام الناس افراط و تفریط کا شکار ہونے لگے اور معاملہ بحث و مباحثہ اور تکرار تک جا پہنچا اور استفتاء و سوال کی نوبت بھی آئی۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ناصحانہ اور مصالحانہ انداز میں جو فتویٰ تحریر فرمایا تھا، اس کا حاصل یہی تھا کہ محض اشتراک رنگ کی وجہ سے اس پرچم کو پرچم نبوی کہنا درست نہیں ہے، ورنہ قمیصِ نبوی کہنا بھی درست ہوگا، حالانکہ ایسا کوئی بھی نہیں کہتا، چنانچہ حضرت کا ارشاد ہے:

> مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لباس میں متابعت کی...... مگر کسی سے نہیں سنا گیا کہ اشتراک رنگ کی وجہ سے اپنی قمیص کو قمیص نبوی کہا ہو...... (ہاں) متابعت کی نیت پر ثواب ہے ...... مگر اس (پرچم) کو علمِ نبوی کہہ کر دوسروں پر اپنا تفوق جتاتے پھرنے کا کوئی جواز نہیں...... الخ (۱)

حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہم کے اس فتویٰ کی روشنی میں ہم اسلامی بینکاروں سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ پرچم کو اشتراکِ رنگ کی وجہ سے پرچمِ نبوی کہنے اور دوسروں پر تفوّق جتلانے کی شرعاً گنجائش نہیں تھی تو مروجہ اسلامی بینکوں کو چند اسلامی اصطلاحوں کے برائے نام استعمال کی وجہ سے اسلامی بینک کہنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ یعنی فقہ اسلامی میں سے فقہ المعاملات کے چند معاملوں اور اصطلاحوں کو تراش خراش کے ساتھ استعمال کرنے کا نام ''اسلام'' رکھ دینے اور ایسے ادارہ کو اسلامی ادارہ کہنے اور دوسروں پر اپنا تفوّق جتلاتے پھرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

---

(۱) جواہر الفقہ: ۱۵۸/۲ط: دار العلوم کراچی۔

الغرض مروجہ اسلامی بینکوں کو ''اسلامی بینک'' کہنے کا کوئی جواز معلوم نہیں ہوتا۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک مروجہ اسلامی بینکوں سے وابستہ بعض دیانتدار لوگ بھی رکھتے ہیں اور وہ ان بینکوں کو ''اسلامی بینک'' کہنے کی بجائے غیر سودی بینک کہنے لگے ہیں، ان لوگوں کے بقول ان بینکوں میں ''ربوا'' کی جگہ ''ربح'' کو دیدی گئی ہے۔ لہٰذا یہ غیر سودی بینک کہلانے کے حقدار ہیں۔ مگر ان لوگوں سے ہمارا کہنا یہ ہے کہ ''ربوا'' اور ''ربح''، یعنی سود اور نفع کے درمیان جو حائل اور رکاوٹ آپ بتاتے ہیں وہ محض کاغذی رکاوٹ ہے جو بالکل بے معنی اور بے وقعت ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ بحث میں ''ان شاء اللہ'' آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مروجہ بینکوں کو غیر سودی اور اسلامی بینک کا امتیازی نام دینا خلافِ واقعہ ہے۔

n ...... نیز ''مروجہ اسلامی بینکوں'' کو ''اسلامی'' کہنے میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ ان بینکوں میں استقبالیہ سے لے کر شرعی ایڈوائزر کے پہلو تک اسلامی تشخص کے خلاف جھلکیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس نوعیت کی شکایات کا معاملات کی صحت وعدمِ صحت سے کوئی تعلق ہو یا نہ مگر یہ کہنا تو بالکل برحق ہے کہ اسلامی جھنڈے کے سائے میں اسلامی تشخص کو اہمیت نہ دینا، اس کی پرواہ نہ کرنا، اسے عمل ودستور کے جوتوں سے روند ڈالنا اسلام کے نام پر اسلام کے ساتھ بدترین ناانصافی، زیادتی اور ظلم ہے۔

ہاں اگر اسلامی بینکار اکابرِ امت کے طرزِ فکر وعمل کو اپنانا چاہیں تو اس سلسلے میں ہم حکیم الأمت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ' کا وہ نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جو انہوں نے سر سکندر حیات خان کے خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔ موصوف نے ۱۹۳۹ء میں حکیم الأمت حضرت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں مسلم لیگ کی حمایت کے لئے خط لکھا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایسا بصیرت افروز اور تاریخی جواب دیا جس میں ارباب

مسلم لیگ سے شکوہ شکایت کی پوری تاریخ سمٹ آئی ہے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوگئی ہے کہ علمائے دین کو مسلم لیگ سے کیا کیا توقعات تھیں اور وہ کس حد تک پوری ہوئیں۔ ذیل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس خط کا کچھ حصہ بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:

از اشرف علی عفی عنہ۔ یکم رجب بروز جمعہ ۱۳۵۸ھ

مکرمی زاد لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.................میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ پٹنہ میں ایک پیغام بھیجا تھا جو وہاں پڑھا گیا تھا اور سب حضرات کو تقسیم بھی کیا گیا تھا اس میں صرف دو چیزوں کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی اول نماز کی پابندی کو لیگ کے مقاصد میں شامل کیا جاوے، دوسرے ''وضع اسلامی'' کو لیگ کے ہر ممبر پر لازمی قرار دیا جاوے۔ نماز کا ارکان اسلام میں اہم ترین رکن ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے، اور وضع خاص رکھنا تو ایسی چیز ہے کہ دنیا کے تمام سیاست دان اس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جرمنی کا لباس الگ ہے فرانسیسی کا الگ وعلی ھٰذا۔ اور فوجی وردی تو لازمی طور پر الگ ہوتی ہے، اگر جرمنی سپاہی مثلاً انگریزی وردی پہن کر جرمنی فوج میں شامل ہو اور ویسے ہر طرح وفادار اور مستعد ہو، لیکن صرف وردی کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مستوجب سزا کا ہوگا، وعلیٰ ھٰذا تو کیا مسلمان کے لئے جو حق تعالیٰ کی فوج ہے کوئی خاص وضع امتیاز ضروری نہیں ہے؟ ہے اور ضروری ہے!

لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی، اگران باتوں کی طرف توجہ فرماتے تو دین کی اور باتیں بھی جو ترقی دنیا میں بھی موثر ہیں، میں اور بتاتا مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے شکایت ہے کہ مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے اوران کے فتوؤں پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور پھران کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا، ہم اگر ذاتی منافع کے لئے کچھ بھی لکھیں تو بے شک نہ سنئے نہ مانئے! لیکن اگران حضرات کو ہم پر اعتماد ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کے لئے صحیح ہوتا ہے دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں ہوتا؟......"(۱)

ہمارا اسلامی بینکاروں سے سوال یہ ہے کہ بینکینگ کے سلسلے میں آپ کا سارا "توسّع" حضرت تھانویؒ کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے اوراس معاملہ میں ان کی ذرا بھر پرواہ نہیں فرماتے، آخر کیوں؟ کیا یہ دوہرا معیار نہیں ہے؟

اس بناء پر بطور خاص یہ کہا جاسکتا ہے کہ "مروجہ اسلامی بینکوں" میں اسلام کے عنصر کی وہی شرح ہے جو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے رائج نظام میں اسلام اور جمہوریت کے عنصر کی شرح ہے۔

اس لئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر ضرور ہوا، مگر ۶۰ رسال گزرنے کے باوجود پاکستان میں اسلام واہل اسلام کے ساتھ نظر اندازی اور دھوکہ دہی کا معاملہ کیا جارہا ہے۔ بعینہ یہی معاملہ اسلامی بینکوں کے موجدین کے ساتھ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

---

(۱) بحوالہ ماہنامہ الخیر ملتان مئی ۲۰۰۸ء۔

خلاصۂ کلام

ہماری اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''مروجہ اسلامی بینک'' بینک اور اسلام کے بنیادی مزاج کے اختلاف کی وجہ سے حقیقی معنوں میں دونوں کے تقاضے پورا کرنے سے قاصر ہیں، بایں معنی یہ ادارے نہ بینک کہلانے کے حقدار ہیں نہ ہی اسلامی کہلانے کے مستحق ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینک روایتی بینکوں سے الگ اپنا امتیازی تشخص قائم کرنے کی صلاحیت واستعداد نہیں رکھتے۔ البتہ نتیجہ کے اعتبار سے مروجہ اسلامی بینک، روایتی بینک بننے کی بھرپور صلاحیت ضرور رکھتا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ روایتی واسلامی بینکوں کے درمیان لفظ ''اسلامی'' کے لاحقے اور سابقے کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری اور مغربی بینکاری طرز میں مماثلت

مروجہ اسلامی بینکوں کو مغربی سرمایہ داری بینکاری کے طرز پر چلانے سے اس نظریہ وفکر کو تقویت مل رہی ہے کہ مغرب اور اسلام میں بنیادی نوعیت کی مماثلت پائی جارہی ہے۔ بلکہ مختلف پروڈکٹس (Products) کی تیاری کی دوڑ میں روایتی بینکوں کی نقالی اور منافع اندوزی کے متنوع حربوں کی صورت میں یوں دکھایا جارہا ہے کہ مغرب مقتدیٰ اور اسلام اس کا مُقتدِی ہے، مغرب بدن اصلی ہے اور اسلام اس کا لباس ہے۔ مندرجہ ذیل امور سے اس بات کی تائید ہوتی ہے:

(الف) اہل مغرب، اسلامی بینکاری واسلامی معاشیات کو ہاتھوں ہاتھ اپنے ہاں فروغ دے رہے ہیں، روایتی بینک بھی اپنے ہاں ایک اسلامی کاؤنٹر (Islamic

(Windows) کھول رہے ہیں۔ خود حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا بیان ہے کہ اسلامی طریقہائے تمویل (Modes of Financing) پر آئی، ایم، ایف اور ''ورلڈ بینک'' کے تحت بھی باقاعدہ ریسرچ ہو رہی ہے، اور ان میں سے بعض کی تائید میں مغربی مصنفین کے مقالات بھی آرہے ہیں۔(۱)

سوال یہ ہے کہ اہلِ مغرب کو پورے اسلام میں صرف مروجہ طرق تمویل (Financing Modes) ہی کیوں اچھے لگتے ہیں؟ کیا اسے اسلامی بینکاری کی نمایاں کامیابی کہنا چاہیئے کہ اسے مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم بھرپور دلچسپی کے ساتھ رواج دے رہے ہیں یا سرمایہ داری تقاضوں کی حامل بینکاری؟

حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم ملک ''سنگاپور'' کراچی شہر جتنا ملک بھی نہیں ہے اور ''انڈونیشیا'' مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے۔ مروجہ اسلامی بینک سنگاپور میں زیادہ اور انڈونیشیا میں کم ہیں!

(ب) مروجہ اسلامی بینکاری عملاً اسلامی معاشی نظام کے مقاصد شرعیہ سے زیادہ مغربی سرمایہ داری فکر کے تقاضوں کو پورا کر رہی ہے۔ اس کی عام فہم مثال یہ ہے:

اسلامی بینکوں کی پسماندہ دیہی علاقوں میں شاخیں کیوں نہیں کھلتیں؟ اس پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاحی و رفاہی ادارے نہیں ہیں بلکہ تجارتی ادارے ہیں، جہاں تجارت کو فروغ ملے گا وہیں کام کریں گے۔ مگر اقتصادی ماہرین اس عذر کو رد کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ آپ کے ''ربح'' کو کس بنیاد پر ''جنرل سیل ٹیکس'' سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے؟ تجارتی ادارہ یا بینک ہونے کی بناء پر؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کو تجارتی ادارہ کہنا غلط ہے، بلکہ یہ ادارے بینک ہی ہیں۔ اس پر اشکال و جواب کی کچھ وضاحت اس تحریر کے آخر میں سوالات و جوابات کے ضمن میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

(۱) اسلام اور جدید معیشت ص:۱۷۱۔

بہر کیف اگر مروجہ اسلامی بینک پسماندہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے جذبہ اور عزم میں سنجیدہ اور مخلص ہوتے تو (طریقۂ کار کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر) بنگلہ دیش کے ڈاکٹر یونس صاحب کی مثال بھی ان کے سامنے موجود تھی جنہوں نے محدود آمدنی والے اور قلیل سرمایہ والے لوگوں کی تھوڑی تھوڑی رقوم سے بینکاری متعارف کروائی جس کی پذیرائی اور شہرت عام ہے۔

جبکہ ہمارے ملک کے سب سے بڑے مروجہ اسلامی بینک ''میزان'' کے شریعہ ایڈوائزر صاحب خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلامی بینک چھوٹے تاجروں اور کمپنیوں کے ساتھ اسلامی تمویلی معاملات قصداً نہیں کرتے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

> ''اسلامی بینکاری میں زیادہ تر کاروبار مشارکہ و مضاربہ کے بجائے مرابحہ اور اجارہ کے ذریعے متعین نفع کے ساتھ کیا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اسلامی بینک چھوٹے تاجروں اور کمپنیوں کے ساتھ شرکت و مضاربت کرنے میں اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا سرمایہ اور نفع ڈوب نہ جائے''۔(۱)

(ج) اسلامی بینکوں کے مراکز اسلامی ممالک کے تجارتی شہروں کی بجائے ''سوئزر لینڈ'' اور ''لندن'' میں کیوں ہیں؟ اس بات سے تو یہ خیال تقویت پکڑ سکتا ہے کہ اسلامی بینکوں کے نام پر مغربی سرمایہ دار طبقہ، مسلمانوں کی رقوم اپنی تحویل میں اور اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے، جس طرح عربوں کا بہتا ہوا سونا (تیل) اور اس کی آمدن مغرب میں جمع ہو رہے ہیں۔ اسی طرح دیگر ممالک کے مسلمانوں کا سرمایہ بھی مغربی سرمایہ دار کے اعداد و شمار اور دستِ برد سے الگ نہیں رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم

---

(۱) اسلامی بینکاری کا ایک تعارف، مصنف ڈاکٹر محمد عمران اشرف عثمانی، ص:۲۳۔ ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی.

(د)   ایک سروے کے مطابق مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستہ اسی (۸۰) فیصد لوگ اسے غیر اسلامی سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ بینکوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے بینک کس بنیاد پر اسلامی بینک کہلاتے ہیں؟ وہ بیچارے تو متعلقہ فقہی اصطلاحات کے صحیح تلفظ اور مفہوم کی ادائیگی پر بھی قادر نہیں ہوتے تو وہ معاملات میں فقہی باریکیوں کی رعایت کیسے کریں گے؟ بلکہ اسلامی بینکوں کے فقہی مسائل سے ان کا صرف اتنا تعلق ہے کہ بینک کے معاملات سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے فتویٰ اور دستخط کو ہر سوال کا پہلا اور آخری جواب قرار دیتے ہیں۔

یہاں پر شکوہ یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے حامی حضرات طویل فاصلوں کے باوجود بینکاروں کی فقاہت و دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے معاملات کو درست تسلیم کر لیتے ہیں، مگر اپنے حلقے کے اہل علم کی ''بینک دانی'' اور مخلصانہ نقد کو قابل اعتناء جاننے میں گہرے تأمل اور ہچکچاہٹ کا شکار ہیں، بلکہ اپنے رویوں سے آج تک کسی کے اختلاف اور رائے کو قابل توجہ ہی نہیں سمجھا۔

یہاں بعض حضرات یہ عذر پیش فرماتے ہیں کہ ''بینک'' کا عملہ اگر بینکوں میں رائج معاملات کی تفصیلات وجزئیات سے ناواقف بھی ہو تو اس کے باوجود اصل معاملہ صحیح ہوگا۔ اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ عملہ تو محض واسطہ ہے، مُعبِّر بھی نہیں۔ اصل متعاقدین تو بینک (شخص قانونی) اور کھاتہ دار (Client) ہیں، بینک کے معاہدہ نامہ (Agreement) میں معاملہ لکھا ہوا ہے اور کلائنٹ اپنی طلب لے کر جا رہا ہے۔ جب اصل متعاقدین عقد سے واقف ہیں تو صحت عقد کے لئے یہ کافی ہے۔ اس عذر پر شکوہ یہ ہے کہ اپنی رائے کو صحیح کہنے کی مجبوری کے تحت عاقل بالغ انسانوں کی بات کو ردی کی ٹوکری میں ڈال رہے ہیں اور ایک فرضی غیر حقیقی شخص کے قول وفعل کو معتبر اور معمول بہ قرار دیتے ہیں،

جبکہ "**الإعمال خير من الإهمال**" حقیقی انسانوں کے لئے تھا، نہ کہ فرضی انسانوں کے لئے۔ شخص قانون کی فقہی جراحی ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

مغربی دنیا کی ہمسری کا جذبہ!

اس لئے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر روشن خیالوں کے بقول قدامت پسندی کو دنیوی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہا جاسکتا ہے تو مغربی دنیا کی ہمسری وہم رکابی کے جذبات رکھنے والے روشن خیالوں کی کاوشوں سے بھی اسلام واہل اسلام کے وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، بلکہ اسلام اور اہل اسلام دونوں کو مغرب کا تابع ظاہر کرنے کا تأثر عام ہوا ہے، جو اسلام کے "اِکمال و اِتمام" اور استقلالی حیثیت کے عقیدے پر دھبہ ہے۔ مغرب واہل کفر کی ہر جائز وناجائز دوڑ میں ان کی پیروی کو اسلامی کمال سمجھنا "**لا تكن إمّعاً**" (تم دم چھلہ نہ بنو) کی خلاف ورزی معلوم ہوتا ہے۔ مسلم معاشرے کی اسی فکری کمزوری کی نشاندہی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے مروجہ اسلامی بینکاری کے تصور کی ولادت سے قبل ۱۹۶۱ء میں فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ "جدید بینکنگ" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"نئی مغربی تہذیب نے یوں تو بہت سی مہلک چیزوں پر چند سطحی فوائد کا ملمع چڑھا کر پیش کیا ہے، مگر اس کا یہ کارنامہ سب سے زیادہ "قابل داد" ہے کہ "سود" جیسی گھناؤنی اور قابل نفرت چیز کو جدید بینکنگ سسٹم کا دلکش اور نظر فریب لبادہ پہنا کر پیش کیا، اور اس طرح پیش کیا کہ اچھے خاصے سمجھدار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس

نظام کو نہایت معصوم اور بے ضرر سمجھنے لگے۔

مغربی تہذیب کے اس بدترین مظہر کی خوبیاں لوگوں کے دل و دماغ پر کچھ اس طرح چھا چکی ہیں کہ وہ اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اس کو بے ضرر بلکہ نفع بخش جائز بلکہ قطعاً ناگزیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر تقلیدِ مغرب کی منحوس عینک اُتار کر واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ایک سلیم الفکر انسان کا ذہن سو فیصد اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ عام قوم کے لئے معاشی ناہمواریاں پیدا کرنے میں جس قدر بڑی ذمہ داری بینکنگ کے موجودہ نظام پر ہے، اتنی کسی اور چیز پر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ قدیم نظامِ ساہوکاری کے نقصانات پھر اتنے زیادہ نہیں تھے، جتنے کہ اس جدید نظام سے پیدا ہوتے ہیں۔"(۱)

اس لئے ہم اپنے افسوس کا اعادہ کرتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کے رواج اور نفاذ کے لئے کی گئی مخلصانہ کوششوں کے نتائج منفی رہے، بینک چونکہ اسلام کے تابع نہیں ہوسکتا تھا، ہم نے اسلام کو بینک کا تابع بنا دیا، بینکار کا مسلمان ہونا مشکل تھا ہم نے مسلمان کا بینکار بننا آسان بنا دیا۔ جس کا ایمانی و عملی لحاظ سے خطرناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جو مسلم بینکار، سودی بینک کے معاملات کو ناجائز سمجھتے ہوئے انجام دے رہا تھا وہ مسلم بینکار انہی جیسے معاملات کو اسلامی چھتری کے نیچے جائز اور اسلامی سمجھ کر انجام دے رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ علماء کے کاندھے پر رکھ کر کر رہا ہے۔ شریعت کی رو سے مؤخر الذکر مسلم بینکار پہلے مسلم بینکار سے زیادہ بڑا گناہ گار اور مجرم ہے۔ اس لئے ہم اپنے مسلم بینکار بھائیوں کی خدمت میں یہ عرض کرنے چلے ہیں کہ اگر آپ نے بینکنگ کے قوانین کے تحت بینکنگ ہی کرنی ہے تو اولاً

---

(۱) جواہر الفقہ، تجارتی سود عقل اور شرع کی روشنی میں: ۱۶۲/۳-۱۶۳۔ ط: مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند۔

اس سے باز آجائیں، ورنہ کم از کم ناجائز سمجھتے ہوئے اور حرام سمجھتے ہوئے کریں۔ بالکل جائز، حلال اور غیر مشتبہ سمجھ کر اسلام کے نام پر ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ اس سے اسلام کا کوئی نقصان ہو یا نہ ہو آپ کے اپنے ایمان و اعمال کا نقصان ضرور ہے۔(۱)

(۱) البحر الرائق، باب احکام المرتدین: ۱۲۲/۵۔ ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

فصل سوم

مروجہ اسلامی بینکاری پر عدمِ اطمینان کی ابتدائی وجوہات

پہلی وجہ: اسلامی بینکوں سے عوامی شکایات

مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض طرز ہائے عمل اور رویوں سے عدم اطمینان میں اضافہ ہوا، جو لوگ مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستہ رہے یا انہوں نے اکاؤنٹ کھلوائے یا اسلامی بینکوں کے ذریعہ سرمایہ کاری کی ان لوگوں کی کثیر تعداد اس نظام سے شاکی، نالاں اور غیر مطمئن ہے، ایسے تمام لوگوں کی شکایات کی قدر مشترک مندرجہ ذیل باتیں ہیں:

(الف) اسلامی بینکوں میں اور روایتی بینکوں میں لفظ ''اسلامی'' کے سابقے والاحقے کے بجز کوئی فرق نہیں، عملے سے لے کر شرح منافع تک تمام امور میں روایتی و مروجہ اسلامی بینک یکساں ہیں۔ عملہ میں ''استقبالیہ'' سے لے کر ''شرعی ایڈوائزر'' کے پہلو تک کسی قسم کا اسلامی تشخص نظر نہیں آتا، جس سے آنے والے ''کھاتہ داروں'' (Clients) کو اسلامی تأثر نہیں ملتا۔ حالانکہ بہت سارے ادارے ایسے بھی ہیں جہاں مرد وزن کا اختلاط لازمی نہیں سمجھا جاتا، اور ان کا نظام بھی متأثر نہیں ہوتا۔

(ب) جہاں تک نفع کا تعلق ہے، اس کے لئے اپنا مستقل معیار بنانے میں ان بینکوں نے تاحال کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ شرح منافع کے تعین کا معیار سودی بینکوں کی شرح سود ہی کو بنائے ہوئے ہیں۔ اس پر پیش کیا جانے والا ''عذر لنگ'' اس معیار کو ابتدائی طور پر اختیار کر لینے کی حد تک تو پیش کیا جاسکتا ہے، مگر اسے باقاعدہ ضابطہ اور معمول بنانے کے لئے پیش کرنا عوام وخواص کے درمیان شکوک وشبہات میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔

(ج) مروجہ اسلامی بینکاری میں سرمایہ (Capital) کا ''ارتکاز'' اور کھاتہ داروں کا استحصال روایتی بینکوں کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہے، مثلاً: روایتی بینکاری شرح سود کے تعین کے لئے ''سیکورٹی ڈپازٹ'' (Security Deposit) کو اصل قیمت کے ایڈوانس کے طور پر قبول کرتی ہے اور شرح سود اصل قرضہ کی بقیہ مقدار کے حساب سے طے اور وصول کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں کلائنٹ (Client) کو سود کی مد میں ادائیگی زیادہ نہیں کرنی پڑتی۔ جبکہ اسلامی بینک سیکورٹی ڈپازٹ کو اصل قیمت میں شامل نہیں کرتا، الگ سے رکھتا ہے اور کھاتہ دار کے کل مال سے استفادہ کرتا ہے اور شرح منافع کل رقم کے حساب سے طے کرتا ہے اور اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ نیز ''سکیورٹی ڈپازٹ'' سے بھی استفادہ کرتا رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں اسلامی بینکوں کے کھاتہ داروں کو روایتی بینکوں کے کھاتہ داروں سے زیادہ ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔ بایں معنی اسلامی بینکوں کے اس طرزِ عمل وطریقۂ کار سے عمومی تأثر یہی ملتا ہے کہ بینک کا سرمایہ دارانہ اور مغربی تصور ومقصدیت روایتی بینکوں سے زیادہ مروجہ اسلامی بینکوں میں موجود ہے۔

یہ تمام پہلو ایک طرف...! بینک میں ''شخص قانونی'' (Juristic Person) کا تصور، بنیادی حیثیت رکھتا ہے، یہ تصور خالصۃً ظالمانہ اور استحصالی ہے، کیونکہ یہ تصور ''دائنین'' (کھاتہ داروں) کے استحصال پر مبنی ہے، اس تصور کا مقصد بحیثیت کمپنی بینک کو فائدہ پہنچانا ہے، یعنی جب تک فائدہ ہوتا رہے بینک اور بینکار برابر کے حصہ دار بنے رہیں اور جب دیوالیہ ہوجائے تو بینک محدود ذمہ داری (Limited Liability) کا سہارا لیتے ہوئے بہت سارے حقوق سے فارغ الذمہ ہوجائے۔

(د) بعض معاملات ''معاہدے'' (Agreement) کا حصہ نہیں ہوتے مگر ''کھاتہ داروں'' (Clientes) کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ مثلاً مضاربہ فیس کا

صراحۃً تذکرہ نہیں ہے اور وصول کی جاتی ہے، اسی طرح اگر کوئی کھاتہ دار (Depositer) ڈالر جمع کرائے تو کلائنٹس سے فیس لی جاتی ہے، جبکہ اس کا ایگریمنٹ میں کوئی تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ (بحوالہ تحریر ڈاکٹر ارشد زمان صاحب) (۱)

اس استحصالی طریقِ کار کا کچھ تجزیہ آئندہ صفحوں میں ایک ممتاز اقتصادی ماہر کے حوالے سے آرہا ہے۔

---

(۱) واضح رہے کہ ڈاکٹر ارشد زمان صاحب ملک کے ممتاز ماہرینِ معاشیات میں سے ہیں اور عرصۂ دراز تک ہماری وزارت خزانہ میں ''چیف اکنامکسٹ'' کے منصب پر فائز رہے ہیں، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم کے بقول ان کی کتاب ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' کے ابتدائی درسی سلسلوں میں بطور معاون کے بنفس نفیس موجود رہے اور متعدد مواقع پر انہوں نے حاضرین کو مستفید فرمایا۔ بالخصوص شرح مبادلہ کے مختلف نظاموں کے تعارف اور مالیات عامہ کے موضوعات پر انہوں نے باقاعدہ لیکچر بھی دیئے۔ مأخوذ از جدید معیشت وتجارت۔ ص: ۶-۷۔ ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مدظلہم کے زیرنگرانی شروع ہونے والی مروجہ اسلامی بینکاری میں سرمایہ کاری کا عزم کیا، اور میزان بینک میں اپنا اکاونٹ کھلوایا مگر انہیں پہلی ملاقات سے لیکر میزان بینک کے پورے سیٹ اپ کا جائزہ لینے تک بے شمار اشکالات پیش آئے جس کی نتیجے میں انہوں نے اپنے سرمایہ کاری کے حوالے سے میزان بینک سے رجوع کرنے کے بجائے، مولانا مدظلہم کی تحریرات کے مطالعے سے اپنی اشکالات دور کرنے کی کوشش کی، مگران کے اشکالات میں مزید سے مزید اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ بالآخر انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی خدمت میں اپنا طویل شکایت نامہ اور اشکال نامہ بھیجا اور اس میں یہ موقف اختیار کیا کہ ''جو تخیلاتی خاکے اسلامی بینکنگ کے علمائے کرام نے وضع کئے ہیں، عملی طور پر میزان بینک ان سے بہت دور ہے''۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔) ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ استفسار حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی خدمت میں بھیجا مگر تاحال کوئی جواب نہیں مل سکا، بقول ڈاکٹر صاحب کے اس استفسار کے جواب کے انتظار میں انہوں نے تاحال اپنے اکاونٹ کے بارے میں ''میزان بینک'' سے مراجعت نہیں کی۔ اور ڈاکٹر صاحب نے بھی نہیں بتایا اور ہمیں بھی معلوم نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی رقم میزان کے ''میزان'' میں ابھی تک تل رہی ہے یا کیا ہوا؟ تاہم ڈاکٹر ارشد زمان صاحب کا یہ شکایت نامہ ہمارے پاس موجود ہے جو براہ راست ان سے حاصل ہوا ہے۔ اس تحریر کے بعض اقتباسات آئندہ صفحوں میں کہیں کہیں بغیر صفحہ نمبر کے دکھائی دیں گے۔ ان کی بات اس لحاظ سے بھی قابل اعتماد ہے کہ وہ مروجہ اسلامی بینکاری کے ابتدائی خاکوں کی ترتیب وتشکیل میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے معتمد ومعاون رہے ہیں۔

دوسری وجہ: مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض ذمہ داران کا رویہ

اہل علم اور اربابِ فتویٰ نے مذکورہ نوعیت کی عوامی شہادتوں اور شکایتوں کو بنیاد بنانے کی بجائے براہِ راست اسلامی بینکوں سے طریقۂ کار اور معاہدات کی نقول حاصل کرنے کیلئے مختلف طریقے اپنائے، مگر انہیں ''پراسپکٹس''(Prospectus)یا''پالیسی چارٹ''(Policy Chart)اور رائج معاملات کے ایگریمنٹ نہیں دیئے گئے حتی کہ بعض ایسے شرعی ''ایڈوائزر'' جن سے پُر اصرار درخواست کی جاسکتی تھی، ان سے جب درخواست کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ یہ چیزیں بینک کی امانت ہیں اور ہمیں اس امانت کا پاس رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، ان چیزوں کا حصول مشکل ہے دریافت کرنے پر وجہ یہ معلوم ہوئی کہ پھر دوسرے بینک محنت سے بنائے ہوئے ہمارے اس نظام کو چوری کرلیں گے اور ہمارے مقاصد واہداف میں وہ بھی شریک ہوجائیں گے، اس سے اسلامی بینکوں کو نقصان ہوگا، یا نفع ورجحان میں کمی واقع ہوگی۔ اس قسم کے اعذار کی معقولیت وغیر معقولیت سے قطع نظر اس نظام کے بارے میں شکوک وشبہات میں اضافہ تو یقیناً ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر آپ کا مقصد سرمایہ دار کے سرمایہ کا تحفظ نہیں بلکہ سودی نظام سے دنیا کو نجات ہی دلانا ہے تو پھر اس کارِ خیر میں بخل واجارہ داری، چہ معنی دارد؟

تیسری وجہ: اقتصادی ماہرین کے منصفانہ تجزیے

مروجہ اسلامی بینکاری پر جب جمہور علماءِ حق کی طرف سے تنقیدات اور تحفظات کھل کر سامنے آنے لگے تو مروجہ اسلامی بینکوں سے وابستگان نے ہر تنقید اور تحفظ کا پہلے

سے تیار شدہ ایک ہی جواب بیک زبان، عوام وخواص کے درمیان عام کرنا شروع کر دیا کہ ”ناقدین علماء“ اس نظام کے بارے میں لاعلمی و جہالت کا شکار ہیں، اس لئے ناقدین کی بات قابلِ توجہ ہی نہیں۔ حالانکہ اپنوں کی تنقید کو نصح وخیر خواہی پر حمل کیا جانا چاہئے تھا اور انہیں از راہِ انصاف یہ بھی معلوم ہونا چاہئے تھا کہ جس اپاہج نظام کے لئے آپ فقہ اسلامی کی بیساکھی فراہم کررہے ہیں، یہ ناقدین اس فقہ سے اتنے لاعلم اور جاہل بھی نہیں تھے کہ ان کی بات آپ کے سننے اور سوچنے کے قابل نہ ہوتی۔ (اس نظام کا فقہی تجزیہ اگلے صفحات میں آرہا ہے اِن شاءاللہ)

خیر، اسلامی بینکاری سے تاحال نیک توقعات رکھنے والے حضرات گرامی اپنے علماءِ دین کی تنقیدات کے لئے ذہنی طور پر چونکہ پہلے سے تیار تھے، اس لئے اس کا جواب پہلے سے تیار رکھا ہوا تھا۔ لیکن سوءِ اتفاق کہ دینی ومذہبی سوچ رکھنے والے بعض اقتصادی ماہرین بھی مروجہ اسلامی بینکوں کے ناقدین کے طور پر کھل کر سامنے آگئے اور انہوں نے اپنی تنقیدات، اسلامی بینکاری کے حامی حضرات کی خدمت میں بھیجیں اور دوسرے بعض نے تو کھلے عام رسائل وجرائد میں بھی اس کے خلاف لکھنا شروع کر دیا اور انہوں نے واضح طور پر یہ لکھا کہ:

”جو تخیلاتی خاکے ”اسلامی بینکنگ“ کے علماء کرام نے وضع کئے ہیں، عملی طور پر ”میزان بینک“ (وغیرہ) ان سے بہت دور ہے، مزید یہ کہ وہ ساری خامیاں جن کی نشاندہی حضرت مدظلہ (مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب) برسوں سے کرتے رہے ہیں وہ سب ”میزان بینک“ کے معاملات میں موجود ہیں۔ یہ بات بینک کے (۱) بچت اکاؤنٹ، (۲) مرابحہ کے معاہدے اور (۳) اجارہ کے معاہدے تینوں میں موجود ہیں۔ (انتھی بلفظہ)“

اسلامی بینکوں کے تخیلاتی ڈھانچے کی خامیوں اورخرابیوں نیز حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی نشاندہیوں پر مشتمل ایک استفتاء ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کے حامی حضرات کی خدمت میں عرصہ سے جمع ہے، جس کا کوئی مثبت ومنفی جواب ملنے سے، سوال کرنے والے دیندار ومخلص اقتصادی ماہر تاحال محروم ہیں۔

دینی ومذہبی سوچ کے حامل ایک اور اقتصادی ماہر اور معروف بینکار مروجہ اسلامی بینکوں کے طرزِ عمل اور کھاتہ داروں کی پریشانی واضطراب سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

> ''دنیا بھر میں اسلامی بینکوں کے نام پر کام کرنے والی بنکوں میں ان شرائط (موصوف نے اسلامی بینکاری کو سودی بینکاری سے جدا کرنے کے لئے کچھ شرطیں بیان کی ہیں) سے انحراف کی مثالیں سامنے آتی رہی ہیں۔اطلاعات کے مطابق پاکستان میں بھی حالیہ ''شرعی انسپکشن'' (چیکنگ) میں شرعی حدود سے تجاوز کی مثالیں سامنے آئی ہیں، ان اطلاعات سے اسلامی بنکوں کے ساتھ کاروبار کرنے والے افراد اضطراب میں مبتلا ہوگئے ہیں''۔(۲)
>
> موصوف کی مختلف تحریرات سے چند مزید اقتباسات
>
> ا......اسلامی بینکاری کے نام پر ڈپازٹس حاصل کرنے اور سرمایہ فراہم کرنے (سودی بنیاد کے قرضوں کا متبادل) کے لئے جو طریقۂ کار اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں نے اپنائے ہیں وہ عموماً نہ تو

---

(۱) بحوالہ تحریر ڈاکٹر ارشد زمان صاحب

(۲) تحریر ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی صاحب، بحوالہ روزنامہ جنگ 3 اکتوبر 2006 ئپیش خدمت ہیں جو روزنامہ جنگ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوچکی ہیں۔

شریعت کی روح سے مطابقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس ظلم و ناانصافی کے خاتمے میں معاونت کر رہے ہیں جو سودی بنیاد پر لین دین کی پیداوار ہے۔ (۱)

۲......اسلامی بینکاری کے تحت سرمائے کی فراہمی زیادہ تر مشارکہ کے ذریعے ہونا چاہیئے لیکن اسلامی بینکوں نے سرمائے کی فراہمی کے لئے بڑے پیمانے پر مرابحہ و اجارہ کے طریقے اپنائے ہوئے ہیں جو کہ نتائج کے اعتبار سے سودی نظام سے مماثلت رکھتے ہیں۔(۲)

۳......اسٹیٹ بینک نے گزشتہ چار برسوں سے یہ غیر اسلامی اور تباہ کن پالیسی اپنائی ہوئی ہے کہ ملک میں سودی بینک اور اسلامی بینک غیر معینہ مدت تک ساتھ کام کرتے رہیں گے چنانچہ سودی نظام کو دوام بخش دیا گیا ہے چار برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود شریعت سے متصادم اس پالیسی پر علمائے کرام کا کوئی اعتراض ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ (۳)

۴......ہم قابل احترام علمائے کرام سے یہ درخواست بھی کریں گے کہ وہ اسلامی بینکوں کو واضح طور سے یہ بتلادیں کہ اگر انہوں نے ہر سہ ماہی میں سرمائے کی فراہمی کے مجموعی، حجم بشمول پُرانی سہولتوں کی تجدید کا کم از کم 30 فیصد نفع ونقصان میں شرکت کی

---

(۱) بحوالہ:۔ جنگ 14 جنوری 2003ء۔

(۲) بحوالہ:۔ جنگ 3 اکتوبر 2006ء۔

(۳) بحوالہ:۔ جنگ 3 اکتوبر 2006ء۔

بنیاد پر نہ کیا تو وہ اس بینک کو اسلامی بینک تصور نہیں کریں گے۔(۱)

۵......سودی بینک اپنا منافع تیزی سے بڑھانے کے لئے اپنے کھاتے داروں کو افراطِ زر کی شرح سے کم شرح پر منافع دے کر ان کا استحصال کر رہے ہیں اور اسلامی بینک ان کی تقلید کر رہے ہیں، چنانچہ جس نظام بینکاری میں کھاتے داروں یا سرمایہ لینے والوں کا استحصال ہوتا ہو وہ حقیقی معنوں میں اسلامی بنکاری کہلایا ہی نہیں جا سکتا۔(۲)

۶......علماء حضرات کو اب واضح طور سے کہنا ہوگا وہ اسلامی بینکوں کے پیچھے اپنا وزن صرف اس وقت ڈالیں گے جب یہ بینک کھاتے داروں کا استحصال بند کردیں گے اور مشارکہ کے ذریعے سرمائے کی فراہمی کا تناسب تیزی سے بڑھائیں گے۔(۳)

۷......اسلامی نظامِ بینکاری، اسلامی نظام معیشت کا صرف ایک اہم حصہ ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام معیشت اپنائے بغیر اسلام کی حقیقی روح کے مطابق اسلامی نظام بینکاری نافذ ہو ہی نہیں سکتا۔(۱)

ایک اور اقتصادی ماہر محترم جناب عمر لطیف صاحب ہیں، جنہوں نے سیکولر اقتصادی نظام کو جامعہ کی سطح پر پڑھا پڑھایا اور ڈگری حاصل کی ہے۔ انہوں نے اسلامی اقتصادیات میں بھی برسہا برس محنت کی ہے۔

---

(۱) بحوالہ:۔ جنگ 3 اکتوبر 2006ء۔

(۲) بحوالہ:۔ جنگ 2 اکتوبر 2007ء۔

(۳) بحوالہ:۔ جنگ 2 اکتوبر 2007ء۔

موصوف مروجہ اسلامی بینکاری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلامی بینک قرضہ جاری کرتے وقت قرضہ طلب کرنے والے کے پروجیکٹ (Project) کا اقتصادی اصولوں پر مفید ومنافع بخش ہونے کی تشخیص کرتی ہے اور قرضہ کی واپسی کی حفاظت کے لئے Collateral وغیرہ کو یقینی بناتی ہے، کم وبیش یہ تشخیص وتحفظات وہی ہیں جو غیر اسلامی بینکوں نے تجویز کی ہیں کہ اس ضمن میں ان کا تجربہ بہت ہے، طویل ہے، لہٰذا مہارت ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ طریقِ کار میں کچھ رد و بدل ہے، وہ کوئی امتزاجی نہیں مگر (Procedural) ہے تنظیمی طور پر کچھ رد و بدل اس کی روح کے برعکس نہیں ہوسکتا۔''(۱)

ایک اور جگہ موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اسلام سے منسوب مروجہ بینک اسی پیمانے کو اپنے لئے اپنائے ہوئے ہیں اور اس کو اسلامی یا شرعی اس بات پر موقوف رکھتے ہیں کہ یہ مارکیٹ سے متعینہ شرح ہے یہ Market Rate ہے جو بدلتا رہتا ہے متعین ومنجمد نہیں ہے غیر اسلامی بینکوں نے بھی یہ اصول اپنایا ہوا ہے اس میں کئی سہولتیں ہیں، بینک کو حالات سے تبدیل ہونے والی شرح یقینی ہوتی ہے۔ قرضہ لینے والوں کو بھی یہ سہولت مہیا ہوتی ہے اور بین الاقوامی لین دین میں بھی واضح صورت نظر کے سامنے رہتی ہے یہ سہولت وحفاظت کے لئے ترتیب دیا ہوا نظام ہے،

(۱) بحوالہ:۔ جنگ 3 اکتوبر 2006ء۔

اس کی بنیاد میں سود کی شرح کارفرما ہے جس کو منجمد کی بجائے متحرک کیا گیا ہے، اصل اصول میں تبدیلی نہیں ہے۔'' (غیر مطبوعہ)

اب سوال یہ ہے کہ جس نظام کے لئے فراہم کردہ فقہی بنیادوں کو ماہرینِ فقہ، ناقص، کھوکھلی اور بے حد کمزور قرار دے رہے ہوں، اور دینی فکر کے حامل اقتصادی ماہرین اور بینکار حضرات اپنے میدان میں کمالِ مہارت کے باوجود اسلامی بینکاری (Islamic Banking) اور روایتی بینکاری (Conventional Banking) کے درمیان واضح فرق محسوس نہ کر سکے ہوں تو ایک عام آدمی دونوں میں کیسے فرق کر سکے گا؟ وہ اپنے اطمینان کے لئے مروجہ اسلامی بینکاری کو اسلامی اصولوں پر مبنی کیسے سمجھ سکے گا؟ علماء کی تنقیدات کو لاعلمی کی ٹوکری میں ڈال دینے کے بعد ان اقتصادی ماہرین کے تحفظات وخدشات کو کس کھاتے میں ڈالا جائے گا؟ کہا جاتا ہے کہ ایسے بینکار حضرات کے اعتراضات کو فقہ اسلامی سے لاعلم ہونے کی بناء پر رد کیا جاتا ہے۔ان دونوں باتوں کی تفصیل اشکالات وجوابات کے ضمن میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

چوتھی وجہ: حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کا محتاط رویہ اور دیانت دارانہ جائزے

مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق عوام کی بے چینی، خواص کے تحفظات اور عدم اطمینان کی ایک بنیادی وجہ اسلامی بینکوں کے پُشتیباں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زیدمجدہم کا محتاط وذمہ دارانہ رویہ ہے۔

بلاشک وشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر مولانا مدظلہم اسلامی بینکوں کی پشت پر نہ ہوتے تو یہ بینک کم از کم برصغیر میں پذیرائی حاصل نہ کر سکتے، جو پذیرائی ملی ہے وہ صرف مولانا کی تائید وحمایت کی وجہ سے ملی ہے۔ مولانا اپنی نیک نیتی، نیک جذبات اور نیک توقعات کے

باوصف ،شروع سے یہ محسوس فرمارہے تھے کہ سودی بینکاری کے متبادل جو ''غیر سودی ، اسلامی بینکاری''(Riba Free Islamic Banking) کا نظام فراہم کیا گیا ہے، یہ نظام ناقص اور ادھورا ہے، عادلانہ اسلامی معاشی نظام کی حقیقی شکل نہیں بلکہ عبوری دور اور ناگزیر حالات کے لئے ایک آزمائشی نظام ہے، جسے رفتہ رفتہ سوفیصد ''اسلامائز'' کیا جائے گا۔ مولانا مدظلہم کی تحریرات میں یہ بات واضح ہے کہ عبوری دور کے لئے وضع کردہ مروجہ بینکاری نظام، قابل اضافہ وترمیم ہے، یہ نظام کوئی مستقل نظام نہیں ہے۔یعنی اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد مشارکہ ومضاربہ کے اصولوں پر ہوگی، مشکلات کے ازالے اور معروضی رکاوٹوں کی دوری تک اجارہ ومرابحہ مؤجلہ کو حیلوں اور تاویلوں کے ذریعہ اختیار کیا جاتا رہے گا۔

نیز آپ کا جوفتویٰ اسلامی بینکاری کے لئے شرعی سرٹیفکیٹ بنا ہوا ہے اس کی محتاط وذمہ دارانہ عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے:

الجواب حامداً ومصلیاً

المیزان انویسٹمنٹ بینک پاکستان کے شرعی معاملات کی نگرانی میں دارالعلوم کراچی کے بعض علماء کرام شامل ہیں جو بینک کے شرعی معاملات کی نگرانی کررہے ہیں، ان سے زبانی طور پر جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں بظاہر یہ پتہ چلا ہے کہ مذکورہ بینک نے مشارکہ کی بنیاد پر ''ربا فری اسلامک انویسٹمنٹ ڈپازٹس'' کے نام سے جو اسکیم جاری کی ہے، اس میں مشارکہ اور مرابحہ کے ان تمام اصولوں اور قواعد کو بروئے کار لایا گیا ہے جو مشارکہ اور مرابحہ کے شرعاً درست ہونے کے لئے ضروری ہیں، اور بینک مکمل طور پر ان اصولوں کی پابندی کرتا ہے، جیسا کہ سوال میں دیئے گئے طریقہ کار سے بھی واضح ہے۔ لہٰذا مذکورہ بینک میں نفع ونقصان کی بنیاد پر ''مشارکہ'' کے طریقہ پر کھاتہ کھولا جاسکتا ہے، اور اس سے حاصل شدہ نفع بھی حلال ہوگا۔

واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک اس اسکیم پر علماء کرام کی نگرانی میں عمل کیا جاتا رہے گا۔ اور اس میں مشارکہ ومرابحہ کے شرعی تقاضوں کو پورا کیا جاتا رہے گا، اگر خدانخواستہ بینک نے مرابحہ ومشارکہ کے شرعی اصولوں سے کبھی انحراف کیا اور یہ اسکیم شریعت کے مطابق ...

۱۰۵

کے بارے میں معلومات حاصل کیا کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عصمت اللہ عصمت اللہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴









اسلامی بینکاری سے متعلق مولانا زید مجدہم کے اس فتویٰ اور ان کے ذمہ دارانہ رویہ کی کوکھ سے مندرجہ ذیل سوالات جنم لیتے ہیں:

(الف) مروجہ نظام بینکاری کی بنیاد مرابحہ اور اجارہ پر حیلہ سازی کے ذریعہ عبوری دور (Over-Night Period) اور ناگزیر حالات سے گزرنے کے لئے رکھی گئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ یہ عبوری دور کب ختم ہوگا؟ تاکہ ہم اسلامی بینکاری کو حقیقی شکل میں اسلامی اصولوں پر گامزن ہوتے دیکھ سکیں؟ مروجہ اسلامی بینکوں کے حامی بعض حضرات کے طرزِ عمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عبوری دور کی قیودات واعذار سے اب وہ آزاد ہو چکے

ہیں، چنانچہ لفظ ''عبوری'' اب ان حضرات کی تحریروں میں نظر نہیں آتا، بلکہ الٹا ''مرابحہ'' و ''اجارہ'' کو اسلامی بینکاری کی حقیقی بنیادیں باور کرانے پر زور دیا جانے لگا ہے، اور اس کی تائید میں مستقل کتابچے اور رسالے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

حالانکہ اسلامی بینکوں کے حامی حضرات کی ذمہ داری میں تو یہ شامل تھا کہ وہ اسلامی بینکوں کو رفتہ رفتہ ''مشارکہ'' و ''مضاربہ'' کی بنیادوں کی طرف لے جانے کے لیے کردار ادا کرتے نہ یہ کہ وہ عبوری دور کے عارضی نظام کے دفاع کو اپنا مشن بنا کر بیٹھ جاتے۔ ان لوگوں کے اس طرز عمل سے یہی تأثر ابھرتا ہے کہ عام بینکاروں کی طرح یہ لوگ بھی اسلامی بینکوں کو ان کی حقیقی بنیادوں کی طرف لے جانے میں سنجیدہ اور مخلص نہیں ہیں، اگر مخلص ہیں تو اس طرز عمل کی کیا وجہ ہے؟

(ب) مذکورہ بالا فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ اگر ''مشارکہ'' و ''مضاربہ'' کے قاعدوں کے مطابق سرمایہ کاری نہ کی گئی تو اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری شریعت کی رو سے جائز نہ ہوگی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں ''مشارکہ'' و ''مضاربہ'' کا عنصر کتنا ہے؟ شروع سے لے کر اب تک اس ضمن میں کتنی پیش رفت ہوئی ہے؟

اگر اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری میں مشارکہ و مضاربہ کے قاعدوں پر سختی سے عمل نہ ہو رہا ہو اور مشارکہ و مضاربہ کا عنصر نظر انداز کیا گیا ہو اور مشارکہ کی طرف پیش رفت کی قابل ذکر کوششیں موجود نہ ہوں تو کیا مذکورہ فتویٰ تب بھی مروجہ اسلامی بینکوں کو جواز کا سہارا دے سکے گا؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض تنخواہ دار حضرات تو اس سوال کو بھی مروجہ مرابحہ و اجارہ کے دفاعی پیچوں میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ مگر دیانتدار اہلِ علم اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جیسے خداترس، دیانتدار اور

تقویٰ دار انسان اس کو ناجائز ہی کہیں گے، کیونکہ وہ اپنے حقیقت پسندانہ جائزوں میں برملا فرما چکے ہیں اور بعض دروس، اجلاسات اور مجالس میں پوری دیانتداری کے ساتھ اس کا اظہار بھی فرماتے رہتے ہیں کہ:

> اسلامی بینکاری اپنے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کر رہی..نہ ہی مشارکہ کی طرف کسی قسم کی پیش رفت کی قابل ذکر کوششیں موجود ہیں...مرابحہ، اجارہ وغیرہ کا استعمال بھی روایتی معیارات LIBOR وغیرہ کے ''فریم ورک'' میں ہوتا ہے جس کا آخری نتیجہ مادی طور پر سودی معاملے سے مختلف نہیں ہوتا...بعض اسلامی بینکوں میں یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ ان میں مرابحہ واجارہ کو بھی ان کے شرعاً مطلوب طریقِ کار کے مطابق اختیار نہیں کیا جاتا....(۱)

اس پر مستزاد مولانا مدظلہم نے اپنی حقیقت پسندی، ناگواری اور مایوسی کا اظہار ایک اور موقع پر اس طرح فرمایا کہ:

> ''یہ ایک حیلہ نکالا گیا ہے اور اس کے حیلہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لیے میں جہاں بھی دخیل ہوں وہاں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ مرابحہ اور اجارہ کے معاملات کم کرو اور رفتہ رفتہ ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کی طرف بڑھو اور جہاں ایسا نہیں کرتے وہاں سے میں رفتہ رفتہ الگ بھی ہو رہا ہوں، اس واسطے کہ بس ہو گیا، ایک حیلہ کر لیا ......اپنی ساری سرگرمیاں اسی پر رہیں، یہ ٹھیک نہیں''۔(۲)

---

(۱) اسلامی بینکاری کی بنیادیں، حقیقت پسندانہ جائزہ، ص:۲۴۸-۲۴۹۔

(۲) بحوالہ ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد فروری ۲۰۰۴ء انٹرویو۔

یہی خدشات حضرت نے ۲۲ جنوری ۲۰۰۸ء کو بیت المکرّم مسجد گلشن اقبال میں ''ڈپلومہ کورس'' کے افتتاح کے موقع پر ظاہر فرمائے ہیں، جس کا حوالہ آگے آرہا ہے۔

حضرت مدظلہم کے اس محتاط، ذمہ دارانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ کے ضمن میں مروجہ اسلامی بینکاری کے دفاع پر کمربستہ حضرات سے یہ سوال ہوتا ہے کہ ان کے رویے میں مولانا مدظلہ کا رنگ کیوں مفقود ہے؟

(ج) اسلامی بینکوں کے شرعی سرٹیفکیٹ (مذکورہ بالا فتویٰ) کے حوالہ سے اہلِ علم، نوجوان اسلامی بینکاروں سے اگلا سوال یہ کرتے ہیں کہ مولانا مدظلہم کے حقیقت پسندانہ جائزوں، تجزیوں اور بینکوں کی مروجہ عملی صورتحال کے تناظر میں مذکورہ فتویٰ باقی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اسلامی بینکوں کی حیثیت میں یقیناً کچھ نہ کچھ تبدیلی تو ہوئی ہوگی؟

ہمارے خیال میں حضرت مولانا دامت برکاتہم سے تعلق، محبت اور عقیدت واحترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حوالہ سے ان کے محتاط، ذمہ دارانہ رویے اور حقیقت پسندانہ جائزوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی بعض چشم پوشیوں اور رواداریوں کو ان کا ''فتویٰ'' قرار نہ دیا جائے۔

(د) حضرت کے دیئے ہوئے نظام کی تطبیق اور تشریح کی ذمہ داری اُٹھانے والے لوگوں نے جس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا، وہ اسلامی معاشرے اور اسلامی بینکوں میں شدید ابتری اور خرابی کا باعث بنا۔ ایک وہ طبقہ جس نے حضرت کے فراہم کردہ نظام کی عملی تطبیق کی ذمہ داری لی (بینکار حضرات)۔ اور دوسرا طبقہ جس نے آپ کے مرتب کردہ نظام کا تشریحی منصب سنبھالا۔ پہلے طبقہ نے حضرت کی ہدایات وارشادات کی روشنی میں نظام چلانے کا جو وعدہ اور عزم ظاہر کیا تھا وہ اس پر پورا نہیں اترے، بلکہ انہوں نے اسلامی بینکوں کو ایسے خطوط پر گامزن کرنے میں کردار ادا کیا ہے جس سے اس خیال کو تقویت

ملتی ہے کہ اسلامی بینکوں کوسودی بینکار بالآخر یرغمال بنالیں گے۔

واضح رہے کہ سودی بینکاروں میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں، ہمارے ان بینکاروں کی یہ روش مولانا زید مجدہم کے ساتھ ایسا دھوکہ اور ناانصافی ہے جس کا اظہار مولانا مدظلہم مختلف مجالس میں کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

جبکہ دوسرے طبقے کی کارکردگی بھی مولانا زید مجدہم کے خیالات وافکار سے مخالف سمت میں رواں دواں نظر آتی ہے۔ ہمارے خیال میں ان لوگوں کا اصل فریضہ (جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا وہ) یہ تھا کہ وہ اسلامی بینکوں کو ان کی حقیقی بنیادوں (مشارکہ ومضاربہ شرعیہ) کی طرف دھکیلنے میں مدد دیتے اور عبوری ووقتی دور کے لئے اختیار کردہ حیلوں (Legal Devices) کے دفاع اور ترویج کی کوششوں کے بجائے مستقل متبادل نظام پر فقہی وتطبیقی اشکالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے اور اسے قابل عمل بنانے میں اپنی کاوشیں صرف فرماتے، مگر ان لوگوں کی توانائیوں کا مرکز، اجارہ، مرابحہ وغیرہ بنا ہوا ہے۔اس صورتحال میں ہم کیسے اطمینان کریں کہ مروجہ اسلامی بینکاری اپنی حقیقی بنیادوں کی طرف بڑھتے ہوئے مروجہ سودی بینکاری کا متبادل بن سکتی ہے؟

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ تو می روی بترکستان است

مروجہ اسلامی بینکاری کے غیر اسلامی ہونے پر اتمامِ حجت:

مروجہ اسلامی بینکاری کے جواز وصحت پر مشتمل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید لطفہم کا محتاط ومقید فتویٰ اور آپ کے حقیقت پسندانہ جائزے، نیز تحفظات

وخدشات کے بعد مروجہ اسلامی بینکوں کے طریقۂ کار کو خلعتِ اسلامی سے نہیں نوازا جاسکتا، جو لوگ حضرت مولانا مدظلہم کے فتویٰ وعمل پر اعتماد کرتے ہوئے اس نظام کا حصہ بنے تھے اور انہوں نے مروجہ اسلامی بینکاری کے ذریعہ سرمایہ کاری کی تھی، مولانا کی حقیقت پسندانہ تحریرات وزبانی تحفظات کے بعد ان کے لئے اس نظام سے وابستہ رہنے کے لئے مولانا کو حجت بنانے کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے اور نہ ہی مزید کسی شبہ واشکال یا اس کی تنقیح کی ضرورت محسوس ہونی چاہیئے۔

بنابریں مولانا نے مروجہ اسلامی بینکوں کو جن فقہی بنیادوں پر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا ان بنیادوں پر شرعی واصولی اشکالات وتنقیحات سے بحث کی بھی چنداں حاجت وضرورت تو نہیں رہی، کیونکہ حضرت مولانا کی شہادت ہی کافی ہے "**صاحب الدار أدریٰ بما فیہ**" بینکوں کو اسلامی کہنے کے لئے اگر مولانا حجت بنے تھے تو غیر اسلامی کہنے کے لئے بھی وہی حجت بن چکے ہیں۔

تاہم آئندہ صفحات میں کچھ معروضات پیش کر دیتے ہیں تاکہ مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستگان اور ترجمان حضرات پر حجت تمام ہوجائے۔ فقہ اسلامی کے نام پر "ربح" اور "ربوا" کی اختلاطی پیش قدمی روکی جاسکے، اسلامی اصطلاحوں کے ساتھ "**أکل بالباطل**" کے مروجہ طریقوں کی روک تھام ہوسکے، اگر کوئی نیک نیتی کے ساتھ حیلوں اور تأویلوں کا سہارا لئے بغیر فقہ اسلامی کی رو سے مروجہ اسلامی بینکوں کا حکم معلوم کرنا چاہے اور شرعی تجزیہ کرنا چاہے تو اسے حقیقتِ حال جاننے میں مدد مل سکے، ایسے مخلصین کی خدمت میں ہم اپنا مختصر سا تعاون پیش کررہے ہیں۔

فصل چہارم

مروجہ اسلامی بینکاری میں استعمال شدہ اصطلاحات کا تجزیہ

جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کا ابتدائی ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لئے چھ اسلامی ستونوں کا سہارا لیا گیا یعنی:

۱-مضاربہ ۲-مشارکہ ۳-مرابحہ

۴-اجارہ ۵-سلم ۶-استصناع

ان چھ عقودی ستونوں کے علاوہ مروجہ بینکاری نظام میں ''کمپنی تصور'' کے مطابق ''شخص قانونی'' (Juristic person) کا ستون بھی مستعار لیا گیا ہے۔ ''اسلامی بینکاری'' کا یہ ڈھانچہ، ہوسِ زر کی غیر معتدل آندھیوں کی وجہ سے گھوم کر اس وقت مرابحہ، اجارہ، شرکت متناقصہ اور ''شخص قانونی'' جیسی غیر مرئی طاقت پر ٹکا ہوا ہے۔ تاہم یہ ساری عقودی (Transaction) اصطلاحیں چونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے استعمال ہوئی ہیں اس لئے ہم ان اصطلاحوں کے استعمال سے متعلق مختصراً یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان اصطلاحوں کے استعمال میں اسلامی بینکوں کے حامی حضرات نے کتر و بیونت سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

مضاربہ ومشارکہ:(Mudharabah & Musharakah)

فقہی ابواب میں عام طور پر مضاربہ کے ساتھ ''شرکت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے نہ کہ ''مشارکہ'' کا۔ ''مشارکہ'' کہنے کی نوبت شاید اس لئے آئی ہو کہ مروجہ مشترکہ کاروباری سلسلہ ''کمپنی'' کہلاتا ہے اور ''کمپنی''، ''شرکت شرعیہ'' کی کسی قسم کے تحت صحیح طور پر داخل

نہیں ہوسکتی، اس لئے کمپنی کے مفہوم ومصداق کوظاہر کرنے کے لئے ''مشارکہ'' کالفظ زیادہ مدد دیتا ہے، کیونکہ اس کا لغوی معنیٰ ہے ''باہمی اشتراک کا معاملہ کرنا''، اسی لغوی معنیٰ کے پیش نظر ''مشترکہ تجارتی شکل'' (Joint trade Enterprise) کا مفہوم بتانے کے لئے ''شرکت'' کی بجائے ''مشارکہ'' کالفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک خاص ضرورت کے تحت ''مشارکہ'' کے ضمن میں ''شرکتِ متناقصہ'' (Diminishing Musharakah) کی اصطلاح بھی نکال ڈالی۔ جبکہ شرکت متناقصہ کی اصطلاح شریعت میں بالکل مفقود ہے، اس معاملے کی کسی اسلامی عقد سے مشابہت نہیں تھی، اس لئے اسے اسلامی عربی نام دینے کے لئے مجبوری کے تحت شرکت متناقصہ کی اصطلاح متعارف کرائی گئی، یہی وجہ ہے کہ یہ تمویلی صورت، شرکت کے لفظی عنصر کے باوجود مروجہ اسلامی بینکاری میں بہت اہم نفع بخش تمویلی طریقہ کے طور پر استعمال ہورہی ہے۔

مرابحہ مؤجلہ: (Murabahah)

یہ بھی درحقیقت دو فقہی اصطلاحوں کا خلط ودمج ہے، یہ بیع کی دو الگ قسمیں ہیں۔ ایک ہے ''بيع المرابحه'' اوردوسری'' بيع مؤجل'' (بيوع إلى الآجال) (Credit sale) دونوں الگ الگ قسم ہیں۔ بیع مرابحہ کسی مدت اوروقت کے ساتھ مقید نہیں ہوتی، جبکہ بیع مؤجل طویل المدتی (Long term) یا قصیر المدتی (Short term) معاہدوں کے ساتھ ہونے والی بیع کہلاتی ہے، ''بیع'' کی ان دونوں قسموں کوجس مقصد کے لئے خلط کیا گیا وہ یہ ہے کہ مروجہ بینکاری نظام میں سودی قرضہ جات اور ''تقسیطی اجارہ'' (Leasing) کا جونفع بخش طریقہ کارہے، اسے اسلامی بینک میں اسلامی اور فقہی نام سے جاری وساری کیا جاسکے۔

سلم واستصناع:(Salam & Istisna)

سلم واستصناع کے حوالے سے ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں سے ناانصافی کا شکوہ ہے، کیونکہ انہوں نے ان دو فقہی اصطلاحوں کو اسلامی بینکاری کے ستونوں میں شمار تو کیا مگر اسلامی بینکاری میں ان کا کردار معدوم یا کالمعدوم کے درجہ میں ہے۔حالانکہ ''مرابحۂ مؤجلہ'' کی طرح ''سلم'' سے بھی کئی کثیر الفوائد منافع حاصل ہوسکتے ہیں، کیونکہ ''بیوع إلی الآجال'' عام طور پر معمولی بے احتیاطی سے سودخوروں کے مقاصد کی برآری کا ذریعہ بن جایا کرتی ہیں۔

شخص قانونی(Juristic Person) کی اصطلاح:

''شخص قانونی'' کی فقہی جراحی تو اگلے صفحات میں قدرے تفصیل سے عرض کریں گے، یہاں پر صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ ''شخص قانونی'' کے غیر مرئی وفرضی وجود اور فقہ اسلامی میں غیر مانوس اصطلاح اور اس کی محدود ذمہ داری کو ثابت کرنے کے لئے بیت المال، وقف، ترکہ مستغرقہ بالدین، خلطۃ الشیوع، عبد ماذون اور مضارب کی محدود ذمہ داریاں(Limited Liabilities) وغیرہ کی مثالیں جس طرح پیش فرمائی گئی ہیں، ہمارا خیال ہے کہ اس قیاس میں بے انتہاء علمی طاقت اور بے پناہ ملکۂ استنباط کی بچتیں صرف ہوئی ہیں، اور یہ سب کچھ اس لئے برداشت کیا گیا کہ یہ ثابت ہوسکے کہ ملکی غیر اسلامی قانون میں ''شخص قانونی'' کا جو تصور پایا جاتا ہے، اسے مشرف با اسلام کیا جائے اور اسلامی بینکاری میں اس سے وہی خدمات (Services) لی جائیں جو خدمات وہ (شخص قانونی)

سودی بینکوں میں انجام دے رہا ہے، تاکہ اسلامی بینک، بینکاری کی دوڑ میں کسی طور پر بھی روایتی بینک سے پیچھے نہ رہ جائے اور کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہو اور کم آمدنی کے عیب دار، داغ سے محفوظ رہ سکے۔

غور طلب بات:

ممکن ہے ہمارے معاصر اہلِ علم یہ فرمائیں کہ فقہی اصطلاحات کوئی منصوصی تھوڑی ہی ہیں، یہ استقرائی ہیں اور ہمارا استقراء فقہاء کرام ہی کی تقلید ہے اور ''**لامشاحة فی الاصطلاح**'' کا اصل معروف بھی ہمیں منع نہیں کرتا، بلکہ اجازت دیتا ہے۔ بلاشبہ یہی بات ہے، مگر غور طلب بات یہ ہے کہ بینکنگ کا جواز اور اس کی ضرورت بیان کرتے ہوئے یہ نظریہ، عام کیا جاتا ہے کہ بینکنگ دنیا کی مجبوری بن چکی ہے، اور ادھر بینکنگ کے لئے ایک منظّم و مرتب نظام بھی اس کا لازمہ ہے۔ چنانچہ بینک کے موجدین نے اپنی فکر و تصور کے مطابق اس نظام کی جزئیات و کلیات مرتب کیں اور ایسے قالب (سانچے) بنائے کہ ''بینک'' سے دائمی طور پر، تادیر بنیادی فکر و تصور کے مطابق فوائد و نتائج خود بخود حاصل ہوتے رہیں۔

اس نظام کی مثال کسی فیکٹری کے ان سانچوں کی ہے جنہیں مخصوص شکل و صورت والا سامان بنانے کے لئے تیار کیا گیا ہو، اگر اس سانچے میں ذرا بھر فرق کیا جائے تو مطلوبہ سامان مرغوبہ شکل و صورت کے مطابق حاصل نہیں ہوسکتا۔ یا اس مرتب بینکاری نظام کی مثال ایسی مشینری سے بھی دی جاسکتی ہے جس کے کارآمد رہنے کے لئے اس کے تمام پرزوں کا اپنی اپنی جگہ پر ہونا ضروری ہے اگر کوئی پرزہ، اپنی جگہ سے معمولی سا، ہل جائے یا نکل جائے تو یہ مشین اپنا کام چھوڑ دے گی یا صحیح طور پر کام بجا نہیں لائے گی۔ اس لئے

''بینکنگ'' کے نظام کو بلاکم و کاست دنیا کا نظام چلانے کے لئے مجبوری تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور بینکار حضرات اس نظام میں کسی قسم کے ردوبدل کے روادار نہیں، اگر کسی حد تک رضامند ہو بھی جائیں تو اپنی بنیادی فکری پالیسی کے تقاضوں کی بھرپور پاسداری کے ساتھ۔ مثال کے طور پر ہم پاکستان میں کوئی بینک بنانے کے لئے ''اسٹیٹ بینک'' (مرکزی بینک) کی پالیسی کے پابند رہیں گے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مرکزی بینک بدقسمتی سے عالمی مالیاتی اداروں کی پالیسی کا تابع بنا ہوا ہے۔

مروجہ بینکاری نظام، اسلامی فلسفہ سے تصادم کی فکر پر قائم ہے جبکہ دنیا کی ۱/۶ آبادی اسلام کی پیروکار ہے، مگر ''بینک'' کا نظام اس کی پرواہ نہیں کرتا، یہاں تک کہ اسلام کے دو عظیم مراکز سعودی عرب اور پاکستان کے لئے بھی اپنے سانچوں میں کسی ایسے ردوبدل کا قائل نہیں کہ یہ لوگ اپنی اسلامی فکر کے تحت عالمی بینکاری نظام سے آزاد رہ کر اپنا کوئی خالص اسلامی مالیاتی بینکاری نظام چلا سکیں۔

مقامِ افسوس!

مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارا اسلامی نظام اور اس کی فقہی دفعات اتنی مظلوم اور لاوارث ہیں کہ گویا جدید اسلامی بینکاروں کے علاوہ اس ذخیرے کا کوئی اور وارث نہیں اور یہ لوگ اسلامی دفعات میں جب اور جس قسم کی قطع و برید کرنا چاہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یا سادہ الفاظ میں یوں کہیں کہ بینکنگ کا فقہ اور اسلام کے تابع ہونا چونکہ مشکل ترین ہے، اس لئے ہم فقہ اور اسلام کو بینکنگ کے تابع بنا دیتے ہیں تاکہ دنیا کے نظام میں اسلام کا حصہ بھی ہو جائے اور اسلام و مغرب کا تقریبی مظہر پیش ہو سکے۔

فائدہ:

اسلامی بینکاری کے ضمن میں ''غرر'' کا بھی بسا اوقات تذکرہ آتا ہے، جہاں تک غرر کا تعلق ہے اگر اس کی صحیح تطبیقی تشریح ہوجائے تو یہ اسلامی بینکاری کی صحت کے لئے **''داء عضال''** (لاعلاج بیماری) ہے، اسی خطرے کے پیش نظر کوئی بینکار ڈاکٹر صاحب اس موضوع پر اسپیشلائزیشن فرما چکے ہیں اور انہوں نے سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک سے زائد مقالے بھی لکھے ہیں۔ مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تشخیص میں ''مریض اسلامی بینک'' کے علاج سے زیادہ حسبِ عادت دفاع نمایاں ہے۔

فصل پنجم

شخص قانونی اوراس کی فقہی جراحی

تمہید:

''کمپنی'' کی دونمایاں خصوصیات ''بینک'' کا مؤثر ترین جزء، بلکہ بنیادی ستون ہیں، جن کے بغیر ''بینک'' کا تمویلی ڈھانچہ قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ایک بنیادی خصوصیت ''شخص قانونی'' ہے۔دوسری خصوصیت اسی ''شخص قانونی'' کا لازمہ،یعنی ''محدود ذمہ داری'' ہے، اگر کمپنی اور محدود ذمہ داری کا بنیادی تصور شریعت کے مطابق ٹھہرے تو پھر کمپنی کے تمویلی طریقۂ کار(mode of Financing) کی جزئیات کو مقیاسِ شریعت پر پرکھنا ہوگا۔

کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Corporate Law Authority)کے اجازت نامہ کے ساتھ جو کمپنی وجود میں آجائے وہ کمپنی مروجہ قانون کے مطابق ایک فرضی واعتباری شخص قرار پاتا ہے،قانون کی رو سے یہ فرضی شخص بالکل حقیقی انسان کی طرح تصرفات ومعاملات کی ادائیگی وجوابدہی کا اہل تصور کیا جاتا ہے۔البتہ قانون، حقیقی اور اعتباری شخص کے درمیان یہ فرق کرتا ہے کہ حقیقی انسان کی ذمہ داریاں غیرمحدود ہوں گی، جبکہ فرضی انسان (شخص قانونی) کی ذمہ داری اور جوابدہی محدود ہوگی،منافع کی دوڑ میں وہ حقیقی انسان سے زیادہ جاندار ہوگا،جبکہ جوابدہی کے معاملہ میں اس کے برعکس ہوگا۔

کمپنی میں یہی دو چیزیں (شخص قانونی اوراس کی محدود ذمہ داری) شرعی اعتبار سے قابل غوراور باعث تردد ہیں، یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کمپنی

اور شرکت کے درمیان علاقہٴ تضاد بھی قائم رہتا ہے، کیونکہ شریعت ''شرکت'' کے الگ سے مستقل وجود کی قائل نہیں، جبکہ مروجہ قانون ''کمپنی'' کے الگ مستقل وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ نیز شرکت میں شرکاء کی ذمہ داریاں محدود نہیں ہوتیں، جبکہ ''کمپنی'' میں ''شخص قانونی'' کی ذمہ داریاں محدود ہوتی ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ شرکت اور کمپنی کے اس جوہری فرق کو تسلیم کر لینے کے بعد شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کا تصور اسلام کے مطابق ہے یا نہیں؟ بعض اکابر اہل علم یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ یہ اصطلاحیں فقہ اسلامی میں نامانوس و ناپید ہیں، مگر شریعت میں اس سے ملتی جلتی بعض صورتیں پائی جاتی ہیں جن پر قیاس کرتے ہوئے شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کے تصور کے درست ہونے کی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ حضرات اہل علم اپنی رائے کے مطابق، شخص قانونی کے تصور کے لئے چار شرعی اصطلاحیں پیش فرماتے ہیں۔ ذیل میں ان اصطلاحوں سے طرز استدلال اور اس پر فقہی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

شخص قانونی کی پہلی اور دوسری فقہی نظیر:

وقف اور بیت المال: ان حضرات اہلِ علم کا کہنا ہے کہ یہ دونوں ادارے غیر شخصیتی ادارے ہیں ان کی حیثیت محض معنوی ہے، لیکن اس کے باوجود ان اداروں کی معنوی حیثیت انسان کی حسی حیثیت جیسے اوصاف کی نسبت رکھتی ہے، مثلاً ادائیگی، جوابدہی اور وصولیابی جو خالص انسانی اوصاف ہیں، وہ اوصاف وقف اور بیت المال میں بھی پائے جاتے ہیں، چنانچہ وقف اور بیت المال دائن، مدیون، مدعی، مدعی علیہ اور اخذ و معطی بنتے رہتے ہیں، ان اداروں کی معنوی حیثیت کے باوصف، یہ تصرفات تسلیم کئے جاتے ہیں، اسی طرح ''کمپنی'' کی معنوی حیثیت کے لئے بھی اس قسم کے اوصاف کو تسلیم کر لینے کی گنجائش ہے۔(۱)

(۱) ماخوذ از جدید معیشت و تجارت ص:۸۰۔ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

تبصرہ:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مشترکہ حیثیتوں میں اور اجتماعی سطح پر کاروبار زندگی کے مختلف نمونے روزِ اول سے موجود تھے۔ مختلف شعبہائے زندگی سے وابستہ لوگوں کی مجموعی حیثیتیں فقہائے کرام رحمہم اللہ سے ہرگز پوشیدہ نہیں تھیں، فقہاء کے کارآمد، دماغوں کی رسائی حوادث ونوازل کی باریکیوں اور جزئیات تک بھی ہوتی رہی، اس کے باوجود ان کے اجتہادات میں ''شخصِ معنوی'' کا تصور کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ یہ کہنے کی قطعاً گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ وہ اس تصور پر مطلع نہیں ہو سکے تھے، بلکہ اس کی بنسبت یہ کہنا زیادہ آسان ہے کہ وہ اس تصور سے بخوبی واقف تھے اور نامعقول ہونے کی بناء پر انہوں نے اس تصور کو اپنے فقہی ذخائر میں جگہ نہیں دی اور اس پر کسی مسئلے کا مدار ہی نہیں رکھا، اسی لئے اس تصور کو فقہی نظام میں کوئی جگہ نہیں ملی۔

باقی رہے وہ نظائر جن کی بناء پر بعض اہل علم اس تصور کو شریعت کے موافق قرار دیتے ہیں تو ان کا تجزیہ بھی پیش خدمت ہے:

ہمارے خیال میں کمپنی کی معنوی حیثیت کو وقف اور بیت المال کی معنوی حیثیت پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے۔اور دونوں کے درمیان کئی وجوہ سے بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

۱- وقف اور بیت المال کے لئے انسان کے مالکانہ ومتصرفانہ اوصاف کا ماننا، خلافِ قیاس ہے۔ کیونکہ کسی ذمہ داری کا اہل ہونا فقہاء کرام کے بقول صرف اور صرف عاقل بالغ آدمی کا خاصہ ہے۔ ''اصول سرخسی'' میں ہے:

''أصـل هـذه الأهـلية لايـكون الابعد ذمة صالحة لكونها محلا للوجوب،فان المحل هوالذمة ،ولهذا يضاف اليها ولايضاف الى غيرها بحال ،ولهذا اختص بهٖ الآدمى دون سائر الحيوانات التى ليست لها ذمة صالحة .'' (۱)

''اصول الفقه الاسلامی'' میں ہے:

وقد اشترط تماثل العلة فى الفرع والاصل، لأن القياس عبارة عن اثبات مثل حكم الاصل فى الفرع،واثبات مثل الحكم يتصورعندمماثلة الوصف الموجود،فى الفرع للوصف الموجود فى الأصل. وإلا لم يتحقق التماثل بين الحكمين، ويقال للقياس الذى لم يتحقق فيه هٰذ الشرط:قياس مع الفارق...الخ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ وقف اور بیت المال کو بظاہر بعض ذمہ داریوں کا اہل قرار دینا خلاف قیاس ہے اور یہ نوبت ایک خاص ضرورت واحتیاج کے تحت پیش آرہی ہے، وہ یہ کہ حقوق عامہ اور خاصہ کا تحفظ ممکن بنایا جاسکے، کیونکہ بیت المال اور وقف کے ساتھ مختلف النوع حقوق وابستہ ہوتے ہیں ورنہ وہ ضائع ہو جائیں گے۔ لہٰذا خلافِ قیاس اور غیر معقول امر، اصولاً مقیس علیہ بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ کشف الاسرار میں ہے:

''وأن لا يكون حكمه معدولاًبه عن القياس .''(۳)

---

(۱)اصول السرخسى ،باب أهلية الآدمى لوجوب الحقوق له وعليه وفى الأمانة التى حملها الانسان .۲/ ۲۳۳.ط: دارالمعارف النعمانية،المكتبة المدينةلاهور.

(۲) اصول الفقه الاسلامى ،المبحث الثالث ،شروط القياس: ۱/ ۶۴۴.ط: دار الفكر بيروت.

(۳) كشف الاسرار ،باب شروط القياس :۳/ ۴۴۴،ط: دارالكتب العلميه بيروت لبنان.

۲- وقف اور بیت المال کے اثاثوں کے ساتھ شخصی حیثیت میں کسی کا مالکانہ تعلق قائم نہیں ہوتا، کیونکہ اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی شمار ہوتی ہے، حاکم وقت یا اس کا نائب، مالکِ حقیقی کی نیابت میں تصرفات کرتا ہے، جبکہ عام رعایا کا وقف اور بیت المال کے ساتھ صرف انتفاع کا حق وابستہ ہوتا ہے، اس لئے وقف اور بیت المال میں حقوق کی نسبت کسی فرد کی بجائے ان اداروں کی طرف کی جاتی ہے، کیونکہ متعلقہ فرد کا ان اداروں کے ساتھ مالکانہ مفاداتی تعلق نہیں ہوتا، ورنہ حقوق کی نسبت اسی فرد کی طرف کی جاتی، جبکہ کمپنی کے زیر استعمال اثاثے شرکاء کی ملکیت ہوتے ہیں اور کمپنی میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جن کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے۔اس لئے کمپنی میں حقوق کی نسبت فرضی انسان کی بجائے حقیقی انسان ہی کی طرف ہوگی۔

۳- کمپنی ناکام ہوجائے تو کمپنی کے اثاثے، کمپنی کے شرکاء کی طرف حصص کے تناسب سے لوٹا دیئے جاتے ہیں، حتیٰ کہ شخص قانونی مرحوم کے حصہ کے ورثاء بھی یہی شرکاء ہوتے ہیں۔ جبکہ وقف اور بیت المال کے خراب ہونے کی صورت میں کسی کا خاص حصہ ہوتا ہی نہیں، اسی لئے واپسی کا تصور نہیں۔ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

> ''أن المراد أنه لم يبق على ملک الواقف ولا انتقل إلى ملک غيره ،بل صار على حكم ملک الله تعالىٰ الذى لا ملک فيه لأحد سواه ، وإلا فالكل ملک للّٰه تعالىٰ ،واستحسن فى الفتح قول مالک رحمه الله تعالىٰ أنه حبس العين على ملک الواقف فلا يزول عنه ملكه، لكن لا يباع ولا يورث ولا يو هب مثل ام الولد والمدبر. وحققه بما لا مزيد عليه.

قلت: الظاهر أن هٰذا مراد شمس الأئمة السرخسي حيث عرّفه بأنه حبس المملوک عن التمليک من الغير، فإن الحبس يفيد أنه باق على ملكه كما كان وأنه لا يباع ولا يوهب". (۱)

۴- وقف، عام ہو اور مساکین (موقوف علیہم) بے شمار ہوں تو متولی کو اختیار ہوتا ہے کہ جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے سکتا ہے، جبکہ شخص قانونی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ اگر واقف نے مخصوص فقراء کے لئے وقف کی تصریح کی ہو تو وقف بحکم وصیت ہوگا اور وصیت کی طرح نافذ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إن كان الواقف على فقراء قرابته وقريته وهم لا يحصون أو يحصون أو أحد الفريقين يحصون والأخر لا يحصون ففي الوجه الأول للقيم أن يجعل نصف الغلة لفقراء قرابته ونصفها لفقراء القرية ثم يعطي من كل فريق من شاء منهم ويفضل البعض كما يشاء، لأن قصده الصدقة وفي الصدقة الحكم كذلک. وفي الوجه الثاني يصرف الغلة إلى الفريقين بعددهم وليس له أن يفضل البعض على البعض، لأن قصده الوصية وفي الوصية الحكم كذلک، وفي الثالث يجعل الغلة بين الفريقين أولاً فيصرف إلى الذين يحصون بعددهم

(۱) رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۳۹/۴، ط: سعيد كراچی پاكستان.

وإلی الذین لا یحصون سهما واحداً ثم یعطی هٰذا السهم من الذین لا یحصون من شاء ویفضل البعض فی هٰذ السهم کما بیّنا ......(۱)

۵- وقف اور بیت المال کا قیم اورمتولی (ڈائریکٹر) اصلاً متبرع ہوتا ہے، جبکہ کمپنی (شخص قانونی) کے ڈائریکٹران اصلاً حصہ داراور تنخواہ دار ہوتے ہیں، اور ان کے عہدے اور تصرفات خالصۃً تجارتی ومفاداتی ہوتے ہیں، کیونکہ کمپنی کے ڈائریکٹر حضرات دراصل اپنے ہی سرمائے سے کمپنی بناتے ہیں اور کاروبار کا آغاز کرتے ہیں، پھر دیگر لوگوں کو کمپنی میں حصہ دار بناتے ہیں، اس طور پر ڈائریکٹر حضرات اپنی طرف سے اصل اور حاملین حصص (Share holders) کی طرف سے وکیل (Agent) بن کر تصرف کرتے رہتے ہیں، اور اس کاروبار کا بالواسطہ اور بلاواسطہ فائدہ بھی ان کو بہم پہنچتا رہتا ہے، نیز یہ لوگ کمپنی کے غیر عمیل شرکاء (Sleeping Partners) سے اجرت بھی لیتے ہیں، اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کمپنی (شخص قانونی) کے ساتھ اس کے ڈائریکٹران کا دوہرا مفاداتی تعلق ہے، ایک شیئر ہولڈر کی حیثیت سے اور دوسرا کمپنی کے (محدود نقصان اور غیر محدود نفع کے) نام سے۔ **لأن الشرکة منهم تخرج و تتولد، وفیهم تفنی وتنجذب.**

۶- وقف اور بیت المال کا مقصد انفرادی واجتماعی انسانی ضرورتوں کی نگہبانی ہوتا ہے، جبکہ ’’کمپنی‘‘ (شخص قانونی) مخصوص تصور کے تحت محدود افراد کی ضرورتوں اورخواہشات کو پورا کرنے کا جذبہ رکھتی ہے۔ مقیس ومقیس علیہ کے اس بنیادی تصور کے اعتبار سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ وقف اور بیت المال، انسانیت کے احترام اور تقدس کے

---

(۱) **الفتاویٰ الهندیه: ۴۱۶/۲، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، ط: رشیدیه کوئٹه.**

نظریہ پر قائم ہیں، اور شخصِ قانونی کا تصور انسانیت کی توہین اور بے وقعتی کے نظریہ پر قائم ہے، کیونکہ بیت المال اور وقف غیر موجود اور غیر معین لوگوں کو بھی بحیثیت انسان، رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں، مگر شخص قانونی کا تصور کمپنی سے وابستہ حقیقی انسانوں کی موجودگی میں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر انسان، بے جان فرضی شخص کے تصرفات کو اہمیت دیتا ہے۔ گویا کہ شخص قانونی کا تصور، عاقل بالغ متصرف ومختار انسانوں کو ایک غیر مرئی وغیر حقیقی بھوت کا مزدور، نوکر، چاکر اور غلام بنانے کا تصور ہے۔

اگر یہ نظریہ مسلمانوں کی طرف سے پیش ہوا ہوتا تو عالمی دنیا ''مسئلۂ غلامی'' کی طرح اس پر بھی انسانی حقوق کی توہین اور خلاف ورزی کا واویلا کرتی، مگر اب جدید اسلامی بینکاروں کا جرم چونکہ ثانوی ہے، اور وہ غیر مسلم شخصِ قانونی کے لئے صرف اسلامی لباس تیار کررہے ہیں، عالمی دنیا ''بدن'' کو چھوڑ کر لباس کا مؤاخذہ نہیں کرے گی، اس لئے وہ بے خوف ہوکر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔

شخص قانونی کی تیسری نظیر:

''شخص قانونی'' کے تصور کی تائید میں پیش کردہ تیسری نظیر ''**تركة مستغرقة بالدين**'' ہے۔ استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ اگر میت کا سارا ترکہ دیون میں ڈوبا ہوا ہو تو ایسی صورت میں دائنین کا مدیونِ مطلوب نہ میت ہے نہ ورثہ ہیں، بلکہ ''مدیون'' ترکہ ہوگا، جو ''شخص قانونی'' ہے۔(۱)

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۸۱، ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

تبصرہ:

ہمارے خیال میں یہ استدلال حد درجہ قابلِ تأمل ہے۔

(الف) ''ترکہ کو مدیون قرار دینا اور میت کو مدیون ہونے سے فارغ قرار دینا نصوص کے خلاف ہے، کیونکہ متعدد احادیث مبارکہ میں ''دین'' کی نسبت ''میت'' ہی کی طرف کی گئی ہے۔

''هل عليه من دين؟...... (۱)

يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين،......(۲)

نفس المؤمن معلقه بدينه حتى يقضى عنه..(۳)

لو أن رجلاً قتل فى سبيل الله ثم عاش ثم قتل فى سبيل الله ثم عاش ثم قتل فى سبيل الله عاش وعليه دين ما دخل الجنة حتى يقضى دينه''.(۴)

ان روایات سے صاف واضح ہے کہ ''مدیون'' تو ''میت'' ہی ہے گو کہ باعتبار ''ما کان'' کے سہی، پس میت کی بجائے ترکہ کو مدیون کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

(ب) جہاں تک دیون کے ترکہ پر احاطہ اور استغراق کا تعلق ہے وہ اس لئے نہیں کہ ترکہ ''شخص قانونی'' ہے، وہ واجبات کی ادائیگی اور ذمہ داریاں قبول کرنے کا

(۱) بخاری: ۳۰۶/۱، ط: قديمي، كراتشي.

(۲) مسلم، : ۱۳۵/۲، ط: قديمي، كراتشي.

(۳) ترمذی، ابواب الجنائز: ۲۰۶/۱ ط: ایچ ایم سعید کراتشی.

(۴) مسند احمد: ۳۲۵/۱۶، ط: قاہرۃ۔

اہل ہے، بلکہ اس نسبت کی دو وجہیں ہیں۔

ایک یہ کہ ''دیون'' میت کے ان واجب الاداء مالی حقوق میں سے ہے جو دیگر حقوق سے پہلے میت کے مال متروکہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اگر دیوں ترکہ کے برابر یا ترکہ سے زیادہ ہوں تو پھر میت کا کوئی اورقولی فعلی تصرف یا حق ترکہ سے متعلق ہی نہیں ہوسکتا۔قرض اور دین کی یہ ترجیح نص سے ثابت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ میت سے مطالبہ کی صورت باقی نہیں، اس لئے ''غرماء'' (قرض خواہ) کا حقِ مطالبہ میت کی بجائے اس کے ترکہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، اگر میت (حقیقی انسان) زندہ ہوتا تو یہ مطالبات اوراس کے بعد والے درجوں کے مطالبات اسی سے کئے جاتے۔میت سے مطالبہ کی صورت کے ساقط ہونے سے یہ مفہوم نہیں لیا جاسکتا کہ وہ مدیون نہیں بلکہ شخص قانونی (مال،ترکہ) مدیون ہے، پس حقیقی انسان مردہ ہی کیوں نہ ہو وہ ہمارے ہاں ہزاروں فرضی انسانوں اور بے تحاشہ بینک بیلنس سے زیادہ قابلِ قدر اور قابلِ احترام ہے۔

(ج) جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ''میت'' ہی دراصل مدیون ہے نہ کہ اس کا ترکہ، میت سے مطالبہ کا امکان ختم ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مدیون (میت) کا ذمہ بالکلیہ ساقط اور فارغ ہوگیا،یعنی میت سے مطالبہ کا حق ساقط ہونے سے حق وذمہ کا خاتمہ سمجھنا غلطی ہے، جس طرح عدالت کی طرف سے ردِ دعویٰ سے سقوطِ حق سمجھنا غلط ہے، کیونکہ تقادم زمان سے حق ساقط نہیں ہوتا،اسی طرح یہاں بھی مطالبہ کا حق باقی نہ رہنے سے حق ساقط نہیں ہوتا ہے،اس پر تین شواہد پوری وضاحت سے دلالت کرتے ہیں:

ایک تو مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''میت'' کا دین کی وجہ سے اخروی مؤاخذہ ہوگا اگر موت کی وجہ سے میت کا مدیون ہونا ختم ہو چکا ہوتا اور محدود ذمہ داری کا تصور اس کے حق میں مفید ہوتا تو دیون کی عدم ادائیگی کی وجہ سے آخرت میں

مؤاخذہ نہ ہوتا اس لئے مؤاخذۂ اخروی میت کے مدیون اور ذمہ دار ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا شاہد یہ ہے کہ افلاس کی حالت میں وفات پانے والے مقروض کے قرض کی ادائیگی کی کوئی اور صورت نہ ہو تو بعض کبار اہلِ علم کے نزدیک یہ ذمہ ''بیت المال'' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ بیت المال کے ذمہ میت کے دین کی ادائیگی کا حکم میت کے ذمہ کے بقاء کی دلیل ہے۔

''مرقاۃ المفاتیح'' میں ہے:

ثم قيل :الدائن الذى يحبس عن الجنة حتى يقع القصاص، هو الذى صرف مااستدانه فى سفه أو سرف وأما من استدانه فى حق واجب كفاقة ولم يترك وفاء فإن اللّٰه تعالىٰ لا يحبسه عن الجنة إن شاء اللّٰه تعالىٰ لأن السلطان كان عليه أن يؤدى عنه فإذا لم يؤد عنه يقض اللّٰه عنه بإرضاء خصمائه.(۱)

تیسرا شاہد یہ ہے کہ قرض و دیون کی ذمہ داری ابراء یا اداء سے ساقط ہو جاتی ہے۔ ذمہ خراب ہونے کی صورت میں مطالبہ کی ظاہری صورت ساقط ہوتی ہے، حق ساقط نہیں ہوتا۔

''شرح المجلہ'' میں ہے:

الدين الصحيح هو فى التنوير وغيره مالا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء (۲)

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع ،باب الافلاس والإنظار،الفصل الثانى:۱۲۵/۶. ط: رشيديه كوئٹه.

(۲) شرح المجلةلخالد الاتاسى : ۲۴/۳.المادة۶۳۱،الكتاب الثالث فى الكفالة . ط:اسلامية، كوئٹه)

’’شخص قانونی‘‘ کی چوتھی نظیر:

’’شخص قانونی‘‘ کی چوتھی نظیر ’’خلطة الشیوع‘‘ ہے، فرماتے ہیں کہ خلطۃ الشیوع میں آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک زکوٰۃ انفرادی حصوں کی بجائے مجموعہ پر آئے گی‘‘ معلوم ہوا کہ آئمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعہ ایک ’’شخص قانونی‘‘ ہے۔(۱)

تبصرہ

یہ استدلال بھی کئی اعتبار سے محل نظر ہے اور مقیس و مقیس علیہ کے درمیان ’’بون بعید‘‘ ہے، ایک ’’بُعد‘‘ جس کی طرف حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی اشارہ فرمایا ہے کہ:

> ’’خلطة الشیوع‘‘ میں آئمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعہ پر زکوٰۃ ہوتی ہے، پھر ہر شریک کی انفرادی ملکیت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اور کمپنی کے نظام میں کمپنی پر الگ ٹیکس ہوتا ہے اور شیئرز ہولڈرز پر الگ ٹیکس ہوتا ہے‘‘۔(۲)

معلوم ہوا کہ مالی ذمہ داریوں کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، بلکہ واضح فرق ہے۔

---

(۱) ماخوذ از اسلام اور جدید معیشت وتجارت حوالہ بالا۔

(۲) جدید معیشت وتجارت ص:۸۱۔

دوسری بات یہ کہ مجموعہ پر زکوۃ لازم ہونے کی اصل بنیاد کیا ہے؟ ہمارے ہاں زکوۃ مالی عبادات میں سے ہے، اس لئے اس کی ادائیگی عبادات کے اہل اور مکلّف لوگوں پر لازم ہوتی ہے، چنانچہ نابالغ کے مال پر زکوۃ نہیں ہے۔ جبکہ آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں زکوۃ واجباتِ مالیہ میں سے ہے، اس کا وجوب مال کی شرائط کے مطابق ہوتا ہے ،افراد کی تکلیفی حیثیات کا لحاظ نہیں ہوتا اور مجموعہ مال میں فی الوقت بصورتِ خلطہ ایک عارض شرکاء کے حصوں کے افراز اور انفراد سے مانع ہے، اس لئے آئمہ ثلاثہ مجموعہ پر زکوۃ لازم قرار دیتے ہیں، اور اس کی تائید زکوۃ کے باب میں ''أنفع للفقراء'' کے اصول سے بھی ہوتی ہے۔ مالدار پر زکوۃ لازم کرنے میں فقراء کا فائدہ، چھوٹ ملنے میں مالدار کا فائدہ ہے۔ مالدار کی بجائے فقیر کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ''خلطة الشيوع'' کی صورت میں مجموعہ پر زکوۃ کا لزوم بلا توجیہ مان بھی لیا جائے تو یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ خلطۃ الشیوع کا مجموعہ، فقہ حنفی کی رو سے ''شخص قانونی'' کے ڈھانچہ کے لئے ستون کا کام چونکہ نہیں دے سکتا تھا، اس لئے آئمہ ثلاثہ کے قول کی طرف چلے گئے جبکہ یہاں کوئی داعیہ ضروریہ نہیں تھا، اس لئے افتاء بمذہب الغیر کے مسلمہ اصول کی رو سے اس کی گنجائش نہیں۔

کمپنی کی محدود ذمہ داری (Limited Liabilities) کا تصور

حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں کہ ''شخص قانونی کو حقیقت ماننے کے بعد محدود ذمہ داری کو ماننا مشکل نہیں رہتا'' حضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ''شخص قانونی'' کی حقیقت کے شواہد مل چکنے کے بعد اگر فقہ میں کسی شخص کی محدود ذمہ داریوں کی نظیر مل جاتی

ہے تو شخص قانونی کی محدود ذمہ داری کا تصور بھی درست بیٹھے گا، ورنہ معاملہ برعکس ہوگا۔ چنانچہ محدود ذمہ داری کے تصوّر پر تین نظائر پیش فرمائے گئے ہیں، یہ نظائر اور اس پر فقہی تبصرہ پیش خدمت ہے:

محدود ذمہ داری کی پہلی نظیر

مضاربت میں رب المال (Investor) کی ذمہ داری ''رأس المال'' تک محدود ہوتی ہے، اگر مضارب (Working Partner) نے رب المال کی اجازت کے بغیر بہت زیادہ قرضے حاصل کئے تو ان قرضوں کا ذمہ مضارب پر لازم ہوتا ہے، رب المال سے صرف اس کے سرمائے کی حد تک مطالبہ ہو سکے گا اس سے زائد کا نہیں۔(۱)

تبصرہ:

سوال یہ اٹھتا ہے کہ رب المال کے محدود ذمہ کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ رب المال اور مضارب کا معاہدہ مالِ مضاربت سے حاصل شدہ نفع کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور مالِ تجارت سے متعلق نفع بخش تصرفات کرنے کی اجازت اور مضر تصرفات سے منع کرنا، صنیع التجار، عادات التجار اور دلالتِ حال کی بناء پر مصرح ہوتا ہے، یہ ''**المعروف کالمشروط**'' کی طرح ہوا، اگر مضارب، رب المال کی شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو خلاف ورزی کا سارا خمیازہ قیاساً مضارب ہی کو بھگتنا چاہیئے نہ کہ رب المال کو، کیونکہ رب المال کی غلطی تو نہیں ہے۔ لیکن استحسان یہ ہے کہ مضارب کی غلطی اور غفلت مال مضاربت کی وجہ سے تھی۔

---

(۱) ماخوذ از جدید معیشت وتجارت حوالہ بالا۔

جیسے عبد ماذون کے دیون کی وجہ تجارت کو قرار دیا جاتا ہے۔اسی طرح یہاں بھی پیش آمدہ خسارے کا باعث ''مضاربت'' بنی ہے ۔اس لئے رب المال پر یہ بوجھ ڈالا جائے کہ وہ ''**رأس المال** '' سے صبر کرے اور رأس المال بھی دائنین کے دیون میں چلا جائے اور رب المال کو مزید تنگ نہ کیا جائے ،اس صورت میں مضارب اور رب المال دونوں کی رعایت ہے، اس رعایت کو اگر محدود ذمہ داری کا نام دیا جائے تو بظاہر مشکل اور بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مضاربۃ میں کمپنی اور بینک کی ایک حیثیت رب المال کی بجائے مضارب کی بھی ہوتی ہے، کیونکہ کمپنی لوگوں کے سرمایہ پر کاروبار کرتی ہے، یہاں پر اصولاً محدود ذمہ داری کی نسبت سرمایہ داروں کی طرف ہوگی جو کہ رب المال ہیں، نہ کہ سرمایہ کار (کمپنی وغیرہ) کی طرف، کمپنی کی ذمہ داری غیر محدود رہے گی، کیونکہ کمپنی تو مضارب ہے ،مضارب کی ذمہ داری بالکلیہ محدود نہیں ہوتی ،اگر کمپنی پر بے تحاشہ قرضے چڑھ گئے تو سرمایہ دار کو صرف اپنے سرمایہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جبکہ مذکورہ تفصیل کی رو سے کمپنی اور اس کے مالکان پر لازم ہوگا کہ اپنی غفلتوں کی وجہ سے لازم ہونے والے قرضے خود ادا کریں۔لیکن کمپنی ایسا ہرگز نہیں کرسکتی کیونکہ محدود ذمہ داری کا سہارا ہی اس قسم کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے لیا ہے۔اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کمپنی کے محدود تصور میں لینے اور دینے کے باٹ مختلف ہیں۔ ''**اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون**''(**المطففین ،آیة ۲ . ۳**)

ترجمہ:'' خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں'' (۱)

---

(۱) از ترجمہ شیخ الہندؒ۔

تیسری بات یہ ہے کہ ''رب المال'' کی ذمہ داری کا محدود ہونا بجائے خود محدود امر ہے، کیونکہ ''رب المال'' کی ذمہ داری صرف اس صورت میں اپنے سرمایہ تک محدود ہوتی ہے، جب ''رب المال'' کی طرف سے مضارب کو قرضے لینے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت نہ ملی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تاجروں کے یہاں غیر معروف اور غیر مفید طریقہ پر تجارت/مضاربت، کرنے والا مضارب، فاعلِ مختار ہونے کی بناء پر ''رب المال'' کا وکیل اور نائب کہلانے کی بجائے غیر معروف تصرفات میں اصیل شمار ہوتا ہے۔ اور تمام معاملات کا خود ہی جواب دہ ہوتا ہے۔

لیکن اگر رب المال کی طرف سے مضارب کو صراحۃً یا دلالۃً مقدار کی قید سے آزاد قرضے لینے کی اجازت حاصل ہو چکی ہو تو رب المال کی ذمہ داری اپنے سرمایہ کی مقدار تک محدود نہیں ہوگی۔

چوتھی بات یہ کہ زیر بحث ذمہ داری کے معاملہ میں قرض اور دین (Loan & Debt) کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے خلط مبحث ہو رہا ہے۔ ''قرض'' چونکہ ''مال مضاربت'' اور رب المال کے حق میں بصورت ضمان اضافی بوجھ کا درجہ رکھتا ہے، جبکہ ''دین'' مضاربت اور عام تجارت کا معمول بہ حصہ ہے کیونکہ ہر تاجر ادھار اور نقد معاملے کرتا ہے، مضارب بھی ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے، مضاربت کی وجہ سے جو ''دیون'' (ثمن کی مد میں) مال مضاربت پر آئے ہوں، ان دیون کا تعلق بہر حال رب المال سے ہوگا، خواہ وہ جتنے بھی ہوں اور ان کی ذمہ داری رب المال پر عائد ہوگی۔ مثلاً رب المال نے مضارب کو ایک لاکھ روپیہ دیا، مضارب نے پچاس ہزار کا سامان ادھار خریدا، پھر کسی قدرتی آفت سے یہ سارا مال اور نقدی حوالگی سے پہلے ہی ہلاک ہوگئی تو رب المال مزید پچاس ہزار کا ضامن بھی ہوگا، کیونکہ یہ پچاس ہزار قرض نہیں تھا بلکہ مال مضاربت سے متعلق ''دین''

تھا۔ مال مضاربت سے متعلق دین (شئ مشتریٰ کا ثمن) رب المال پر ہی لازم ہوتا ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے:

''قال: ویجوز للمضارب ان یبیع ویشتری بالنقد والنسیئة،لأن کل ذلک من صنیع التجار فینتظمه اطلاق العقد...والاصل ان ما یفعله المضارب ثلاثة انواع ، نوع یملکه بمطلق المضاربة ... ونوع لایملک، لا بمطلق العقد ولا بقوله ''اعمل برأیک''إلا أن ینصّ علیه ربّ المال وهو الاستدانة، وهو أن یشتری بالدراهم والدنانیر بعد ما اشتری برأس المال السلعة ومأشبه ذٰلک ،لأنه یصیر المال زائداًعلی ماانعقد علیه المضاربة فلایرضی به ولایشغل ذمّته بالدّین ، ولو أذن له رب المال بالاستدانة صار المشتریٰ بینهما بمنزلة شرکة الوجوه.''(۱)

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''أن ثمن المشتریٰ برأس المال فی باب المضاربة مضمون علی رب المال، بدلیل أن المضارب لو اشتری برأس المال ثم هلک المشتریٰ قبل التسلیم، فإن المضارب یرجع إلی رب المال بمثله، فلو جوزنا الإستدانة علی المضاربة لألزمناه

(۱) الهدایة،کتاب المضاربة ، باب المضارب یضارب، فصل.۳/۲٦۷–۲٦۸،ط:شرکة علمیة .

زيادة ضمان لم يرض به، وهذا لايجوز.“ (۱)

”الدر المختار“ میں ہے:

قوله: ويملك المضارب فى المطلقة التى لم تقيد .... البيع ولوفاسداً بنقد ونسيئة متعارفة،(۲)

ولا (يملك) الإقراض والإستدانة وإن قيل له ذلك أى اعمل برأيك ،لأنهما ليسا من صنيع التجار فلم يدخلا فى التعميم مالم ينص المالك عليهما فيملكهما...(۳)

قوله: والإستدانة ،كما إذا اشترى سلعة بثمن دين وليس عنده من مال المضاربة شئ من جنس ذلك الثمن، فلو كان عنده من جنسه كان شراءً على المضاربة ولم يكن من الإستدانة فى شئ..(۴)

”بدائع الصنائع“ میں ہے:

وأما القسم الذى ليس للمضارب أن يعمله إلا بالتنصيص عليه فى المضاربة المطلقة فليس له أن يستدين على مال المضاربة ولو استدان لم يجز على

---

(۱) بدائع الصنائع ۹۰/۶ ط:ایچ ایم سعید کراچی.

(۲) در مختار:۶۴۸/۵-۶۴۹ ط: سعید کراچی.

(۳) رد المحتار :۶۵۰/۵ ط: ایچ ایم سعید.

(۴) رد المحتار: ۶۵۰/۵ ط: ایچ ایم سعید کراچی.

رب المال ویکون دیناً علی المضارب فی مالہ لأن الاستدانۃ...الخ (۱)

پانچویں بات: خالصتاً انصاف اور حقیقت پسندی کا سوال ہے کہ جس کمپنی اور ادارے کے دستور و منشور (Prospectis) میں صراحۃً لکھا ہو کہ کمپنی بالخصوص بینک اپنے کاروباری سلسلے میں قرضہ جات لیا اور دیا کرے گی، اس صراحت کو پڑھ سن کر ''کمپنی'' کا حصہ دار اور بینک کا ڈپازیٹر بننے والے کو یہ کہہ کر کمپنی (شخص قانونی) کی محدود ذمہ داری کا قائل بنانا کہ مضاربت میں ''رب المال'' کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، کمپنی کی بدنیتی، ناانصافی اور استحصالی سوچ کی غمازی کرتا ہے۔

اگر یہ فرمایا جائے کہ اسی دستور میں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ ''کمپنی'' کی ذمہ داری محدود ہوگی، کمپنی کا شیئرز ہولڈر اس کو بھی پڑھتا ہے، اور تسلیم کرتے ہوئے دستخط کرتا ہے۔ دستور کی یہ شق اگر ''قرض'' سے متعلق ہو تو اسے فقہاً رب المال کی طرف سے قرض کی عدم اجازت پر محمول کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ شق اگر کمپنی کے ان ''دیون'' سے متعلق ہو جو اضافی قرضہ نہیں بلکہ مال مضاربت کے ادھار سودوں کی وجہ سے لازم ہوتے ہوں تو مذکورہ شرط کو شیئرز ہولڈر، سے اس کے پیشگی دستخط کے ساتھ منوانا کیا صریح طور پر مقتضائے عقد کے منافی نہ ہوگا؟ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو صرف اور صرف یکطرفہ طور پر کمپنی کے مفادات کے تحفظ پر مبنی ہے اور کمپنی جس مقصد کے تحت شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کا سہارا لیتی ہے وہ بھی اہل علم وفکر پر قطعاً پوشیدہ نہیں، اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ شرط فاسد علی وجہ البصیرہ ہی ہوتی ہے، اس کے باوجود وہ شرعاً مردود ٹھہرتی ہے۔ ایسی صورتحال میں کمپنی کی اس ''برأتی'' شرط کا شیئر ہولڈر پر لازم کرنا کس بنیاد پر عینِ شریعت ہوسکتا ہے؟

---

(۱) بدائع الصنائع ۶/۹۰ ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

اتنی بات تو فی الجملہ طے شدہ ٹھہری کہ رب المال کی ذمہ داری محدود اور مضارب کی غیر محدود ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ جن صورتوں میں ''کمپنی'' کی حیثیت ''مضارب'' کی بنتی ہو، کیا وہاں پر کمپنی کے ذمہ داران، غیر محدود ذمہ داری(Unlimited Liabilities) کا عقیدہ قبول کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو ثابت ہوگا کہ محدود ذمہ داری کا تصور خالصتاً دائنین کے استحصال پر مبنی ہے۔ اگر غیر محدود ذمہ داری قبول کرتے ہیں، تو کمپنی کو لامحالہ انشورنس کا سہارا لینا ہوگا جیسا کہ معمول ہے۔ اور انشورنس کے ناجائز ہونے میں علماء کے ہاں کسی کی کفایت وکفالت کا عذر لنگ مسموع ومقبول نہیں ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مضاربت میں ''رب المال'' (Investor) کی خاص نوعیت کی جزوی محدود ذمہ داری کو بنیاد بنا کر یہ تاثر دینا کہ ''مضاربت'' میں رب المال کی ذمہ داری مطلقاً محدود ہوتی ہے، اور اس پر کمپنی (شخص قانونیJuristic Person) کی ذمہ داری کی تحدید کو کلی طور پر قیاس کر لینا شرعاً درست معلوم نہیں ہوتا۔

محدود ذمہ داری کی دوسری نظیر:

کمپنی کی محدود ذمہ داری کی دوسری نظیر، مفلَّس مقروض ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ شخص حقیقی (انسان) جسے قاضی نے مفلَّس (دیوالیہ) قرار دیا تو اس کے قرض خواہ، صرف اس کے موجود اثاثوں (Present Assets) سے اپنا دین وصول کر سکتے ہیں، اس سے مزید کا فی الحال مطالبہ نہیں کر سکتے، اگر وہ مقروض اسی حالت میں مر جائے تو دائنین کے دیون کی ادائیگی ''خراب الذمہ'' کی وجہ سے باقی نہیں رہتی۔ اس کو یوں بیان

فرمایا گیا ہے:

''معلوم ہوا کہ شخص حقیقی اگر مفلس ہوکر مرجائے تو اس کی ذمہ داری اثاثوں تک محدود ہوتی ہے اور دائنین کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے، جب کمپنی کو بھی ''شخص'' مان لیا گیا ہے، تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہوکر تحلیل ہوجائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثاثوں تک محدود ہونی چاہئے، اس لئے کہ کمپنی کا تحلیل ہوجانا اس ''شخص قانونی'' کی موت ہے۔(۱)

تبصرہ:

لیکن ہمارے خیال میں یہ مثال شرعاً محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ یہاں پر بھی دو مختلف مسئلے خلط ملط ہونے سے تسامح ہوا ہے، ایک مسئلہ یہ ہے کہ مفلس شخص (دیوالیہ) کا بحکم عدالت افلاس، اس کو ناقابل گرفتاری بنا دیتا ہے، اس لئے کہ اس کے گرفتار کرنے اور پابند سلاسل کرنے میں زجر وتوبیخ کا کوئی فائدہ ہی نہیں، کیونکہ وہ مماطل (قصداً ٹال مٹول کرنے والا) تو نہیں، مفلس ہے۔ یعنی تفلیس کے بعد قاضی کا مفلس پر حقِ حبس ختم ہوجاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ مفلس پر سے قاضی کے حقِ حبس کی طرح، اربابِ حقوق کے حقوق بھی ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟ بایں طور کہ دائنین کو مطالبہ کا حق ہی نہ رہے اور مدیون مفلس بھی بالکلیہ بری شمار ہوجائے؟

فقہ اسلامی کے مطابق پہلا مسئلہ انتظامی نوعیت کا ہے اور دوسرے مسئلے کا تعلق مدیون کی شرعی ذمہ داری سے ہے، اس سلسلہ میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ تفلیس کے بعد

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۸۲ ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

''مدیون'' سے حق حبس کے ساتھ دیگر حقوق ساقط ہوتے ہیں نہ ہی مدیون ان حقوق سے شرعاً و دیانۃً واخلاقاً بریٔ الذمہ قرار پاتا ہے اس کے تین واضح شواہد موجود ہیں:

۱- ''تفلیس'' (دیوالیہ قرار دینے) کے باوجود دائنین مدیون کا مسلسل پیچھا کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگر ان کا حق ساقط ہو چکا ہوتا تو انہیں پیچھا کرنے کا حق کیوں ہوتا؟

''قال فی أنفع الوسائل: وبعد ما خلی القاضی سبیله فلصاحب الدین أن یلازمه فی الصحیح.... وله أن یلازمه بنفسه وإخوانه وولده ممن احب'' (۱)

۲- اگر مفلس، زمانۂ افلاس ہی میں فوت ہو جائے اور مطالبہ اور ملازمہ، کا امکان اور ظاہری صورت ختم ہو جائے تو بھی وہ اربابِ حقوق کے حقوق کی ذمہ داری سے بالکلیہ فارغ اور بری الذمہ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں مرحوم مفلس کا ذمہ بعض اہل علم کے ہاں کسی درجے میں حکومت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ''مرقاۃ المفاتیح'' میں ہے:

قوله: ''وأما من استدانه فی حق واجب کفاقة ولم یترک وفاء فإن اللّٰه تعالیٰ لایحبسه عن الجنة إن شاء اللّٰه تعالیٰ لأن السلطان کان علیه أن یؤدی عنه، فإذا لم یؤد عنه یقض اللّٰه تعالیٰ عنه بإرضاء خصمائه ... الخ (۲)

''عمدۃ القاری'' میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وانما کان هٰذاقبل أن یکون للمسلمین بیت مال إذ بعدهٗ کا ن القضاء علیه ....قال بعض أهل العلم :یجب

---

(۱) رد المحتار مطلب فی ملازمة المدیون: ۵/ ۳۸۷ط: ایچ ایم سعید کراچی).

(۲) مرقاۃ المفاتیح :۶/ ۱۰۴ـط: امدادیه ملتان.

علی الإمام أن یقضی من بیت المال دین الفقراء اقتداءً بالنبی ﷺ ،فإنہ قد صرّح بوجوب ذلک علیہ حیث،قال :"فعلیّ قضاء". ولإن المیت المدیون خاف أن یّعذّب فی قبرہ علی ذلک الدیُن، لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : "الآن حین بردت جلدتہ". وکما أن علی الإمام أن یسدّ رمقہ ویراعی مصلحتہ الدنیویۃ، فالأخرویۃأولیٰ. وقال ابن بطال : فإن لم یعط الإمام عنہ شئی وقع القصاص منہ فی الآخرۃ ولم یحبس المیت عن الجنۃ بدین لہ مثلہ فیٰ بیت المال إلا أن یکون دینہ أکثر ممالہ فی بیت المال . وفی شرح المھذب : قیل:إنہ ﷺ کان یقضیہ من مصالح المسلمین. وقیل : من مالہ، وقیل : کان ھٰذا القضاء واجباً علیہ .(١)

اور "تحفۃ الأحوذی" میں ہے:

وقد ورد ایضا ما یدل علیٰ أن من مات من المسلمین مدیوناً فدینہ علی من إلیہ ولایۃ أمور المسلمین ،یقضیہ

---

(١)عمدۃ القاری،باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز : ١٠/١٠٧-١٠٨ط:مصفیٰ البابی الحلبی بمصر ، ومثلہ فی فتح الباری،کتاب الفرائض: ١٢/١٠ .ط:رئاسۃ اداراۃ بحوث العلمیہ بالمملکۃ العربیۃ السعودیہ ، وکذا فی شرح الکرمانی علی البخاری ،الجزء :٢٣.رقم الحدیث ٦٣٣٠:٩/١٥٩ ط: دا راحیاء التراث العربی بیروت.

وکذافی شرح الأُبّی علی صحیح لمسلم : ٤/٣٢٣.ط: دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان.

عنه من بيت مالهم.وإن كان له مال كان لورثته...
وذلك مشعرٌ بأن من مات مديوناًاستحق أن يّقضىٰ عنه
دينه من بيت مال المسلمين.وهو أحد المصارف
الثمانية، فلايسقط حقه بالموت. ودعوىٰ من ادعىٰ
اختصاصه صلى اللّٰه عليه وسلم بذلک ساقطة.(۱)

اور ’’تکملہ فتح الملہم‘‘ میں ہے:

هٰذا دليل على أن بيت مال المسلمين يتكفل
بحاجات كل من يعجز عن الكسب وليس له من أقاربه
من يقوم بأمره.وقال الإمام محمد بن الحسن الشيباني
رحمه اللّٰه:فعلى الإمام أن يتّقى اللّٰه فى صرف الأموال
إلى المصارف، فلا يدع فقيراً إلا أعطاه حقّهٗ من
الصدقات حتىّٰ يغنيه وعياله.وإن احتاج بعض
المسلمين وليس فى بيت المال من الصدقات شيء
أعطى الإمام ما يحتاجون إليه من بيت مال الخراج ولا
يكون ذلک دينا على بيت مال الصدقة، لما بيّناأن
الخراج وما فى معناه يصرف إلى حاجة المسلمين.(۲)

یہاں پر مختصر سا ایک سوال ہوسکتا ہے کہ کیا شخص قانونی کے سہارے قیام پذیر کوئی

---

(۱) تحفة الأحوذى ،باب ماجاء عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال:إن نفس المؤمن معلقةبدينه حتىٰ يقضىٰ عنه: ۱۹۲/۴-۱۹۳-۱۹۴۔ط: قديمى كتب خانه كراچى.

(۲) تكملة فتح الملهم ،باب من ترک مالاً فلورثته: ۴۳/۲-۴۷.ط: مكتبةُدار العلم كراچى پاكستان .

بینک اگر دیوالیہ ہوجائے تو حکومت یا اس کا مالیاتی ادارہ اسٹیٹ بینک بھی فقہاء کی اس رائے کے مطابق اس مدیون مرحوم (بینک) کے دائنین کے دیون کا ذمہ اٹھاتا ہے یا اس کی نگرانی صرف سیکورٹی ڈپازٹس رکھوانے پر مجبور کرنے کی حد تک ہے؟

۳- دیوالیہ شخص کے ایسے معاملات جو کسی درجہ میں حکومت کی جواب دہی میں داخل نہ ہوتے ہوں بلکہ خود اس کی اپنی گردن پر محیط ہوں، ایسے دیون عنداللہ معاف نہیں ہوتے، مدیون ان کی ذمہ داری سے فارغ اور بری شمار نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کا مدیون کی نماز جنازہ پڑھانے سے رک جانا اور مؤاخذہ اخروی کی شدید وعیدیں (کمامّر) اس امر پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ مفلس سے صرف قاضی کا حق حبس (قید و بند کرنے کا حق) ساقط ہوتا ہے نہ کہ مدیون کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے۔

ہماری اس رائے کی تائید ایک اور فقہی جزئیہ سے بھی ہوتی ہے کہ ''تقادم زمان'' کی وجہ سے عدالت میں (مدعی) کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتا۔ یعنی قاضی اس دعوے کی سماعت کا پابند نہ ہونے کی بناء پر اس دعویٰ کو خارج کرسکتا ہے، مگر حقدار مدعی کا حق مدعی علیہ سے دیانۃً ساقط اور کالعدم شمار نہیں ہوتا۔

''لأن الحق لایسقط بتقادم الزمان ''(۱)

معلوم ہوا کہ حقِ مطالبہ کا ساقط ہونا الگ چیز ہے اور ثابت شدہ حق سے بریٔ الذمہ ہونا الگ چیز ہے۔

اس تفصیل کی بناء پر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ''مدیون مفلس'' کے حکم کی مختلف حیثیات سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی ذمہ داریوں کو محدود فرمانا اور پھر اسے بے جان شخص کے لئے بطور آکسیجن استعمال کرنا دونوں صحیح نہیں ہیں۔

---

(۱) شامی: ۴۲۰/۵. ط، ایچ ایم سعید، الأشباہ والنظائر لابن نجیم ص: ۲۱۹ ط: قدیمی.

محدود ذمہ داری کی تیسری نظیر:

شخص قانونی کی محدود ذمہ داری پر پیش فرمودہ تیسری نظیر "**عبد ماذون فی التجارة**" (وہ غلام جسے اس کے مولیٰ نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہو) ہے، عبد ماذون خود اور اس کے ہاتھ میں موجودہ اور آنے والا مال اس کے آقا کی ملکیت ہوتا ہے، اگر اس پر دیون واجب ہوں تو وہ غلام کی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ مولیٰ سے''۔(۱)

تبصرہ:

اس نظیر کو بظاہر بہت دلچسپ فرمایا گیا ہے، مگر حقیقت میں یہ نظیر بھی حد درجہ قابل غور ہے، اور یہ استدلال کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

۱- عبد ماذون، غلام ہونے کے باوجود ایک عاقل بالغ، بالقوہ فاعلِ مختار اور متصرف ہے، اس کا حجر (بندش) محض شرعی ہے، جبکہ کمپنی کی حقیقت محض معنوی ہے۔ معنویت کا حقیقت پر قیاس ہی درست نہیں، قیاس اور تشبیہ کی تعریف اس تمثیل پر صادق نہیں آتی۔

۲- عبد ماذون کے قرضوں کی ذمہ داری ''مولیٰ'' پر نہ ہونے کی علت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولیٰ کی اجازت واذن کا تعلق تاجروں کے عرف میں معمول کے مطابق معاملات سے ہے، یہاں معمول کی خلاف ورزی ایک انسان سے سرزد ہوئی، لہذا اس کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرانا چاہئیے کیونکہ وہ اگرچہ غلام ہے لیکن تجارت کے تصرفات میں

---

(۱) جدید معیشت ص:۸۳۔ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

اجازت یافتہ ہے، لہذا خلافِ معمول تصرفات کی ذمہ داری اسی پر ہونی چاہیئے۔ مگر اس کے پاس کچھ ہے نہیں، مال سارا مولیٰ کا ہے، لہذا عبد ماذون (جو کہ ایک متصرف انسان ہے۔) کو دائنین کے دیون میں بیچ دیا جاتا ہے، اور حاصل شدہ قیمت غرماء میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کردی جاتی ہے۔ چنانچہ ''فتح القدیر'' میں ہے:

لأن سببه التجارة وهی داخلة تحت الإذن وتعلق الدين برقبته استيفاء حامل على المعاملة (١)

٣- یہی غلام اگر فروخت ہورہا ہو تو شرعاً غرماء کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو فروخت نہ ہونے دیں بلکہ انہیں استسعاء کا حق ہوگا، یعنی اسے کمائی پر لگوا کر اپنے قرضوں کی وصولیابی کا راستہ اختیار کریں گے۔ ''ردالمحتار'' میں ہے:

''وكل دين وجب عليه (أی العبد الماذون) بتجارة ... يتعلق برقبته .... يباع فيه ،ولهم استسعاؤه ايضاً ...الخ (قوله يباع فيه) ولايجوز بيعه إلا برضا الغرماء أو بامر القاضی لأن للغرماء حق الاستسعاء ليصل إليهم كمال حقهم. (٢)

٤- اگر یہ غلام دیون کی ادائیگی واستیفاء کے لئے بیچ دیا گیا اور اس کا ثمن دائنین کے درمیان بقدر حصص تقسیم بھی ہوگیا، تب بھی آزاد ہوجانے کے بعد غرماء اس سے مطالبہ کرسکتے ہیں اور اس کا پیچھا بھی کرسکتے ہیں، کیونکہ یہ وہ دیون ہیں جو اس کے ذمہ میں تجارت کی بناء پر پہلے سے ثابت ہوچکے تھے۔ ''ردالمحتار'' میں ہے:

---

(١) الهداية مع شرحه فتح القدير :٢٢٤/٨، ط: دار احياء التراث العربی.

(٢) رد المحتار: ٦/٦٤-١٦٣، ط: ايچ ايم سعيد كراچی.

ویقسم ثمنه بالحصص......وطولب المأذون
بما بقی من الدین زائداً عن کسبه و ثمنه بعد عتقه لتقرر
الدین فی ذمته وعدم وفاء الرقبة.(١)

غرماء کے حق مطالبہ کا آزادی کے بعد تک لمبا ہونا ذمہ داریوں کی تحدید(Limitation) کی بجائے تطویل (لمبی حد) کی دلیل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عبد ماذون کے ذمہ کو جس طرح علی الاطلاق محدود سمجھا اور بتایا جارہا ہے درحقیقت معاملہ اس سے مختلف ہے،اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ عبد ماذون کی آزادی کے بعد غیر محدود مدت تک فارغ الذمہ نہ ہونے کو صرف لفظ''محدود'' کے ذریعہ محدود نہیں کیا جاسکتا۔

۵- عبدِ ماٴذون کی ذمہ داری کا اس کی اپنی مالیت تک محدود ہونا مطلقاً نہیں، بلکہ صرف ان صورتوں میں ہے جب اس کے ہاتھ میں مال تجارت نہ ہو یا اس کی کوئی امکانی صورت نہ ہو ایسی صورت میں ''مولیٰ'' کی ملکیت میں صرف غلام (ماٴذون) بچتا ہے، لہٰذا غرماء کے حقوق کی ادائیگی کے لئے یہی متعین ہے اسی کی مالیت کو سب غرماء میں تقسیم کیا جائے گا۔لہٰذا عبد ماٴذون کی محدود ذمہ داری کا یہ مطلب مطلقاً نہیں لیا جاسکتا کہ اس پر جو بھی مالی ذمہ داری آئے تو صرف اس کی اپنی مالیت تک محدود ہوگی۔حاشا و کلّا.

تفصیل کے لئے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

اعلم أن الدیون علی ثلاثة أوجه :دین یتعلق برقبته
اتفاقا"وهو دین الاستهلاک، و دین لا یتعلق برقبته اتفاقا"
وهو دین وجب بما هو لیس فی معنی التجارة کالوطء

(١) رد المحتار: ٦/ ١٦٥-١٦٤. وکذا فی الهداية والفتح.

والـنـكـاح بـغيـر إذن المولىٰ ، ودين مختلف فيه وهو دين بسبـب التـجـار ة وبما هو مثلها كالبيع والشراء والإجارة والاستجار وضمان المغصوب والودائع والأمانات إذا جحد فيها ،وما يجب من العقر بوطء المشتراة بعد الاستحقاق لاستناده إلى الشراء ،فيلحق به كذا فى الترصيع،كذا في المعدن.....فإن كان فى يد العبد مال حاضر يفي بديونه فإنه يقضي ديونه من كسبه ولا يبيع المأذون بدينهم ،وإن لـم يـكـن فـى يـده مـال حـاضر إلا أن له مالا غائبا يرجى قـدومه أو دين حال يرجى خروجه، فإنه لا يعجل القاضى فـى بيـعه بل يتلوّم ويؤخر البيع حتىٰ يقدم المال أو يخرج الـديـن...... وإذا انـقـضـت مدة التلوّم على القولين جميعا ولـم يقدم المال ولم يخرج الدين، فإن القاضى يبيع العبد بـديـنهـم......ثـم إذا بـا ع الـقـاضى العبد بحضرة المولى يـقسـم ثمنه بين الغرماء فبعد ذالک ينظر إن كان بالثمن وفـاء بـالـديـون كـلهـا أو فـىٰ كـل واحـد منهم تمام حقه ويـصـرف الـفضل إلى المولىٰ إن كا ن ثمة فضل، وإن لم يـكـن بـالـثـمـن وفـاء بـالديون كلها يضرب كل غريم فى الثـمـن بـقـدرحـقه ولا سبيل لهم على العبد فيما بقى من دينهم حتىٰ يعتق العبد كذا فى الذخيرة.

فـإن اشتـرىٰ الـعبـد مـولاه الـذى بـاعـه عليـه

القاضی للغرماء لم يتبعه الغرماء بشيء مما بقی من الدين قليل ولا كثير ،وإن عاد العبد إلی ملک من وجب الدين علی العبد فی ملكه. كذا فی المغنی.(۱)

''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

وكل دين وجب عليه بتجارة أو بما هو فی معناه......يتعلق برقبته...... يباع فيه... ويقسم ثمنه بالحصص......(قوله: يتعلق برقبته) لأنه دين ظهر وجوبه فی حق المولیٰ ......(قوله لأن العبد خصم فيه) أی فی كسبه دون رقبته......ثم انما يبدأ بالكسب وعند عدمه يستوفیٰ من الرقبة .(۲)

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

ولنا أن نقول :هٰذا دين العبد لكن ظهر وجوبه عند المولیٰ ودين العبد إذا ظهر وجوبه عند المولیٰ يقضی من رقبته التی هی مال المولیٰ كدين الاستهلاک، أو نقول :هٰذا دين المولیٰ فيقضی من المال الذی عيّنه المولیٰ للقضاء منه كالرهن ،والمولیٰ بالإذن عين الرقبة لقضاء الدين منها فيتعين بتعيين المولیٰ .(۳)

---

(۱)الفتاوی الهندية: ۵/ ۷۶-۷۷،الباب الرابع فی مسائل الديون التی تلحق المأذون)

(۲)شامی: ۶/ ۱۶۴-۱۶۳ .ط: ايچ ايم سعيد كراچی.

(۳) بدائع :۷/ ۲۰۳ .ط سعيد كراچی)

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

وإذا لحق المأذون دین یأتی علی رقبته وعلی جمیع ما فی یده .(۱)

''بدائع الصنائع'' میں ہے

لا خلاف فی أن الدین یتعلق بکسب العبد لأن المولیٰ بالإذن بالتجارة عیّنه للاستیفاء أو تعیّن شرعاً نظراً للغرماء.(۲)

فائدہ:

اس تفصیل کی روشنی میں یہ دیکھنا اور سمجھنا تو قدرے آسان ہوا کہ شخص قانونی اور اس کی محدود ذمہ داریوں کے تصور کو شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے جو فقہی نظائر پیش فرمائے گئے ہیں اور ان سے جس طور پر حسبِ منشا استدلال فرمایا گیا ہے، اس میں فقہی اعتبار سے کئی ایسے سقم پائے جا رہے ہیں کہ جن کی موجودگی میں بیان کردہ نظائر سے ''شخص قانونی'' اور اس کی محدود ذمہ داری پر استدلال کی صحت انتہائی مشکل ہے اور اس درجہ مشکل ہے کہ اس مشکل سے ہمارے مولانا مدظلہم کے علم عمیق اور خداداد ملکۂ استنباط کے بجز کوئی اور نہیں گزر سکتا۔ مولانا زید مجدہم کے سہارے کے بغیر اگر کوئی اس نوعیت کا استدلال کر کے کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اسے استدلال کی بجائے ''تحکم محض'' ہی کہا جائے گا۔

---

(۱) بدائع: ۲۰۳/۷، ط: ایچ ایم سعید کراچی.

(۲) الهندية : ۷۸/۵ . ط:حقانیه پشاور.

شخص قانونی کی اصلی حقیقت اور مقصدیت:

شخص قانونی کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد اور اصل حقیقت ومقصدیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی مالکان اپنی ذمہ داریوں کو ناقابلِ مؤاخذہ کھاتے میں ڈالنے کے لئے محدود ذمہ داریوں کے تصور پر کاربند ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ جب تک کمپنی کو بالغاً مابلغ (جتنا کتنا) نفع ہوتا رہے تو اس نفع سے شخص قانونی اور اس کے اعضاء وجوارح مستفید ہوتے رہیں اور جب نقصان برداشت کرنے کی نوبت آجائے تو شخص قانونی تحلیل ہوکر موت کے فرضی کنویں میں اتر کر فوراً ہر قسم کی ذمہ داری سے بریٔ الذمہ بھی ہو جائے۔ بالفاظ دیگر جب تک کاروبار میں نفع ہوتا رہے تو شخص قانونی کے نام پر اس کے اعضاء و جوارح اسے سمیٹتے رہیں اور نقصان ہو جائے تو اس کی جوابدہی ایسے معنوی شخص کے کھاتے میں ڈال دی جائے جو پہلے سے محدود ذمہ داری کا ''خول'' پہنے ہوئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کمپنی تین ستونوں کا نام ہے: دائن، شخص قانونی، اعضاء وارکان۔ شخص قانونی ایسا واسطہ اور راستہ ہے جو دائنین کے اموال کمپنی کے اعضاء اور ارکان تک منتقل کرنے کا ذریعہ ہے، اور جب واجب الاداء ذمہ داریاں بڑھنے لگیں تو شخص قانونی اپنے اعضاء اور ارکان کو تحفظ فراہم کرنے کا قانونی ذریعہ ہے، شخص قانونی افراد کی مجموعی ہیئت انتزاعی (۱) کا نام ہے، اگر کوئی کسی مجموعہ کو الگ سے مستقل فرد کا درجہ دینے کو شریعت کے مطابق سمجھتا ہو تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ اگر کسی مورث کے برابر کے حصہ دار پانچ وارث ہوں تو کیا ان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ پانچوں کی مجموعی حیثیت کو چھٹا وارث کہیں؟ اگر قانون بھی اسے مان لے تو کیا یہ رائے شرعاً درست ہوگی؟ کیا ایسے میت کا ترکہ چھ حصوں

---

(۱) یعنی افراد کے مجموعے سے حاصل ہونے والی ہیئت۔

میں تقسیم کرنا درست ہوگا؟ کیا یہ تقسیم پانچوں ورثاء کے پانچویں حصے میں کمی کا باعث نہیں ہوگی؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے تمام فقہاء کرام اس تقسیم کو حرام اور ناجائز ہی کہیں گے کیونکہ اس تقسیم میں ایک فرضی شخص کا حصہ الگ کرنے سے حقیقی اشخاص کے مقررہ حصوں میں کمی واقع ہورہی ہے، ان ورثاء میں سے ہر ایک پانچویں حصے کا حقدار ہے اس کے پانچویں حصہ کو کم کرکے دینا ''غصب''، ''اکل بالباطل'' اور ظلم ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ لہٰذا شخص قانونی کا تصور ہمارے نزدیک اپنی حقیقت اور مقصدیت کے اعتبار سے شریعتِ اسلامیہ کے بالکل خلاف، متصادم اور معارض ہے، اس کی مزید تفصیل اور حکم آگے ملاحظہ فرمائیں:

شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کا شرعی حکم:

شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کا تصور خالصۃً غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی ہے:

۱- محدود ذمہ داری کا تصور شخص قانونی اور اس کے اعضاء و جوارح کے لئے تو مفید ترین چیز ہے، لیکن دائنین کے لئے بے حد مضر و ناقابل تلافی حد تک نقصان دہ بھی ہے، ایسا کاروباری تصور جو بعض افراد کو ایسا فائدہ پہنچانے کے تصور پر قائم ہو جس سے دوسرے بعض انسانوں کی حق تلفی لازم آتی ہو اور ان کا استحصال لازم آتا ہو ایسا تصور، انسانی واخلاقی اقدار کی پامالی کے علاوہ شریعتِ اسلامیہ سے متصادم بھی ہے۔ احتکار (۱)، تلقی جلب (۲) اور حسب ضرورت تسعیر (۳) وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

(۱) احتکار کہتے ہیں مہنگا ہونے کے انتظار میں غلے کو روک لینا اور مارکیٹ میں نہ لانا۔ الموسوعة الفقهية: ۹۰/۲. ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية كويت.

(۲) تلقی جلب کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے آنے والے سامان کو عام تجارتی منڈی میں پہنچنے سے پہلے ہی خرید لینا اور پھر اپنی ترجیحات کے مطابق عام مارکیٹ میں فروخت کرنا۔ الفقه الإسلامي وادلته: ۲۳۹/۴. ط: دار الفكر بيروت.

(۳) تسعیر کا معنیٰ ہے حکومت کی طرف سے بوقتِ ضرورت نرخنامہ جاری کرنا۔ (الموسوعة الفقهية: ۳۰۱/۱۱۔ ط: سابق

”وکرہ احتکار قوت البشر فی بلد یضر بأهله ...الخ“ (۱)

قال الشاہ ولی اللّٰہ المحدث الدهلوی رحمہ اللّٰہ:

النهی عن التسعیر:

وقیل: قدغلا السعر فسعرلنا، فقال علیه السلام :”إن اللّٰہ هو المسعّر القابض الباسط الرازق وإنی لأرجو أن ألقیٰ اللّٰہ ولیس أحد یطلبنی بمظلمة“. أقول : لما کان الحکم العدل بین المشترین وأصحاب السلع الذی لا یتضرر به أحدهما ، أو یکون تضررهما سواء فی غایة الصعوبة تورع منه النبی ﷺ لئلا یتخذها الأمراء من بعده سنة، ومع ذلک فإن رؤی منهم جور ظاهر لا یشک فیه الناس جاز تغییرہ فإنه من الإفساد فی الأرض“.(۲)

قال فی ”الأشباہ والنظائر“:

تنبیه: یتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام، وهٰذا مقید لقولهم :الضرر لا یزال بمثله وعلیه فروع کثیرة......منها: بیع مال المدیون المحبوس عندهما لقضاء دینه دفعا للضرر عن الغرماء وهو المعتمد. ومنها :التسعیر عند تعدّی أرباب الطعام فی بیعه بغبن فاحش. (۳)

---

(۱)فتاویٰ شامی:۶/۳۹۸، ط:ایچ ایم سعید کراچی۔
(۲)حجة اللّٰہ البالغة :۲/۲۰۶۔ط:دارالکتب العلمیہ۔
(۳)الأشباہ والنظائر ص:۸۸-۸۹۔ط:قدیمی۔

۲- شخص قانونی (کمپنی) اور شیئرز ہولڈر کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کے اعضاء وارکان کے درمیان ''شرکت'' کا تعلق بتایا جاتا ہے، بعض نے شرکت عنان فرمایا ہے، بعض نے شرکت عقد، جبکہ دوسرے بعض نے ابتداءً شرکت ملک اور انتہاءً اجارہ قرار دیا ہے، الغرض ''کمپنی'' کو شرکت کے قریب لانے کے لئے اکابر علماء کی کئی آراء سامنے آئی ہیں، کمپنی میں شرکت کی جو بھی صورت ہو، بہرحال ''کمپنی'' کو شرکت سے جوڑا جاتا ہے، اگر ہم کمپنی کو شرکت تسلیم کرلیں تو شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ کمپنی کے ڈائریکٹر حضرات صرف کاروبار کے نفع تک محدود رہیں، حالانکہ وہ بھاری بھاری تنخواہیں اور اخراجات کی مد میں خطیر رقوم بھی وصول کرتے ہیں۔

فقہاء کرام کے واضح اور صریح ارشادات سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریک کا شریک کے لئے اجیر بننا جائز نہیں ہے۔ وهو قول عامة الفقهاء وأصحاب المتون.

قال فی ''الدر المختار'':

> ولو استأجر لحمل طعام مشترک بينهما فلا أجر له لأنه لا يعمل شيئا لشريكه إلا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الأجر...... (۱)

وفی ''الشامية'':

> (قوله: فلا أجر له) أی لا المسمى ولا أجر المثل ''زيلعی'' لأن الأجر يجب فی الفاسدة إذا كان له نظير من الإجارة الجائزة. وهذا لا نظير لها. إتقانی . وظاهر كلام

---

(۱) الدرالمختار: ۶/ ۶۰، ط: ایچ ایم سعید کراچی.

قاضیخان فی الجامع أن العقد باطل ؛لأنه لا ینعقد العقد، تأمل ،(۱)

......قال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ: کل شیء استأجره أحدهما من صاحبه مما یکون منه عمل فإنه لا یجوز ، وإن عمل فلا أجرله مثل الدابة ،وکل شیء یکون منه العمل استأجره أحدهما من صاحبه فهو جائز مثل الجوالق وغیره ،وقال ابو اللیث رحمه اللّٰه تعالیٰ : هٰذا خلاف روایة المبسوط فإنه قال فی کتاب المضاربة : لو استأجر من صاحبه بیتاً او نورا لا یجب الأجر.

وذکر القدوری أن کل شیء لا یستحق به الأجرة إلا بإیقاع العمل فی العین المشترکة ،فإذا استأجر أحد الشریکین الآخر لم یجز مثل أن یستأجر لینقل الطعام بنفسه أو بغلامه أو بدابته أو لقصارة الثوب، وکل مالایستحق الأجرة بغیر إیقاع العمل فی المال المشترک فالإجارة جائزة مثل أن یستأجر منه داراً لیحرز فیها الطعام أو سفینة أوجوالقاً أورحی.

قال فخر الدین قاضیخان: الفتویٰ علی ماذکر فی العیون والقدوری کذا فی الکبریٰ ......(۲)

---

(۱)رد المحتار: ۶/۶۰ ط: سعید کراچی.

(۲)الفتاوی الهندیة: ۴/۴۵۷ کتاب الإجارة ،الباب الثامن عشر فی الإجارة التی تجری بین الشریکین واستئجار الأجیرین ،ط: رشیدیه کوئٹه.

''النتف فی الفتاویٰ'' میں ہے:

لو كان طعام بين رجلين فقال احدهما لصاحبه احمله إلى موضع كذا ولك في نصيبه من الأجر كذا، او قال: اطحنه ولك في نصيب كذا من الأجر جاز ذلك في قول زفر و محمد ابن صاحب. ولا يجوز ذلك في قول أبي حنيفة و ابي يو سف و محمد .(١)

۳- جو دیون اور قرض کسی انسان کے ذمہ لازم ہو جائیں تو ان سے بریٔ الذمہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ملتی ہیں یعنی اداء یا ابراء، تیسری کوئی صورت فقہاء نے نہیں لکھی، یہاں تک کہ ذمہ خراب ہونے کی صورت میں بھی مطالَب سے صرف ظاہراً وقضاء مطالبہ نہیں ہوتا، ورنہ اصل حق تو باقی رہتا ہے۔

فقولهم: الدين الصحيح... مالا يسقط إلا بالأداء او الإبراء.(١)

جبکہ کمپنی یا بینک میں دائنین کے دیون شرعاً واخلاقاً لازم ہو چکنے کے بعد، شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کے تصور کے تحت ان دیون کو مدیون (شخص قانونی واعضاءہ) سے ساقط کرنا ''ابراء واداء'' پر ایسا اضافہ ہے جس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی واضح اور ٹھوس نظیر ملنا بے حد مشکل ہے۔

یہاں پر یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ کمپنی کے پراسپکٹس میں تحریر شدہ کمپنی کی محدود ذمہ داری کی تصریح پیشگی ''ابراء'' کی صورت بن سکتی ہے، کیونکہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ پراسپکٹس میں تحریر شدہ محدود ذمہ داری فقہی اعتبار سے ایسی شرطِ فاسد ہے جس کا عقد میں یا تو اعتبار ہی نہیں اگر اعتبار کریں تو عقد، فاسد اور شرط ناقابلِ اعتبار ہوگی۔

---

(٢) النتف في الفتاویٰ، كتاب الإجارة ص: ٣٤٩، ط: ایچ ایم سعید کراچی.

(١) شرح المجلة، المادة: ٦٣١-٣٠: ٢٤/٣، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۴- "شخص قانونی" کی حقیقت ومقصدیت سے جیسا کہ واضح ہوا کہ محدود ذمہ داری کا تصور درحقیقت منافع کے حصول میں غیر محدود اور نقصان کی ذمہ داری میں محدود شرح کا ایک عہد و پیمان ہے جو شریعت کے مشہور ومعروف اصولوں سے متصادم ہے۔

مثلاً: "**الخراج بالضمان**" (۱) (جو آدمی کسی چیز کا ضمان برداشت کرتا ہے اس چیز کے منافع کا حقدار بھی وہی ہوتا ہے) کے خلاف ہے۔ اسی طرح "**الغرم بالغنم**" (جو کسی کا تاوان برداشت کرتا ہے فوائد کا حقدار بھی وہی ہے)۔ اس کے برعکس جو آدمی کسی چیز کے ضمان اور تاوان کا ذمہ دار نہ بنتا ہو وہ اس چیز کے منافع کا حقدار بھی نہیں ہوتا۔

۵- اس ساری تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ "شخص قانونی" کی معنوی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے اسے حقیقی انسان والے تصرفات کا اہل سمجھنا اور معاملات میں شخص قانونی کو فریق کی حیثیت دیتے ہوئے جو معاملات کئے جائیں گے وہ عاقدین کی شرطیں پوری نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز اور خلاف شرع ہوں گے کیونکہ عاقدین کی شرائط میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ وہ دونوں آزاد ہوں غلام نہ ہوں، ذوی العقول ہوں غیر ذوی العقول نہ ہوں دونوں نفع وضرر کی پہچان کرنے والے ہوں، عقد کرتے ہوئے دونوں بصیرت اور تثبت سے باوصف ہوں۔

قوله: شروط العاقدين: ويشترط في العاقدين كونهما حرين، عاقلين، يعرفان النفع والضرر و يباشران العقد على بصيرة و تثبت ...الخ (۲)

ترجمہ: "اور شرط کیا گیا ہے عاقدین میں: دونوں کا آزاد

---

(۱) الأشباه والنظائر ص: ۱۴۸، ط: قديمي.

(۲) حجة الله البالغة: ۱۹۱/۲ من ابواب إبتغاء الرزق، ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

(خودمختار) عقلمند ہونا، دونوں نفع ونقصان کو جانتے ہوں اور دونوں بصیرت اورغور سے معاملہ کریں۔''(۱)

فائدہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جن معاملات میں شخص قانونی عقد کا فریق ہوگا، وہ عقد فاسداور بے بنیاد ہوگا کیونکہ عقد کے فریقین میں سے ایک فریق عاقد اور شخص کہلانے کا حقدار نہیں، بلکہ انسان یا شخص تو درکنار ''ھیولیٰ'' کہلانے کا حقدار بھی نہیں، کیونکہ ''شخص'' جسم اور صورت سے مل کر بنتا ہے۔ جبکہ شخص قانونی، شخص معنوی ہے اوران دونوں خصوصیات سے خالی ہے:

الشخص :سواد الإنسان تراه من بُعد ثم استعمل فی ذاته قال الخطابی : ولا یُسمّی" شخصاً" إلا جسم مؤلّف فیه. (۲)

۶- ان تمام پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم شخص قانونی اور اس کی محدود ذمہ داری کے تصور کو خارج از موضوع قرار دیں یا بلاحیل وحجت تسلیم بھی کرلیں، تب بھی یہ تصور مروجہ اسلامی بینکاری کے حامی حضرات کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا، کیونکہ شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کا تصور دلائل کے لباس میں جس خدا ترس بزرگ ہستی نے پیش فرمایا تھا وہ آپ کے لئے نہیں تھا، بلکہ بقول ان کے وہ تصوران کا ایک نقطۂ نظر اور نتیجۂ غوروفکر تھا، جوانہوں نے اپنی زبردست عالمانہ شان کے باوجود محض اہل علم کے غوروفکر کے لئے پیش فرمایا تھا۔ جیسا کہ ان کا ارشاد ہے:

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ ۵۳۶/۴، ط: زمزم پبلشرز۔

(۲) المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی ،ص: ۳۶ ،ط: من منشورات دار الهجرة ،ایران ومثله فی شمس العلوم و دواء کلام العرب من الکلوم ۶/ ۳۳۹۷ ط: دار الفکر.

''البتہ کمپنی میں دو چیزیں (شخص قانونی اور محدود ذمہ داری) شرعی اعتبار سے خاص طور پر قابل غور اور باعث تردد ہیں۔ ان امور کے بارے میں احقر اپنی ابتک کی سوچ کا حاصل، اہل علم کے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہے''۔(۱)

غور کا مقام یہ ہے کہ جس چیز کو مولانا مدظلہم اپنی ذات کی حد تک اپنی تحقیق و تدقیق کے باوجود قابل غور اور باعث تردد فرما رہے ہوں اور اپنی تحقیق کو اہل علم کے سامنے مزید غور وخوض کے لئے پیش فرمانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے پیش بھی فرما رہے ہوں، ایسی چیز کو اہل علم کے تائیدی یا تردیدی فیصلے کے سامنے آنے سے قبل ہی معمول بہ بنادینا ناانصافی ہے، مزید یہ کہ ایسی ''غور طلب تحقیق'' کو مستقل بنیادوں پر کسی نظام کے لئے بطور مرکزی ستون کے کیسے کام میں لایا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمارے بینکار بھائیوں پر رحم فرمائے کہ وہ حضرت مولانا مدظلہم کے اس ذمہ دارانہ اور قابل غور نقطۂ نظر کو ایسے لے اڑے کہ گویا انہیں خطرہ محسوس ہورہا تھا کہ اگر اہل علم، مولانا مدظلہم کے نتیجۂ فکر کو نہ سمجھ سکنے کی بنیاد پر قبول کرنے سے عذر کردیں تو مولانا مدظلہم کا تدیّن و دیانت داری کہیں اس تحقیق کو کالعدم نہ قرار دے، ورنہ اسلامی مالیاتی کمپنیوں کا چلتا ہوا پہیہ نکل جائے گا۔

مگر ہمارے بینکار بھائیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم واضح طور پر یہ بھی تحریر فرما چکے ہیں کہ محدود ذمہ داری کے تصوّر میں دائنین اور قرض دہندگان کے استحصال کی برائی بلاشک وشبہ پائی جارہی ہے۔ اور یہ تصوّر دائنین کی ضرر رسانی پر مبنی ہے۔ حضرت زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۸۰۔

No doubt, the concept of 'limited liability' is beneficial the share holders of the company. but at the same time, it may be injurious to the creditors. If the liabilities of a limited company exceed its assets, the company becomes insolvent and is consequently liquidated, the creditors may lose a considerable amount of their claims, because they can only receive the liquidated value of the assets of the company, and have no recourse to its share-holders for the rest of their claims, Even the directors of the company who may be responsible for such an unfortunate situation cannot be held responsible for satisfying the claims of the creditors (1)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ محدود ذمہ داری کا تصور کمپنی کے حاملینِ حصص کے لئے مفید ہے لیکن ساتھ ہی یہ دائنین کے لئے مضر ہے کیونکہ اگر محدود کمپنی کے دیون وقرضہ جات اس کے اثاثوں سے تجاوز کر جائیں تو کمپنی دیوالیہ ہوکر تحلیل ہو جاتی ہے اور دائنین وقرض دہندگان اپنے دیون اور قرضوں کی بڑی مقدار سے

---

(1): An Introduction to islamic Finance.Page:.222 By Muhammad Taqi Usmani. Maktaba Maariful Quran.

محروم ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ صرف کمپنی کے تحلیل شدہ اثاثہ جات میں سے اپنے دیون اور قرض وصول کرسکتے ہیں اور باقی مقدار کے لئے ان کو حاملینِ حصص تک کوئی رسائی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کمپنی کے ڈائریکٹران کو بھی جو کہ خسارہ کے اصل ذمہ دار ہیں دیون اور قرضوں کی پوری ادائیگی کا ذمہ دار نہیں بنایا جاسکتا۔

دوسرا باب:

فصل اول

مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں کا فقہی جائزہ

چند بنیادی مسلمہ شرعی اصول:

مروجہ اسلامی بینکاری کی فقہی بنیادوں کی تحلیل و تجزیہ سے قبل چند مسلمہ اصولی باتیں ملحوظ خاطر رہیں تو فقہی بنیادوں کی بحث جزئیات و فروعات کی نذر ہونے کی بجائے اصول و کلیات کے محدود دائروں میں سمٹ جائے گی اور جزوی و فروعی امور میں معاملہ کی طوالت و الجھاؤ کی روک تھام ہو سکے گی اور مختصر وقت اور قلیل الفاظ میں اسلامی بینکاری کی فقہی بنیادوں کی صحت اور سقم کا اندازہ ہو سکے گا۔

پہلا اصل:۔ عمومِ بلویٰ:

عموم بلویٰ حاجت شرعیہ کا قریب المعنی لفظ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی امر کا اس طور پر عام ہو جانا کہ اس سے خلاصی اور بچاؤ ناممکن ہو اور انسان اس میں مبتلا ہونے کے لئے درجۂ اضطرار تک پہنچ چکا ہو۔ "دکتور وھبہ زحیلی" عمومِ بلویٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عموم البلوی [1]: "شیوع البلاء بحیث یصعب علی المرء التخلص أو الابتعاد عنہ۔" وھذا السبب من أسباب التخفیف مظھر واضح من مظاھر التسامح والیسر فی

الأحكام الشرعية ،وخصوصاً فی العبادات والطهارة من النجاسات .وله أمثلة كثيرة ،منها:

......وبول ترشش على الثوب قدر رؤس الإبر ....النار عند الحنفية مطهرة لمايلقى فيها من النجاسات كالروث والعذرة،فيعدّ رمادها طاهراًتيسيراًعلى الناس .وإلا حكم بنجاسة الخبز فی الأرياف إذا خبز بوقود نجس وكذلك يعتبر البعر طاهراًإذاوقع فی المحلب،فرمیٰ منه فی الحال قبل التّفتّت ولم يتغيّراللبن به...الخ (۱)

واضح رہے کہ عمومِ بلویٰ کے متحقق ومعتبر ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں،عمومِ بلویٰ کا فیصلہ کرتے ہوئے ان شرائط کالحاظ ضروری ہے:

۱-حاجتِ شرعیہ وعمومِ بلویٰ کے تحت جس حرام میں ابتلاء اور وقوع ہورہا ہے وہ حرام لغیرہٖ ہو،حرام لعینہٖ نہ ہو۔

۲-اصل حکم کوثابت کرنے والی نص قطعی اور غیر محتمل نہ ہو۔

۳-مقصد تک رسائی کے لئے دوسرا جائز راستہ موجود نہ ہو یا موجود تو ہومگر مشقتِ شدیدہ کا باعث ہو۔

۴-کسی مفسدہ کودورکرنے کے لئے اس سے بڑا مفسدہ لازم نہ آتا ہو۔

۵- مقتضائے حال پرعمل شارع کے مقصد کے خلاف نہ ہو، مثلاً اجارہ کی مشروعیت لوگوں کی حاجت کی بناء پر ہے،لہذاایسی چیزوں کا اجارہ درست نہیں جس سے

---

(۱)نظريةالضرورةالشرعية ،مقارنة مع القانون الوضعی،للدكتور وهبة الزحيلی. ص:۱۱۵-۱۱۶،ط:دارالفكر، دمشق.

شریعت نے منع کیا ہو:

أن لا يخالف المضطر مبادئ الشريعة الإسلامية الأساسية التي ذكرتها من حفظ حقوق الآخرين، وتحقيق العدل وأداء الأمانات ودفع الضرر، والحفاظ على مبدأ التدين وأصول العقيدة الإسلامية، فمثلاً لا يحل الزنا....الخ. (۱)

دوسرا اصل:۔ حیل وتتبعِ رخص کا ضابطہ:

کسی معاملہ میں حیلہ سازی یا رخصتیں ڈھونڈ نکالنے کا طریقہ کار، جائز بھی ہے اور ناجائز بھی ہے، حیلہ وتتبعِ رخصت سے قبل جائز اور ناجائز کی تمییز کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کالحاظ ضروری ہے:

۱- اس حدیث کا مصداق سامنے ہو۔ "**لاترکبوا ما ارتکبت اليهود فتستحلّوا محارم الله بأدنى الحيل**". (۲)

۲- حضرت بنوری نور اللہ مرقدہٗ، فقہائے کرام کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ "تتبع رخص" کو مقصد نہ بنایا جائے۔ کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔(۳)

(۱) نظرية الضرورة الشرعية ،المبحث الرابع ،مفهوم الضرورة وضوابطها.ص: ٦٦. ط: دار الفكر بيروت.

(۲) أعلام الموقعين: ۲۴۱/۳، ط: بيروت و إبطال الحيل لابن بطة ص: ۴۲ بحواله موسوعة اطراف الحديث : ۱۰۰/۷ ،ط : دارالفکر بیروت لبنان۔

(۳) فتاویٰ بینات۔ج:۱ ص:۱۲۸اورص:٦٠۔ط: مکتبہ بینات کراچی۔

۳- موجودہ دور اتباعِ ہویٰ، خودرائی اور دین کے ساتھ کھیل تماشہ کا ہے، اس لئے ''تتبعِ رخص'' کا عمل صرف ضرورتِ شدیدہ، عمومِ بلویٰ اور اضطرارِ شرعی کے متحقق ہونے کے بعد ممکن ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً تحریر فرماتے ہیں:

والثالث:ان لا یکون علی وجہ تتبع الرخص فانہ لا یجوز للعامی اجماعا کما صرح بہ ابن عبد البر من انہ لا یجوز للعامی تتبع الرخص اجماعا،قلت : ھٰذا رأی المتقدمین من مشائخنا الحنفیۃ حیث لم یشترطوا الضرورۃ الشدیدۃ والاضطرار بل اکتفوا علی اشتراط عدم تتبع الرخص. ولنا فی زماننا فھو زمان اتباع الھویٰ واعجاب کل ذی رأی برأیہ والتلاعب بالدین فتتبع الرخص متعین ومتیقن باعتبار الغالب الأکثر فلا یجوز إلا بشرئط الضرورۃ الشدیدۃ وعموم البلویٰ والاضطرار .(۱)

۴- جس حیلہ میں کسی کا استحصال (ابطالِ حق) لازم آتا ہو وہ جائز نہیں، فقہاء نے حیلۂ شفعہ کو جائز اور حیلۂ اسقاطِ زکوٰۃ کو ممنوع کہا ہے، جس کی ظاہری دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔

(الف) زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، یہ حیلہ ان کے حقوق کے اتلاف اور منع پر منتج ہوتا ہے۔

(ب) زکوٰۃ مطالبہ شرعیہ ہے حیلۂ اسقاط مطالبہ شرعیہ سے اعراض وانحراف اور پہلوتہی کو مستلزم ہوتا ہے۔

(۱) جواھر الفقہ، إتمام الخیر فی الإفتاء بمذھب الغیر: ۱/۱۶۶. ط: مکتبہ دار العلوم کراچی.

''ہدایہ'' میں ہے:

''ولاتكره الحيلة فى اسقاط الشفعة عند أبى يوسف. وتكره عند محمد،لأن الشفعة إنّما وجبت لدفع الضرر ولو أبحنا الحيلة ما دفعناه. ولأبى يوسف أنه منع عن إثبات الحق فلايعد ضرراً. وعلى هذا الخلاف الحيلة فى إسقاط الزكوٰة.''(١)

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''رجل له مائتا درهم اراد ان لا تلزمه الزكوٰة... قال الخصاف رحمه اللّٰه : كره بعض اصحابنا رحمهم اللّٰه تعالىٰ الحيلة فى اسقاط الزكوٰة ورخص فيها بعضهم قال الشيخ الإمام الأجل شمس الأئمة الحلوانى رحمه اللّٰه:الذى كرهها محمد بن الحسن رحمه اللّٰه،والذى رخص فيها أبويوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ.فقد ذكر الخصاف رحمه اللّٰه تعالىٰ الحيلة فى إسقاط الزكاة ،وأراد به المنع عن الوجوب لا الإسقاط بعد الوجوب .ومشائخنا رحمهم اللّٰه تعالىٰ

(١) الهداية مع فتح القدير،كتاب الشفعة، باب ماتبطل به الشفعة ،فصل. ٨/٣٤٤-٣٤٥-٣٤٦.ط:رشيديه،كوئٹه. ومثله فى''شرح الحموى على الأشباه'' الفن الخامس ، الفصل الثالث فى الزكوٰة: ٣/٢٩٦-٢٩٧.ط: ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه كراچى. وكذا فى الشاميه ،كتاب الشفعة ، باب ما يبطلها :٦/٢٤٦. ط: ايچ ايم سعيد كراچى.

أخذوا بقول محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ دفعاً للضّرر عن الفقراء.“ (۱)

”شرح الوقایہ“ میں ہے:

”(ولا يكره حيلة إسقاط الشفعة والزكاة عند أبى يوسف، وبه يُفتىٰ فى الشفعة، وبضده فى الزكوٰة) إعلم أن حيلة إسقاطهما لا يكره عند أبى يوسف ويكره عند محمد ويُفتىٰ فى الشفعة بقول أبى يوسف لأنه منع عن وجوب الحق لا إسقاط للحق الثابت وهٰكذا يقول فى الزكوٰة لكن هٰذا فى غاية الشناعة لأنه إيثار للبخل وقطع رزق الفقراء الذى قدره اللّٰه تعالىٰ فى مال الأغنياء والإنخراط فى سلك الذين يكنزون الذهب والفضة ولايُنفقُونها فى سبيل اللّٰه،والإستبشار بما بشرهم اللّٰه تعالىٰ، واقول:الشفعة إنما شرعت لدفع ضرر الجوار فالمشترى ان كان ممن يتضرر به الجيران لا يحل إسقاطهاوإن كان رجلاً صالحاً ينتفع به الجيران والشفيع متعنت لا يحب جواره فحينئذ يحتال فى إسقاطها.(۲)

۵- تتبعِ رخص کے جواز کے لئے تشہّی (۳) اور تلہّی (۴) سے اجتناب لازم ہے،

---

(۱) هندية، كتاب الحيل، الفصل الثالث فى مسائل الزكاة. ۳۹۱/۶. ط: رشيديه، كوئٹه

(۲) شرح الوقاية: ۷۰/۴ ط: لكهنؤ.

(۳) یعنی من چاہی مسائل کے لئے نفس پرستی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے رخصتیں ڈھونڈنا۔

(۴) یعنی جس طرزِ عمل سے دین خداوندی کو لہو ولعب کا ذریعہ بنانا لازم آتا ہو۔

ورنہ اتباعِ ہویٰ کی بناء پر حرام ہوگا۔

’’شرح عقود رسم المفتی‘‘ میں ہے:

”قال فی زوائد الروضة :إنّهٗ لا یجوز للمفتی والعامل أن یفتی أو یعمل بماشاء من القولین أو الوجهین من غیر نظر،وهٰذا لاخلاف فیه.....وكلام القرافی دالّ علی أن المجتهد والمقلد لایحلّ لهما الحكم والإفتاء بغیر الراجح،لأنهٗ اتباع للهویٰ، وهو حرامٌ إجماعاً.وأن محلهٗ فی المجتهد مالم تتعارض الأدلة عندهٗ،ویعجز عن الترجیح.وأن لمقلدهٖ حینئذٍالحكم بأحد القولین إجماعاً.اھ.قال الإمام المحقق العلامة قاسم بن قطلوبغا فی أوّل كتابه "تصحیح القدوری": إنی رأیت من عمل من مذهب أئمتنا رضی اللّٰه تعالیٰ عنه بالتّشهّی، حتّٰی سمعت من لفظ بعض القضاة : هل ثم حجر؟ فقلت: نعم! اتباع الهویٰ حرام، والمرجوح فی مقابلة الراجح بمنزلة العدم، والترجیح بغیر مرجح فی المتقابلات ممنوع...

وقال الإمام أبو عمرو فی " آداب المفتی" :

اعلم أن من یكتفی بأن یكون فتواه أو عمله موافقاً لقول أو وجه فی المسئلة، ویعمل بما شاء من الأقوال والوجوه من غیر نظر فی الترجیح فقد جهل

وخرق الإجماع.... وأما الحكم والفتيا بما هو مرجوح، فخلاف الإجماع". (١)

وفيه ايضاً:

قال الإمام السبكی فی الوقف من فتاويه: يجوز تقليد الوجه الضعيف فی نفس الأمر بالنسبةللعامل فی حقّ نفسه، لا فی الفتویٰ والحكم. فقد نقل ابن الصلاح الإجماع علی أنه لا يجوز.

وقال العلامة الشرنبلالی فی رسالته" العقد الفريدفی جواز التقليد": مقتضیٰ مذهب الشافعیؒ كما قاله السبكی: منع العمل بالقول المرجوح فی القضاء و الإفتاء دون العمل لنفسه. ومذهب الحنفية: المنع عن المرجوح حتیٰ لنفسه، لكون المرجوح صار منسوخا. اهـ .... والأظهر فی الجواب أخذاًمن التعبير بالتشهی أن يقال: إن الإجماع علی منع إطلاق التخيير، أی بأن يختار ويتشهّیٰ مهما أرادمن الأقوال فی أی وقت أراد. أما لو عمل بالضعيف فی بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلک، فلا يمنع منه. وعليه يحمل ما تقدم عن الشرنبلالی: من أن مذهب الحنفية المنع.....الخ (٢)

(١) شرح عقود رسم المفتی: ص: ٤١-٤٢-٤٣ ط: دار الكتاب ناظم آباد كراتشی.

(٢) شرح عقود رسم المفتی ص: ١٩٧-٢٠٠. ط: دار الكتاب ناظم آباد كراتشی.

۶- رخصت پر عمل کرنے کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کسی دلیل شرعی کا اقتضاء ضروری ہے:

والخلاصة: انه لایعمل بالرخصة ولایفتی بها الا حیث یقتضی الدلیل الشرعی لذلک الترخیص، فافهم ولاتکن من الغافلین... اھ افادات الشیخ محمد تقی العثمانی (۱)

تیسرا اصل: حیلوں اور رخصتوں کو مستقل نظام بنانا ناجائز ہے:

حیلہ کا اختیار کرنا وقتی اور عارضی ضرورت وحاجت کے تحت درست، اور اسے کسی عمل کے لئے مستقل بنیاد بنانا غلط ہے۔ میت کا مروجہ حیلۂ اسقاط اسکی مثال ہے جو مخصوص حالات اور مخصوص صورتوں کے لئے فقہائے کرام نے تجویز فرمایا تھا۔ اس حیلے کا مقصد خدا اور خلق خدا کو دھوکہ اور فریب دینا نہیں تھا۔ مگر اسے لوگوں نے ایک کھیل اور رسم بد بنالیا اور جس طرح اس کا رواج اور التزام ہو چلا ہے وہ بلا شبہ ناجائز اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے۔ تفصیلی حکم کے لئے ملاحظہ ہو۔ (۲)

اس حوالہ سے مفتی محمد تقی عثانی صاحب کی چند عبارات تکرار کے باوجود نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

۱......''اسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اِکّا دُکّا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لئے کوئی شرعی

(۱) المصباح فی رسم المفتی :۲۰۸/۲۔

(۲) جواہر الفقہ :۳۸۹-۹۰/۱ ط: مکتبہ دار العلوم کراچی۔

حیلہ اختیار کر لینے کی تو گنجائش ہے، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصدِ شریعت فوت ہوتے ہوں، اس کی قطعاً اجازت نہیں۔"(۱)

۲......"اور ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو، اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجۂ مجبوری اختیار کر لینے کی تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کر دینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنا لینا کسی طرح درست نہیں"۔(۲)

۳......"جب ہم "غیر سودی بینکاری" کا نام لیتے ہیں اور بینکنگ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا منشاء یہ نہیں ہوتا کہ چند حیلوں کے ذریعے ہم موجودہ طریقِ کار کو ذرا سا تبدیل کر کے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے پورے نظام کو تبدیل کر کے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں، جس کے اثرات تقسیمِ دولت کے نظام پر بھی مرتب ہوں۔ اور سرمایہ کا اسلامی تصور یہ ہے کہ جو شخص کسی کاروبار کو سرمایہ فراہم کر رہا ہے وہ یا تو نفع کا مطالبہ نہ کرے، یا اگر نفع کا مطالبہ کرتا ہے تو نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہو"۔(۳)

(۱) فقہی مقالات، غیر سودی کاؤنٹروں کی حقیقت: ۲/۲۶۱۔ ط: میمن اسلامک پبلشرز۔

(۲) فقہی مقالات، غیر سودی کاونٹر کی حقیقت: ۲/۲۶۰۔ ط: میمن اسلامک پبلیشرز۔

(۳) فقہی مقالات، غیر سودی کاونٹر کی حقیقت: ۲/۲۶۰-۲۶۱۔ ط: میمن اسلامک پبلیشرز کراچی۔

محدث دہلوی امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں متعدد مقامات پر اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عارضی ضرورتوں اور مخصوص حالات کی وجہ سے درجہ جواز تک پہنچنے والے معاملات کو مستقل رسم اور دائمی عادت کے طور پر اپنا لینا شرعاً مذموم ہے۔اس کی بنیادی حکمت اور فلسفہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وقتی ضرورتوں اور عارضی احوال کی وجہ سے مباح کی گئی صورتوں کے جواز کو اگر عام کیا جائے یعنی عارضی بنیادوں پر جو بھی چیز رخصتوں اور حیلوں کے سہارے آپ ایک دفعہ عوام الناس کو دے دیں تو پھر عوام الناس سے اس کو چھڑانا آپ کے بس کی بات نہیں ہوگی۔اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حیلے اور وقتی رخصتیں شریعت کے اصل حکم کی جگہ لے لیں گی۔اور اصل حکم کا تعطل لازم آئے گا اور آپ کی حیلہ سازیاں شریعت اسلامیہ کے فوت کرنے کا ذریعہ ٹھہریں گی۔چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ **"بیوع منهی عنها"** کے ضمن میں میسر (جوا) کی حرمت اور اس کی حکمت وفلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> **"اعلم ان الميسر سحت باطل ....والغابن يستلذه ُويدعوهُ قليلهُ إلى كثيره ،ولا يدعه حرصه أن يقلع عنه ،وعمّا قليل تكون التر ة عليه ، وفى الاعتياد بذلك إفساد للأموال ومناقشات طويلة وإهمال للارتفاقات المطلوبة ، وإعراض عن التعاون المبنى عليه التمدّن ، والمعاينة تغنيك عن الخبر ، هل رأيت من أهل القمار إلّا ما ذكرناهُ ." (۱)**

---

(۱) حجة اللّٰه البالغةللدهلوى،من ابواب ابتغاء الرزق ،البيوع المنهى عنها : ۱۹۳/۲، ط:دارالكتب العلميه بيروت لبنان.

وفیہ ایضاً :

”وکان المیسر والربوٰا شائعین فی العرب......
وکان قلیلهما یدعو إلی کثیرهما ،فلم یکن أصوب ولا
أحق من أن یراعی حکم القبح والفساد موفراً فینتهیٰ
عنهما بالکلیة“.(۱)

وفیہ ایضاًتحت عنوان” الربوٰا فی النقدین الثمینین
وفی المقتات المدّخر“:

”واعلم أن مثل هٰذا الحکم إنما یراد بہٖ أن لا
یجری الرسم بہ وأن لا یعتاد تکسب ذلک الناس لا أن لا
یفعل شئ منہ أصلاً،ولذ لک قال علیہ الصلوۃ والسلام
لبلال:”بِع التمر ببیع آخر ثم اشتر بہ“(۲)

وقال تحت عنوان:” کراهیة البیوع تدور علیٰ معانٍ“:
”ففی جریان الرسم ببیعها واتخاذها تنویہ بتلک
المعاصی، و حمل الناس علیها وتقریب لهم منها ،وفی
تحریم بیعها واقتنائها إخمال لها وتقریب لهم من أن
لایباشروها......الخ“(۳)

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۱۹۴۔

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۱۹۶۔

(۳) حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۱۹۷۔

فائدہ:

حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے ان ارشادات کی تلخیص یوں کی جاسکتی ہے کہ:

ا:...... باطل، فاسد اور مکروہ معاملات کو رسم بنالینا اور بطورِ عادت ذریعۂ کسب بنالینا مقاصد شریعت کے منافی ہے۔

۲...... جو معاملات کسی بھی درجے میں ناجائز ہوں ایسے معاملات میں قلیل کی اجازت دے دینا کثیر کے تعامل کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوا کرتا ہے۔ معائنہ ومشاہدہ اس پر شاہد ہے۔

۳...... اصل کی بجائے غیر اصل امور کے رواج کی گنجائش دینے سے اصل احکام کا تعطل لازم آتا ہے اور غیر اصل احکام کی ترویج لازم آتی ہے، اس طرح کی گنجائش شریعت سے دوری اور خلافِ شرع امور سے قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اس لئے مکروہ بیوع کو جائز قرار دینے کی بجائے ناجائز قرار دینا زیادہ اہم ہے، تاکہ ان مکروہ وممنوع معاملات کی کساد بازاری کا فائدہ حاصل ہو، اس طرزِ عمل میں اس بات پر آمادگی اور تقریب کا پہلو پایا جاتا ہے کہ لوگ ایسے معاملات سے اجتناب کریں۔

بصورت دیگر حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ کے بقول دین اسلام کے اساسی مسائل نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، شراب، زنا، سود وغیرہ سب تحریف وتبدیل سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ اور اسلام کا جدید ایڈیشن سامنے آجائے گا۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

.... اس لئے اس کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، مصلحت یا حکمت تراش کر اسے ایسے طور پر مدار حکم قرار دے لیا

جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماع امت کا باطل ہونا لازم آئے ، یہ طرز عمل تقریباً الحاد وتحریف سے جا ملتا ہے۔ اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی بنأ پر اس کے مرتکب ہیں۔(۱)

اسی مضمون کو علامہ شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''وقد تقدّم أنّ اتّباع الهویٰ لیس من المشقات التی یترخّص بسببها ... وأنّ الشریعة حمل علی التّوسّط لاعلی مطلق التّخفیف وإلّا لزم ارتفاع مطلق التّكلیف من حیث هو حرجٌ ومخالفٌ للهوی ولا علی مطلق التّشدید.(۲)

چوتھا اصل:۔ ''شبہۃ الربا'' بھی ''ربا'' کے حکم میں ہے:

''ربوا'' کے باب میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں کہ ''شبہۃ الربا'' ''حقیقت ربوا'' ہی کا حکم رکھتا ہے، البتہ ''شبہۃ شبہۃ الربا'' حقیقتِ ربوا کے حکم میں نہیں ہوتا۔

لہٰذا ''شبہۃ الربا'' سے بحث کرتے ہوئے ''شبہۃ الربا'' اور ''شبہۃ شبہۃ الربا'' کے درمیان باریک ولطیف فارق اور فاصل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز بلا تأمل ''شبہۃ شبہۃ الربا'' کا سہارا لے کر اپنی بات کو باشرع قرار دینے سے قبل دیانۃً حرمتِ ربوا کی عمومی نصوص، وعیدات، قباحتوں، شناعتوں اور استحصالی عواقب ونتائج کو بھی ''فیما بینکم وبین اللّٰہ''

---

(۱) مقدمہ فتاویٰ بینات۔ج:۱ص:۳۴ اور ص:۵۹-۶۰۔ط: مکتبہ بینات جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

(۲) الموافقات للشاطبی ۴/۵-۲۰۴،ط: دار احیاء التراث العربی .

دیکھ لینا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ربوا اور شائبہ ربوا دونوں سے پرہیز کریں۔

”عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه :أن آخر مانزلت آية الربا،وأن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلم قُبض ولم يفسّرها لنا فدعوا الربا والريبة.رواه ابن ماجة والدارمی.(۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ لہٰذا سود بھی چھوڑ دو اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔(۲)

اسی طرح مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت بڑھا دینا خود فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اگر چہ اکثر فقہاء اسے جائز کہتے ہیں، لیکن چونکہ اس میں مدت بڑھنے کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے اور اس طرح اگر چہ یہ ٹھیٹھ معنی میں سود نہ ہو، لیکن اس میں سود کی مشابہت یا سود کی خود غرضانہ ذہنیت ضرور موجود ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس سے ناجائز بھی قرار دیا ہے، چنانچہ قاضیخان جیسے محقق حنفی عالم اسے سود کے حکم میں شامل کر کے اسے حرام کہتے ہیں۔(۳)

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح باب الربوا، ص:۲٤٦۔ ط: قدیمی کراچی۔
(۲) مأخوذ از جواہر الفقہ :۱۰۵/۳۔ ط: مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند۔
(۳) فقہی مقالات:۲/ ۲۵۹-۲٦۰۔ ط: میمن اسلامک پبلیشرز۔

پانچواں اصل:۔حلال وحرام کے تقابل میں ترجیحی پہلو:

فقہاء اصولیین فرماتے ہیں کہ جب کسی معاملے میں حلال وحرام کی دو متضاد آراء سامنے آجائیں تو ترجیح حرمت والی رائے کو حاصل ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی حلال اور مباح چیز کو احتیاطاً استعمال نہ کرنا اس سے فائدہ نہ اٹھانا قابلِ مواخذہ اور خطرے کی بات نہیں۔ جبکہ کسی حرام چیز کو حلال سمجھتے ہوئے استعمال کرنا، اس کی حرمت وحلت کے تردد کو نظر انداز کرتے ہوئے خالص حلال سمجھ بیٹھنا اور بے دھڑک استعمال کر لینا دینی وایمانی لحاظ سے زیادہ خطرناک بات ہے۔ اسی بناء پر حضرات صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں حلال وحرام کا اختلاف رونما ہو جائے اور ایک جانب میں حرمت ہو اور دوسری طرف حلت ہو تو وہاں دنیا کے نفع کی بجائے آخرت کے نفع کو سامنے رکھنا چاہیئے، کیونکہ ایسا مسئلہ بہرصورت مشتبہات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور شریعت نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

عن الشعبی قال قال عمر: ترک تسعة أعشار الحلال مخافة الربوا.(۱)

ترجمہ:۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نوے فیصد حلال کو ''ربوا'' کے خوف سے چھوڑ رکھا ہے۔(۲)

---

(۱) کنز العمال: ۲۳۱/۲.

(۲) از جواہر الفقہ: ۱۱۵/۳۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال: من اشتریٰ ثوباً بعشرة دراهم وفیه درهم حرامٌ لم یقبل اللّٰه له صلوٰةً ما دام علیه، ثم أدخل أصبعیه فی أذنیه وقال: صمّتاإن لم یکن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقوله. رواه احمد و البیهقی فی شعب الإیمان. (۱)

ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص مثلا ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں بھی ایک درہم حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز نہیں قبول کرے گا جب تک آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔ (۲)

"**الأشباه والنظائر**" میں ہے:

"ما اجتمع محرم ومبیح إلا غلب المحرم ...فمن فروعها :ما إذا تعارض دلیلان ، أحدهمایقتضی التحریم والاٰخر الإباحة،قدّم التحریم .....ومن ثمّ قال

---

(۱) مشکوٰة المصابیح: ص ۲۴۳. ط: قدیمی کتب خانه کراچی.

(۲) مظاہر حق جدید: ۵۳/۳۔ ط: دار الاشاعت کراچی، تفصیل کے لئے تقریر ترمذی حصہ معاملات از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی: ۳۷/۱ ط: میمن اسلامک پبلیشرز و مظاہر حق جدید ملاحظہ ہو۔

عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه لمّا سئل عن الجمع بين الأختين بملك اليمين : أحلّتهما آية، وحرّمتهما آية، فالتحريم أحب إلينا...ومنها:ماأحدأبويه مأكول والآخرغيرمأكول ،لايحلّ أكله على الأصح...... ومنها: لو شارك الكلب المعلم غير المعلم ،أوكلب مجوسی، أو كلب لم يذكر اسم اللّٰه تعالیٰ عليه عمداً،حرام.“ (١)

”أصول الفقه الإسلامی “میں ہے:

”ذكر الآمدی واحداًوخمسين وجهاًمن وجوه الترجيح العائدة إلى المتن .... منها:أن يكون حكم أحدالنصّين الحظر،والأخر الإباحة.وهذا محلّ خلاف .فقال الجمهور:يقدّم الحاظر على المبيح............احتجّ الجمهور بأمرين:أحدهما: قوله عليه الصلاة والسلام :”ما اجتمع الحلال والحرام إلّاغلب الحرام الحلال“. وقوله أيضاً :دع ما يريبك إلى مالايريبك“.فيدلّ هذا على ترجيح الحرام على الحلال .ثانيهما:إنّ الاحتياط يقتضی الأخذ بالتحريم ،لأن التحريم يوجب ترك الفعل. فإن كان حراماًفی الواقع،ففی ارتكابه ضرر وإن لم يكن

(١)الأشباه والنظائر مع شرحهٖ للحموی.القاعدةالثانية: ١/٣٠١-٣٠٣.ط:إدارةالقرآن والعلوم الإسلامية، كراتشی.

حراماًفی الواقع،بأن کان مباحاً،فلاضررعلیه فی ترکه،لأنه لاعقاب فی ترک المباح.'' (۱)

''شرح الحموی''علی الاشباہ میں ہے:

لأن اعتناء الشرع بالمنهیات أشد من اعتنائه بالمأمورات، ولذا قال علیه الصلوٰة والسلام :إذا أمرتکم بشیء فأتوا منه مااستطعتم،وإذا نهیتکم عن شیء فاجتنبوه.(۲)

چھٹا اصل :۔معاملاتِ فاسدہ کا حکم:

معاملات فاسدہ کے حکم میں فقہاء کرام کی تصریحات سے دو بنیادی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(الف) معاملاتِ فاسدہ اوران کے اثمان قرآنی معاشیات کے اساسی احترازی اصول یعنی''أکل بالباطل'' کے ضمن میں آتے ہیں، کیونکہ معاملاتِ فاسدہ کے رواج سے اسلامی معاشرے میں ظلم واستحصال کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

''احکام القرآن للجصاص''میں ہے:

ونظیر مااقتضته الآیة من النهی عن أکل مال الغیر قوله تعالیٰ :''ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها إلی الحکام.(البقرة،الایة ۱۸۸)وقول النبی ﷺ:''لا یحل

(۱) أصول الفقه الإسلامی:۱۱۹۲/۲-۱۱۹۵.ط:دارالفکر،دمشق.

(۲) شرح الحموی علی الاشباه:۲۶۴/۱ .ط: ادارة القرآن کراچی. وکذا فی قواعد الفقه.ص: ۸۱ وایضاً فی تقریر الترمذی للشیخ العثمانی.

مال امرئ مسلم إلا بطيبة من نفسه "وعلى أن النهى عن أكل مال الغير معقود بصفة وهو أن يأكله بالباطل وقد تضمن ذلك أكل أبدال العقود الفاسدة كأثمان البيوع الفاسدة .(۱)

(ب) عقود فاسدہ کے حکم میں دوسری بات کا حاصل "انعقاد دون نفاذ" اور "نفاذ دون جواز" ہے، "انعقاد دون نفاذ" کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ فاسدہ معلق طور پر منعقد تو ہوجائے گا ،اس کی بنیاد تسلیم کرلی جائے گی، لیکن اس کا عملی نفاذ وتمامیت اورافادیت ازالۂ فساد پر موقوف رہے گی، كما هو حكم البيوع الفاسدة.

"نفاذ دون جواز" کا مطلب یہ ہے کہ عقد فاسد بسااوقات اصل بنیاد اور ارکان بیع کی موجودگی کے نتیجہ میں نفاذ وتمامیت تک پہنچ بھی جائے،تب بھی عدم جواز اور فساد کے عوارض ولواحق کی بدستور موجودگی اور امکانات کی وجہ سے عدم جواز کے اثرات ختم نہیں ہوجاتے، بلکہ کسی حد تک باقی رہتے ہیں۔جیسے بیع عینہ اور اس قبیل کی "بيوع إلى الآجال" جو عموماً سودخوری کا ذریعہ بنتی ہیں ایسے معاملات بیع کے بنیادی تقاضے پورے ہونے کے باوجود بالکلیہ صحت اور جواز کے حقدار نہیں کہلاتے۔(كماسيأتي بيانه في مقام آخر)

اس تصریح سے یہ افادی اصول نکلتا ہے کہ اگر ہم کسی فاسد معاملے کو حیلوں اور رخصتوں کے تعاونی چندہ سے انعقاد پذیری اور نفاذِ عملی وتمامیت کے مرحلے تک دھکیل بھی دیں،تب بھی اس عقد فاسد کے فسادی اور مضر اثرات بالکلیہ ختم نہیں ہوا کرتے،کسی فاسد معاملہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

---

(۱)احكام القرآن للجصاص ،سورة النساء باب التجارات وخيار البيع: ۱/۳۰۲-۳۰۳، ۲/۲۱٦، ط:دار الكتب العلميه بيروت.

ساتواں اصل :۔معاملات میں تصحیحِ عقد کا اصول:

اس اصول کا حاصل یہ ہے۔ "**مادام یمکن تصحیح عقد یصحّح**"، جس کی تعبیر "**تصحیحاً للعقد**" وغیرہ سے فرمائی جاتی ہے، فقہاء کرام کی اس تعبیر اور اصول کو بعض لوگ ایسی بھٹی سمجھتے ہیں کہ ہر ناجائز اور فاسد عقد کو اس بھٹی میں ڈال دیا جائے تو فساد وعدم جواز کا سارا زنگ یکسر اتر جائے گا۔ جبکہ فقہاء کرام اس کی پوری ذمہ داری قبول نہیں فرماتے، بلکہ ان کے اقوال سے یہ وضاحت بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر فساد کا غلبہ ہو تو اس صورت میں "**الأصل الصحة**" کے پیش نظر تصحیح عقد کے ضابطہ کو معمول بنانا مشکل ہوگا۔

> "**لقولهم: أصل التصرفات: حملها على الصحة، إلا أن يغلب الفساد، (وقال القرافی) والتصرف إنما يحمل على الغالب**" (۱)

علماء دین کے غور کے لئے علامہ قرافی رحمہ اللہ کی ایک اور عبارت پیش خدمت ہے:

> "**تنبیه: قال اللخمی: اختلف فی وجه المنع فی بيوع الآجال، أبو الفرج، لإنها أكثر معاملات أهل الربا، وقال إبن مسلمه: بل سداً لذرائع الربا، فعلى الاول من علم من عادته تعمد الفساد حمل عقده عليه والا امضى، فإن اختلفت العادة منع الجميع، وإن كان من أهل الدين والفضل**" (۲)

(۱) الفروق: ۴/۳۷۔

(۲) الفروق للقرافی: ۳/۲۶۸ف: ۱۹۴۔

اسی طرح ہمارے آئمہ میں سے امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ نے سودخوروں کا حیلہ ہونے اور سدذریعہ کے پیش نظر ''بیع عینہ'' کو'' **أعظم فی الذنوب من الجبال اخترعه آكلة الربوا**'' کہہ کر مکروہ تحریمی (ناجائز) قرار دیا، حالانکہ بیع عینہ کی بعض صورتیں انعقاد ونفاذ کے تقاضے بھی پورے کررہی ہوتی ہیں۔(۱)

اس بحث سے یہ واضح اصول مترشح ہوتا ہے کہ سود کے باب میں جو حیلے سودخوری کو اسلامی لبادہ فراہم کرنے کا باعث بنتے ہوں، اوران حیلوں میں سودخوروں کے مفادات کو اسلام اورعقود شرعیہ کے نام سے تحفظ مل رہا ہو، ایسے حیلے ''انعقاد ونفاذ'' کے تقاضے پورے کرنے کے باوجود کراہت، گناہ اور واجب الاحتراز ہونے سے قطعاً خالی نہیں، اس اصول کی تائید ''ہنڈی'' (Bill of Exchange) کے متعلق مولانا مدظلھم کے موقف سے بھی ہوتی ہے:

> ہنڈی فی نفسہ جائز ہے، لیکن چونکہ اس کاروبار کو سود بنانے کا حیلہ بنایا جاسکتا ہے اس لئے قیمت مثل کے ساتھ جائز ہے قیمت مثل سے زائد پر جائز نہیں ورنہ سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔(۲)

''**تعویض عن الضرر** '' کے بارے میں ارشاد ہے:

> ''ان تمام باتوں سے یہ واضح ہورہا ہے کہ علماء کی بیان کردہ صورت میں اور سود کی مروجہ صورت میں بہت فرق ہے، لیکن اس فرق کے باوجود اس کی سود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے

---

(۱)الشامیہ :۲۷۳/۵،باب الكفالة مطلب بيع العينه ط: ایچ ایم سعید کراچی. كتاب الحجة للامام الشيبانى باب جامع البيوع... : ۲/ ۶۴۸-۶۴۷ ط:دار المعارف النعمانيه لاهور.

(۲) تقریر ترمذی:۱/۱۴۶ حصہ معاملات۔

اس لئے میں اس صورت کو درست نہیں سمجھتا۔(۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''اور ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو،اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجۂ مجبوری اختیار کر لینے کی تو گنجائش نکل سکتی ہے،لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کر دینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنالینا کسی طرح درست نہیں۔''(۲)

آٹھواں اصل:۔تاویلِ فاسد سے اجتناب:

نیز شریعت میں ثابت شدہ مأمورات و منہیات میں اصل حکم کو اپنے مورد اور محل سے پھیرنے کے لئے سعی کرنا تأویل فاسد کے زمرے میں آتا ہے،جس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔چنانچہ ''جمع الجوامع'' میں تاویل کا معنی ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

قوله :والتأويل حمل الظاهر على المحتمل المرجوح ،فإن حمل عليه لدليل فصحيح، أو لما يظن دليلا وليس بدليل فى الواقع ففاسدٌ ،أولا لشىء فلعبٌ لاتأويلٌ. (۳)

---

(۱) تقریر ترمذی حصہ معاملات: ۱/ ۲۳۶.

(۲) فقهی مقالات، ۲/ ۲۶۱. ط:میمن اسلامک پبلشرز.

(۳)جمع الجوامع للسبكى مع شرح المحلى،بحث الظاهر والمأول : ۲/ ۵۳،ط: اصح المطابع ببمبئى.

ترجمہ:۔ ''ظاہر اور متبادر معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں اگر کسی دلیل و برہان کی بناء پر ایسا کیا جائے تو درست ہے اور اگر ظنی دلیل کی بناء پر مرجوح معنی مراد لیا جائے تو فاسد اور اگر یقینی یا ظنی کوئی دلیل بھی موجود نہ ہو تو یہ نصوص کے ساتھ کھیل کود اور مذاق ہے تاویل نہیں۔(۱)

نواں اصل:۔ معاملات میں توسع اور افتاء بمذہب الغیر:

بعض معاصر علماء کرام کا ارشاد ہے کہ معاملات کے باب میں جس جس فقہی مسلک کے اندر یسر وسہولت کی بات مل رہی ہو تصحیح عقد کے لئے اسے لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ توسع ہے اس پر حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے فتاویٰ سے کچھ مثالیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

جہاں تک حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ارشاد کا تعلق ہے تو یقیناً فقہاء کرام کی تصریحات کے تناظر میں ہے، لیکن حضرت رحمہ اللہ خود جہاں علم وعمل کے آسمان ہیں وہاں پکے حنفی بھی ہیں، آپ نے **"إفتاء بمذهب الغير"** کی جو اجازت عنایت فرمائی ہے، اس کے لئے ''حیلۂ ناجزہ'' میں جو شروط وقیود بیان فرمائی ہیں ان کا ملاحظہ ومطالعہ کر لینا بھی کافی تھا۔ مگر زیر بحث معاملات میں **"إفتاء مذهب الغير"** کے وہ تقاضے پورے نہیں فرمائے گئے جن کا التزام حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔

اس لئے معاصر علماء کرام کی خدمت میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ **"إفتاء بمذهب الغير"**

(۱) ترجمہ حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین ص:۱۷۷، ط: کارخانہ بازار فیصل آباد۔

کے لئے علماء اصولیین نے کچھ قیود وشروط بھی لگائی ہیں، جہاں **"إفتاء بمذهب الغير"** کی اجازت کے منافع اٹھائے جائیں وہاں اس سے متعلقہ قیود وشروط کا بوجھ بھی برداشت کرنے کا عزم وحوصلہ ہونا چاہیئے، ان شروط میں سے "نمبرا" شرط یہ ہے جسے حضرت بنوری نوراللہ مرقدہٗ نے "مسائل حاضرۃ" میں اجتہاد کے اصول وشرائط بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

...جہاں تک ہو کسی ایک فرد کی شخصی رائے پر اعتماد اور اس کو قبول کرنے سے اجتناب کیا جائے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا وسیع النظر اور کثیر المعلومات عالم کیوں نہ ہو، بلکہ اس ذمہ داری کا بار اُٹھانے کے لئے ایک جماعت سامنے آئے جس میں بحیثیت مجموعی وہ تمام ممیّزات وخصائص موجود ہوں جن کا تذکرہ کیا جاچکا ہے (مقدمہ فتاویٰ بینات میں موجود حضرت رحمہ اللہ کے مضمون میں ان شرائط کا بیان گزر چکا ہے)..... الخ (۱)

اسی طرح حضرت مولانا زید مجدہم کے افادات میں لکھا ہوا ہے کہ:

مذہب غیر پر فتویٰ دینے والے مفتی کے لئے ضروری ہے کہ دیگر اصحابِ فتویٰ کی آراء بھی حاصل کرے، اس نوعیت کا فتویٰ انفرادی حیثیت کی بجائے اجتماعی حیثیت ہی میں دینا چاہیئے۔ قولھم:

الثاني: أن يتأكد المفتي بآراء غيره من أصحاب الفتوى بمسيس الحاجة، والأحسن أن لايتبادر بالإفتاء منفرداً عن غيره بل يجتهد أن يضم معه فتوى غيره من العلماء ليكون جماعياً لا انفرادياً.... الخ (۲)

---

(۱) فتاویٰ بینات: ۱/۴۴۔ ط: مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

(۲) المصباح فی رسم المفتی، ۲/ ۲۰۹۔

شرط نمبر۲- مسئلۂ واحدہ میں التقاط کی نوبت نہیں آنی چاہئے، ورنہ ''تلفیقِ باطل'' شمار ہوگی، التقاطی تلفیق (۱) بجائے خود ناجائز اور باطل ہے، اگر یہ تلفیق **''مؤدی الی إباحة الحرام''** یعنی حرام کو مباح تک پہنچانے کا باعث بن رہی ہو تو حرام ہی کہلائے گی۔(۲)

شرط نمبر۳- کسی مسئلہ میں محض ''توسع'' کو ہدف بنا کر مذاہبِ مختلفہ سے سہولتیں تلاش کرنے کا عمل جائز نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ کے مندرجہ ذیل ارشاد میں موجود ہے:

''مذاہب مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر، مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔(۳)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جو فریضہ علماء امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے ان سے سبکدوش ہو جائے نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ ''تتبع رخص'' پر قوم کو آمادہ کرنا ہے، نہ ترک تقلید کی بنیاد رکھنا ہے۔(۴)

''اصول الفقه الاسلامی'' میں ہے:

ليس القول بجواز التلفيق مطلقاً،

---

(۱) یعنی چھانٹ چھانٹ کر رخصتیں نکالنے کا عمل۔

(۲) تفصیل کے لئے جواہر الفقہ :۱/۱۶۶ ط: دار العلوم کراچی اور حیلہ ناجزہ ص:۱۵-۱۶ اور اصول الفقہ الاسلامی للزحیلی :۲/۴۴-۴۳-۱۱۴۲ ملاحظہ ہو۔

(۳) بینات محرم الحرام ۱۳۸۸ھ ص:۳۷۔

(۴) بینات ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ ص:۶۔

وإنما هو مقيد في دائرة معينة،فمنه ماهو باطل لذاته .... وهو ثلاثة أنواع. أولها:تتبع الرحض عمداً بأن ياخذ الانسان من كل مذهب ما هو الأخف عليه بدون ضرورة ولا عذرٍ وهٰذا محظورٌ سداً لذرائع الفسادبالانحلال من التكاليف الشرعية.

"قال الغزالي: ليس لأحد أن يأخذ بمذهب المخالف بالتشهي، وليس للعامي أن ينتقي من المذاهب في كل مسئله أطيبها عنده فيتوسع ... الخ" (۱)

شرط نمبر۴- تلفیق کی صرف وہ صورت جائز ہے جس کا تعلق ضرورت و مصلحت شرعیہ کے متحقق ہو جانے پر صرف اجتہادی معاملات میں ہو، نہ کہ قطعیہ میں۔ (۲)

شرط نمبر۵- متعدد اقوال کا ایسا ملاپ نہ ہو جس سے کوئی نئی حقیقتِ مرکبہ بن جائے۔ (۳)

شرط نمبر۶- مذاہب اربعہ سے صرف اس رائے کو لیا جا سکتا ہے جو شاذ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ (۴)

اس تفصیل سے یہ فائدہ مستنبط ہوتا ہے کہ یسر وسہولت والی نصوص سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "تلفیقِ باطل" کی صورتوں کو ضرور سامنے رکھنا چاہئے۔

---

(۱) اصول الفقہ الاسلامی، المبحث الرابع، التلفیق وتتبع الرخص: ۱۱۴۸/۲۔ ط: دار احسان۔

(۲) اصول الفقہ الاسلامی: ۱۱۵۳/۲۔

(۳) المصباح۔: ۹۸/۲۔

(۴) فتاویٰ بینات: ۵۹/۱۔ ط: مکتبہ بینات جامعہ بنوری ٹاؤن۔

دسواں اصول:۔ مقصدیت وحقیقت کا لحاظ:

کسی چیز کی حقیقت نہ بدلے اور نام بدل جائے یا نام اور ظاہری حقیقت دونوں بدل جائیں لیکن علت ومقصدیت نہ بدلے تو ایسی چیز کا حکم نہیں بدلتا۔ "الأمور بمقاصدها"۔

حدیث میں ہے:

.....حدثني ابو عامر،او ابو مالك الاشعري والله ما كذبني : سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف..... الخ.(۱)

''فتح الباری'' میں ہے:

وفي هذا الحديث وعيد شديد على من يتحيل ما يحرم بتغيير اسمه، وأن الحكم يدور مع العلة، والعلة في تحريم الخمر الإسكار، فمهما وجد الإسكار وجد التحريم، ولولم يستمر الإسم. قال إبن العربي: هو أصل في أن الأحكام إنما تتعلق بمعاني الأسماء، لابألقابها، رداً على من حمله على اللفظ .. الخ (۲)

---

(۱) الصحيح للبخاري ،كتاب الاشربة، باب ماجاء في من يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه:۲/۸۳۷۔ط: قدیمی کراچی۔

(۲) فتح الباري:۱۰/۵۶. ط:رئاسة ادارة البحوث العلميه.

فصل دوم

مضاربہ ومشارکہ کی بنیاد پر بینکاری

کمپنی اور اصطلاحی شرکت:

دو یا دو سے زائد افراد کا مل کر طے شدہ معاہدہ کے تحت کاروبار کرنا فقہی اصطلاح میں ''شرکت'' کہلاتا ہے، اس نوعیت کا کاروباری اتحاد اور اشتراک جدید معاشی نظام میں ''کمپنی'' کہلاتا ہے، جس کے لئے تعریفی تعبیریوں کی جاتی ہے:

''عام لوگوں کی منتشر بچتوں کو یکجا کر کے ان سے اجتماعی فائدہ اٹھانا ''کمپنی'' کہلاتا ہے''۔(۱)

کاروباری اجتماع اور اشتراک کی حد تک بظاہر ''کمپنی'' اور فقہی اصطلاح ''شرکت'' میں کافی حد تک مشابہت ومشاکلت پائی جاتی ہے، اس لئے بعض حضرات نے ''کمپنی'' اور ''شرکت'' کے درمیان گہرائی کے ساتھ فرق ڈھونڈنے کا تکلف نہیں فرمایا، جبکہ بعض اکابر نے ''کمپنی'' کو ''شرکت'' کی ایک قسم ''شرکتِ عنان'' کی طرح فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمارے دیگر علماءِ کرام جن میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی بھی شامل ہیں جو ''کمپنی'' اور شرکت کے درمیان کئی وجوہ سے فرق کے قائل بھی ہیں، حضرت مولانا مدظلہم نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ:

''کمپنی'' کی جو خصوصیات سامنے آئی ہیں، ان کے لحاظ سے کمپنی شرکت کی معروف اقسام سے کسی میں داخل نہیں، فقہاء نے

---

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۸۱۔

شرکت کی چار اقسام ذکر کی ہیں اگر مضاربت کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو پانچ قسمیں بن جاتی ہیں، کمپنی کا یہ نظام ان پانچوں میں سے کسی میں بھی بتمام وکمال داخل نہیں۔(۱)

الغرض ''کمپنی'' شرکت ومضاربت سے الگ چیز ہے جس کا اپنا مستقل جداگانہ تصور ہے، جس کی بناء پر ''کمپنی'' کو مستقل کاروباری شکل ماننے کے لئے ہم مجبور ہیں، اس لئے یہ بات ذہن نشین رہے کہ ''کمپنی'' پر شرکت ومضاربت کے احکام منطبق کرنے کی بجائے، کمپنی کی اپنی جداگانہ مستقل حیثیت کا جائزہ لینا ضروری ہے، ورنہ خلط مبحث لازم آئے گا۔

بینک، کمپنی ہے یا شرکت ومضاربت کا ادارہ؟

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جس ادارہ (بینک) کا شرعی حکم ہم معلوم کرنا چاہ رہے ہیں، وہ ادارہ ''کمپنی'' کی خصوصیات کا حامل ہے یا شرکت ومضاربت کے طریقوں پر سرمایہ کاری کا پروگرام رکھتا ہے؟ یا دونوں کی اشتراکی کاروباری صورتوں کے کچھ کچھ خصائص کا حامل ہے؟ پھر اس آخری اختلاطی صورت میں یہ پہلو قابل غور ہوگا کہ یہ ادارہ (بینک) شرکت اور کمپنی کی جن جن منتخب خصوصیات پر مشتمل ہے۔ دونوں کی ان خصوصیات کی باہمی نسبت کیا ہے؟ بظاہر توافق ہے یا تضاد ہے، اگر نسبت توافق کی ہے تو فبہا ونعمت! اگر شرکہ ومضاربہ اور کمپنی کی مختلط خصوصیات میں ''تضاد'' کی نسبت ہو تو اس کا نتیجہ یہی برآمد ہوگا کہ یہ ادارہ نہ تو شرکت ومضاربت کے اصولوں پر قائم ہوسکتا ہے اور نہ ہی ''کمپنی'' کے اصول وقواعد کے مطابق خاطر خواہ کارکردگی دکھا سکتا ہے، بلکہ ایک نئی ''حقیقتِ مرکبہ''

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۹۷۔

کہلائے گا اور ہمیں اس حقیقت مرکبہ کا حکم جداگانہ معلوم کرنا ہوگا۔ چنانچہ اگر ہم فرض کے درجہ میں شرکت ومضاربت کا عنصر زیادہ مان لیں تو ''کمپنی'' کا کردار محدود ماننا پڑے گا (جوکہ خلاف واقعہ ہے)۔اس صورت میں دیگر اصول اورقواعدِ فقہیہ سے قطع نظر غالب کا اعتبار کرتے ہوئے ہم کسی حد تک یہ کہہ سکیں گے کہ ''بینک'' کا نظام شرکت ومضاربت پر قائم ہے،لہٰذا شرکہ ومضاربہ کے اصولوں پر پرکھنا چاہئے۔

لیکن اگر تحقیق وتفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''بینک'' کا نظام شرکت ومضاربہ کی بجائے ''کمپنی'' کی اساسیات وخصوصیات کا زیادہ مظہر ہے تو پھر ''بینک'' کا حکم وہی ہوگا جو ''کمپنی'' کا ہوگا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ ''بینک'' کا نظام شرکت ومضاربت کی بجائے ''کمپنی'' کے نظام سے زیادہ موافقت ومناسبت رکھتا ہے،''بینک'' کے حامی حضرات بھی مروجہ بینکوں کو ''بینک'' کہنے کی بجائے ''جوائنٹ اسٹاک کمپنی'' کہنے لگے ہیں۔اس کی تائید حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

> بینک بھی بنیادی طور پر ''جوائنٹ اسٹاک کمپنی'' ہے۔اس کے قیام کا طریقہ وہی ہے جو کمپنی کے قیام کا ہوتا ہے۔(۱)

مضاربۃ وشرکۃ کی بنیادوں پر بینکاری کے امکانات:

اسلام میں ''سود'' کا حقیقی متبادل چونکہ ''بیع'' ہے،اور ''بیع'' کی اقسام میں سے مشترکہ کاروباری اسکیم (Joint Stock Sceme) ''شرکت'' کہلاتی ہے اور

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۱۱۵۔ط: مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

مضاربہ بھی اس میں شامل ہے۔اس لئے سود کے حقیقی متبادل کے طور پر''شرکہ ومضاربہ'' کو اسلامی اصولوں کے مطابق رواج دینے کی تجویز اور تطبیق کے لئے اربابِ فکر ونظر کوشاں ہیں،مگر سب سے پہلا سوال جواس کوشش کے سامنے آتا ہے وہ سوال وہی ہے جس کی طرف شروع میں اشارہ کیا گیا تھا کہ جہاں پر سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر شریعت سے آزاد''بینکنگ کونسل''اوراسٹیٹ بینک کا''بینکاری نظام''پر کنٹرول ہو وہاں شرعی اصولوں کے مطابق شرکۃ ومضاربۃ کے خالص شرعی طریقۂ تجارت کا نفاذ ممکن بھی ہے یا نہیں؟

مضاربہ وشرکت اور بینک کے مزاج میں بنیادی فرق:

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جہاں پر سرمایہ دارانہ نظام قائم اور رائج ہو وہاں ''مضاربت'' کا بینک نہ عملی طور پر قائم ہوسکتا ہے اور نہ ہی پائیداری کے ساتھ چل سکتا ہے، کیونکہ بینکاری، سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جزء ہے، جزء ہمیشہ کل کا تابع ہی ہوتا ہے۔اور سرمایہ دارانہ نظام کا اسلام سے متصادم ہونا ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ بینکنگ کونسل اور اسٹیٹ بینک جن کے سرمایہ داری فکر پر کاربند ہونے اور سودی نظام کے محافظ ومرکز ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، ان اداروں کے تدیّن، امانت اور دیانت سے سب ہی آگاہ ہیں۔یہ ادارے کسی بھی بینک کو اجازت نامہ دیتے ہوئے اپنے مفادات اور ترجیحات کو قطعاً پس پشت نہیں ڈالتے، بلکہ وہ اسی طریقہ کار کو تسلیم کرتے ہیں جو ان کے مفادات سے ہم آہنگ ہوسکے، چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ وہ اسلامی طریقہائے تمویل(Financing modes) میں سے مروجہ اجارہ ومرابحہ جیسے حیلوں کو تو اپنی ترتیب اور ترجیح کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے اسلامی بینکوں کو مروجہ مرابحہ

واجارہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کی چھوٹ دے رہے ہیں، مگر مشارکہ ومضاربہ کی ترویج میں وہ ایسا تعاون کرنے میں قطعاً دلچسپی نہیں رکھتے۔(**كما سيأتي تفصيله**)

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شرکہ ومضاربہ اور ''بینک'' کے مزاج میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے، بینک کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے کلائنٹ (Client) کو طے شدہ نفع کی یقین دہانی اور نقصان نہ ہونے کی ضمانت دیتا ہے، یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم کلائنٹ کی رقم کو بینک کے ذمہ قرض کہیں اور اس پر ملنے والے طے شدہ یقینی نفع کو ''سود'' کہیں۔ جبکہ مضاربت میں نہ تو طے شدہ نفع کی یقین دہانی ممکن ہے اور نہ ہی کسی قسم کے نقصان کی کوئی ضمانت دی جاسکتی ہے، کیونکہ مضارب کے پاس رأس المال (capital) محض امانت ہوتا ہے، اس لئے اگر کوئی ''بینک'' مضاربت کی بنیاد پر قائم ہوتو وہ بینک نہ تو اپنے کھاتہ داروں کو اصل رقم کی واپسی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ ہی اصل رقم پر کچھ زائد دینے کی یقین دہانی کراسکتا ہے۔ اس نوعیت کا بینک اپنے کھاتہ داروں کے لئے کسی قسم کی دلچسپی اور رغبت کا سامان اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ایسے بینک کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو بند ہوجائے یا پھر ایسی تدابیر اور حیلے اختیار کرے، جن کے ذریعہ وہ اپنے کھاتہ دار کی دلچسپی ورغبت کے لئے یقینی نفع اور نقصان سے حفاظت کی ضمانت فراہم کرسکے، جبکہ یہ یقین دہانی اور ضمانت خالص سودی طریقوں کی نہج پر سرمایہ کاری کے بغیر ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہوا تو یہ بینک، مضاربت کی بنیاد پر قائم رہنے کی بجائے اپنی حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سودی بینک ہی کہلائے گا، چاہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے، برابر ہے کہ لفظ ''اسلامی'' شروع میں لگائیں یا آخر میں!

یہ رائے حقیقی صورتحال پر مبنی اور نفس الامری ہے، اس رائے کا وزن روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے گھٹتا نظر نہیں آتا۔

شرکت ومضاربت کی بنیاد پر بینکاری کی نیک توقعات اور تجزیہ:

اس رائے کے مدمقابل دوسری رائے جس کی بنیادی فکر یہ ہے کہ ربوا اور قمار کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور طوفانی آندھیوں میں بینا نابینا کی زندگی گزارنے سے بہتر یہ ہے کہ معمولی روشنی کا چھوٹا سا چراغ ہی روشن کرلیا جائے، اس رائے کی بنیادوں میں اخلاص وللّٰہیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ رائے محض نیک توقعات، تمناؤں اور آرزؤں پر قائم ہے، اصل مقصد کی طرف پیش قدمی کے لئے محض آرزؤں کا سہارا ہے۔

بایں ہمہ ہم کسی حد تک اس رائے سے متفق ہیں اور ہماری بھی شدید دلی تمنا ہے کہ وطنِ عزیز میں ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر مبنی اسلامی بینکاری نظام رائج ہو اور معاشرہ سودی آلائشوں سے پاک ہو، اس لئے ہم پہلی رائے پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کرنا چاہتے، صرف دوسری رائے پر اپنا تبصرہ وتجزیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ ''اسلامی بینکاری'' اور اس کی بنیادوں کی طرف پیش رفت کے حوالے سے ہماری تمنائیں اور آرزوئیں کس حد تک اپنے اصل ہدف اور مقصد کی طرف بڑھی ہیں؟

اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد اور چند باتیں:

بے جان ''شخص قانونی'' (Juristic Person) کا برائے نام اسلامی آکسیجن ختم ہونے کے بعد کسی اسلامی بینک میں اس کی مردہ نعش کو رکھے رہنا ہمارے خیال میں شریعت کی رو سے جائز ہے نہ اسے اسلامی بینک کی بنیاد تسلیم کرنے کی گنجائش ہے، اگر اصولاً دیکھا جائے تو ''بینک'' میں شخص قانونی کے ہوتے ہوئے بینک کا اسلامی وجود باقی ہی

نہیں رہتا، ایسی بینک کے ناجائز ہونے کے لئے اس میں شخص قانونی جیسی خلاف شرع بنیاد کی موجودگی ہی کافی ہے، اسلامی بینکاری کی دیگر جزئیات سے بحث کی حاجت باقی نہیں رہتی، تاہم اختصاراً چند باتیں عرض کئے دیتے ہیں۔

پہلی بات: مروجہ اسلامی بینکاری میں شرکت ومضاربت کا عنصر

سب سے پہلی بات، ''سود'' کا صحیح اسلامی متبادل ''بیع'' ہے اور بیع میں سے بھی شرکت اور مضاربت کا طریقہ ہے۔ اسی بنیاد پر اسلامی بینکاری کا جواز اور امکانات ظاہر کئے جاتے ہیں اور نیک توقعات باندھی جاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صحیح اسلامی متبادل کا اسلامی بینکاری میں کتنا حصہ ہے؟ ہماری معلومات کے مطابق مروجہ اسلامی بینکاری میں شرکت ومضاربت کا عنصر ۱۵-۲۰ فیصد سے آگے نہیں بڑھ سکا اور نہ ہی آگے بڑھائے جانے کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش ہورہی ہے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم پوری وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اسلامی بینکاری کے اس فلسفے کو اس وقت تک عملی حقیقت نہیں بنایا جاسکتا، جب تک کہ اسلامی بینک مشارکہ (واضح رہے کہ مضاربہ کو مشارکہ کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے) کے استعمال کو وسعت نہ دیں، یہ صحیح ہے کہ مشارکہ کے استعمال میں کچھ عملی مشکلات ہیں، خصوصاً موجودہ ماحول میں جہاں اسلامی بینک تنہائی میں اور عموماً متعلقہ حکومتوں کے تعاون کے بغیر کام کررہے ہیں'' ......
>
> لیکن پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ اسلامی بینکوں کو

تدریجی مراحل میں مشارکہ کی طرف بڑھنا اور انہیں تمویل مشارکہ کا حجم بڑھانا چاہیئے، بدقسمتی سے اسلامی بینکوں نے اسلامی بینکاری کے اس بنیادی تقاضے کو نظر انداز کیا ہوا ہے اور مشارکہ کے استعمال کی طرف پیش رفت کی قابل ذکر کوششیں موجود نہیں ہیں، حتی کہ تدریجی طریقے اور منتخب بنیادوں پر بھی نہیں، اس صورت حال کا نتیجہ چند ناموافق عناصر کی صورت میں ظاہر ہوا:

پہلے نمبر پر تو یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کا بنیادی فلسفہ نظر انداز شدہ نظر آتا ہے، دوسری بات یہ کہ مشارکہ کے استعمال کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اسلامی بینک مرابحہ اور اجارہ کے استعمال پر مجبور ہوتے ہیں اور یہ استعمال بھی روایتی معیارات مثلاً (LIBOR) وغیرہ کے فریم ورک میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آخری نتیجہ مادی طور پر سودی معاملے سے مختلف نہیں ہوتا''۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے اپنے اسی مؤقف کا اعادہ اور اظہار مزید تشویش، اضطراب اور مایوسی کے ساتھ ۲۲ر جنوری ۲۰۰۸ء کو ایک مجلس میں فرمایا یہ مجلس، دار العلوم کراچی کے ذیلی شعبہ ''المرکز الاقتصاد الاسلامی بیت المکرّم گلشن اقبال'' کے زیر انتظام ''گریجویٹ ڈپلومہ کورس'' پروگرام کے افتتاح کی مناسبت سے منعقد ہوئی تھی۔ حضرت مدظلہم اسلامی بینکاری اور اس کی طرف قدم بڑھانے والے حضرات کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے :

(۱) اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ایک تعارف، عنوان: اسلامی بینکوں کی کارکردگی ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، ص: ۲۴۸۔ ط: مکتبۃ العارفی فیصل آباد۔

''لیکن پہلے دن سے انہوں نے کہا تھا کہ یہ (اجارہ بیس اور مرابحہ بیس) اس لئے کہ مجبوری ہے ، لہٰذا پہلے مرحلے میں ہم پہلے صریح حرمت سے بچ جائیں، صرف اس (مرابحہ واجارہ) پر اکتفاء کرنا یہ کسی کے ذھن میں نہیں تھا بلکہ آگے ترقی کرنا جو اسلام کے بنیادی احکامات کو پورا کریں اور وہ یہ کہ ''نفع ونقصان میں شرکت'' (Profit and loss Sharing) کی طرف رفتہ رفتہ پیش قدمی ہوگی۔لیکن افسوس! یہ بلکہ موجودہ ''اسلامک فائنانسنگ'' اس پر قانع ہو کر بیٹھ گئی کہ یہی اسلامی طریقہ ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ بعض حیثیتوں سے پہیہ اُلٹا چلنے لگا ہے، اسلامی احکامات کی پیروی نہیں کی جارہی، جب میں یہ کہتا ہوں کہ مرابحہ واجارہ سیکنڈری (Secondry) ہیں ان کی جگہ متبادل لاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ جائز بھی کہتے ہو اور دوسری طرف کہتے ہو کہ تبدیل کرو, میں اس کی مثال دیتا ہوں کہ یہ جتنے طریقے اختیار کئے گئے ہیں First Aid ہیں، سب سے پہلے مریض کو Pain Killer دیا جاتا ہے ،اس کے بعد دوائی دی جاتی ہے ۔اب کوئی کہے کہ اگر یہ First Aid صحیح ہے تو اس کو تبدیل کیوں کیا؟ اور اگر یہ صحیح نہیں ہے تو پھر کیوں دیا؟ یہ دونوں باتیں غلط ہیں ۔اسی طرح یہاں یہ بھی پہلے سود کی صریح حرمت سے بچیں گے پھر اسلامی احکامات کے مطابق اس تجارت کو ڈھالا جائیگا۔......الخ

حضرت مدظلہم کی یہ دیانتدارانہ رائے آڈیو کیسٹ اور سی، ڈی میں موجود ہے۔

فائدہ:

حضرت مولانا مدظلہم کے ان ارشادات کے بعد یہ کہنے کی مطلق گنجائش ہے کہ اسلامی بینکاری کا تاحال اپنی اصل بنیادوں کی طرف پیش رفت کرنا محض ادھورا خواب ہے، بلکہ اسلامی بینکاری کا بنیادی فلسفہ بھی نظر انداز شدہ نظر آتا ہے، اور اجارہ، مرابحہ وغیرہ کے عارضی حیلوں (Ordinary Legal Devices) کے بطور طریقۂ تمویل مستقل بنیادوں پر استعمال سے اسلامی بینک، سودی بینک سے اپنی شناخت الگ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے، اور نہ ہی بینکار حضرات اس قسم کی تبدیلی کیلئے تیار ہورہے ہیں، بلکہ وہ تو عارضی حیلوں پر ہی قانع ہوکر بیٹھ گئے ہیں، جس کی وجہ سے لازمی طور پر اسلامی بینکاری کا پہیہ اُلٹا چلنے لگا ہے اور اسلام کے نام پر اسلامی احکامات کی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ **وقدشهد عليه شاهد عدل على عياله.**

واضح رہے کہ مروجہ اسلامی بینک شرکت ومضاربت کی بنیادوں پر سرمایہ کاری کیوں نہیں کرتے اس کی ایک وجہ تو میزان بینک کی شرعی ایڈوائزر صاحب کی زبانی ہم ماقبل میں ذکر کرآئے ہیں۔(۱)

دوسری اور حقیقی وجہ وہی ہے جس کی نشاندہی مخدومِ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے مروجہ اسلامی بینکاری کے تصور کی پیدائش سے قبل ۱۹۶۱ء میں یوں تحریر فرمائی تھی:

> ’’اسلامی شریعت نے سرمایہ اور محنت کے اشتراک کی ایک سیدھی سادھی، آسان اور مفید شکل ’’مضاربت‘‘ تجویز کردی ہے کہ

(۱) ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا کا صفحہ نمبر: ۸۸

ایک کا سرمایہ ہو، دوسرے کی محنت ہو، اور نفع میں دونوں کی شرکت یقینی طور پر ایک ہی نوعیت کی ہو۔ نفع ہے تو دونوں کا برابر ہے، نقصان ہے تو دونوں کو ہے۔ مگر نہ جانے اسلامی شریعت سے خداواسطے کا بیر ہے یا سرمایہ دارانہ نظام نے عقلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ لوگ اس سیدھی سادھی صورت اشتراک کو چھوڑ کر اس پُر پیچ اور مُضر صورت کو اختیار کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔"(۱)

دوسری بات: محدود ذمہ داری کے حوالے سے بینک کا دوہرا معیار

دوسری بات یہ کہ "کمپنی" اور "بینک" عام کھاتہ داروں کے حق میں "مضارب" (Working Partner) ہوتے ہیں اور "مضارب" (مطلق اور غیر مأذون) کی ذمہ داریاں بالاتفاق غیر محدود (Un-Limited) ہوتی ہیں، یعنی اگر وہ رب المال (Investor) کی طرف سے واضح اجازت کے بغیر واجب الاداء معاملات کا بوجھ اکٹھا کرے تو اس کا ذمہ دار مضارب (Working Partner) خود ہی ہوتا ہے نہ کہ رب المال (Investor)۔ مگر کمپنی اور بینک بے جان "شخص قانونی" (Juristic Person) کی آڑ میں اپنی ذمہ داریوں کو محدود (Limited) قرار دیتے ہیں اور "رب المال" کی محدود ذمہ داری سے اپنے اس تصور پر دلیل بھی دیتے ہیں، یہ دوہرا معیار درحقیقت منافع سمیٹنے اور نقصانات کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے ناجائز اور غیر شرعی حیلہ ہے۔ اور یہ دوہرا معیار نہ صرف یہ کہ مضاربت کے احکام کی خلاف ورزی ہے بلکہ "**مطففین**" کے زمرے میں بھی آتا ہے۔

---

(۱) جواہر الفقہ، ۱۳۸/۳۔ ط: مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند

تیسری بات: اسلامی بینک کے خلافِ شرع معاہدے

تیسری بات یہ کہ ایک اسلامی بینک میں جب کوئی اکاؤنٹ کھولنا چاہے تو اسے جو فارم دیا جاتا ہے، جسے بینک اور گاہک کے درمیان تحریری معاہدہ کہا جاسکتا ہے، اس کی عبارت یہ ہے:

"All funds deposited in the account to be opened pursuant to this application. and all transactions in relation theretro will be governed by the Terms and Conditions for Accounts and Services, Policies of Meezan Bank Ltd. and all laws, regulations,rules, decrees, by-laws, applicable to Meezan Bank Ltd. including regulations, directions and circulars, issued by the State Bank of Pakistan and all amendments that may be made from time to time to all or any of the above.
I/We agree to provide any documents requested by Meezan Bank Ltd....[etc.]

ترجمہ (آزاد):

اس درخواست کے تحت جو رقوم اکاؤنٹ میں جمع کرائی جائیں گی اور جو معاملات اس عمل سے متعلق کئے جائیں گے یہ سب

مندرجہ ذیل کے تحت آئیں گے: (۱) میزان بینک کے اکاؤنٹ اور خدمات کی شرائط، (۲) میزان بینک کی پالیسی، (۳) سارے قانون، قواعد، اعلانات، وغیرہ جو میزان بینک کے بارے میں ہوں، بشمول قواعد و اعلانات وا حکامات وغیرہ جو بینک دولت پاکستان جاری کرے...... میں/ ہم، اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ہر وہ دستاویز جو میزان بینک مانگے گا اس کو فراہم کرینگے...... (وغیرہ)

اسی طرح میزان بینک کے تعارفی پمفلٹ میں یوں لکھا ہے:

Will my investment at Al-Meezan be secure?

Al-Meezan is an investment bank regulated by the rules of the State ...[etc] bank of Paksitan.

ترجمہ: ’’کیا میری سرمایہ کاری ’’المیزان بینک‘‘ میں محفوظ ہے؟ ’’المیزان‘‘ ایک انوسٹمنٹ بینک ہے جو اسٹیٹ بینک کے قوانین کے مطابق کام کرتا ہے۔۔۔ الخ

اس معاہدے، بروشر اور فارم کی عبارت سے متعلق مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

۱- اسلامی بینک، عام بینکاری کے قوانین کا پابند ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ تمیز کیسے ممکن ہے کہ بینکنگ کے کون سے قواعد شریعت کے مطابق ہیں اور کون

سے خلاف شرع ہیں؟ مروجہ اسلامی بینک اس تمیز کے بغیر مرکزی بینک کے قواعد، اعلانات اور احکامات وغیرہ ماننے کے لئے اپنے کلائنٹ سے پیشگی منظوری لیتا ہے، ادھر یہ حقیقت بھی کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ہمارا مرکزی بینک اور حکومت خود کو شرعی پابندیوں سے آزاد سمجھتے ہیں، اور ان کے اکثر اور اغلب قواعد وقوانین سراسر خلاف شریعت ہوتے ہیں، کیا کوئی اسلامی ادارہ اس قسم کے غیر شرعی قواعد کی مطلق پابندی کے لئے اپنے مسلمان کلائنٹ سے عہد و پیمان لے سکتا ہے؟ اس کا یہ فعل شرعاً جائز اور قابل اعتبار ہوسکتا ہے؟ ادنیٰ مسلمان بھی اس کو جائز نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کسی اسلامی بینک کا اپنے گاہک سے اس طرح کا معاہدہ کروانا شریعت کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اشکال:

یہاں پر بعض لوگوں کی طرف سے یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ اسٹیٹ بینک نے تحریری اور تقریری طور پر اسلامی بینکوں کو غیر سودی سرمایہ کاری کی با قاعدہ اجازت دے رکھی ہے، اسلامی بینک اپنے قواعد وقوانین اور پالیسیاں شریعت اسلامیہ کے مطابق بنائیں تو مرکزی بینک کے رولز رکاوٹ بننے کی بجائے واضح اجازت دیتے ہیں۔

جواب:

اس حوالے سے پہلی گزارش تو یہی ہے کہ سودی نظام کے مرکزی ومحوری ادارے سے اس قسم کی پیشکش اور نرمی، قرینِ حقیقت وصداقت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ آج تک پاکستان میں بلاسود بینکاری کی تمام کوششیں اور سپریم کورٹ کے شریعت بینچ کی غیر سودی بینکاری کی

سفارشات اور فیصلوں کا سرکاری انجام اس پر واضح دلیل ہے۔

اس کے باوجود اگر ہم فرض کے درجہ میں اس دعویٰ کو تسلیم کرلیں تو اسلامی بینکاری پر ہمارے عدم اطمینان کو مزید تقویت ملتی ہے کہ مروجہ اسلامی بینک، اسٹیٹ بینک کی غیر شرعی بالا دستی اور مداخلت سے آزاد ہونے کے باوجود اپنے طریقہائے تمویل (Modes of Financing) کو اسلامی بینکاری کی حقیقی اسلامی بنیادوں کی طرف لے جانے میں قابل ذکر کارکردگی نہیں دکھا سکے، بلکہ اسلامی بینکوں کے اس قسم کے رویوں سے یہی تأثر عام ہو رہا ہے کہ مروجہ اسلامی بینک بذات خود اپنی حقیقی اسلامی بنیادوں کی طرف پیش رفت کرنے میں مخلص اور سنجیدہ نہیں، کیونکہ مشارکہ اور مضاربہ کے طریقوں کے مطابق سرمایہ کاری میں انہیں وہ مفادات ومنافع قطعاً حاصل نہیں ہو سکتے جو سودی بینکوں کے طریقۂ تمویل سے مشابہت رکھنے والے مرابحہ واجارہ کے طریقوں سے حاصل ہو رہے ہیں۔

۲- بینک اور کلائنٹ (کھاتہ دار) کے درمیان معاہدے کی جو عبارت ہم نے اوپر نقل کی ہے اس کی رو سے، یا بالعموم کھاتہ دار جب کسی اسلامی بینک میں اکاؤنٹ کھولنے جاتا ہے تو اسے یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس کے اور بینک کے درمیان طے پانے والا معاملہ مشارکہ ومضاربہ ہے یا کچھ اور؟ جب کسی معاملہ کے بارے میں عاقدین کو یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا معاملہ کر رہے ہیں تو اس کے صحیح یا غلط ہونے کا علم ہونا اور درستگی اور صحت کے لئے لازمی شرائط کا التزام اور عقد سے متعلق دیگر معاملات کیسے طے کئے جا سکتے ہیں؟ یہاں بھی بعض حضرات اس تأویل کا سہارا لیتے ہیں کہ اس معاملہ کے عاقدین دراصل بینک (شخص قانونی) اور آنے والا گاہک ہے، اگر آنے والا گاہک جو معاملہ کرنے آ رہا ہے، اسی کے مطابق اسے فارم اور معاملہ کی تفصیلات پر مشتمل دستاویز بینک کی طرف سے مہیا ہو جاتی ہے تو بینک کے عملہ کو اس کی تفصیلات سے آگاہی نہ ہو تو بھی معاملہ صحیح ہو جائے گا،

کیونکہ عملہ کی حیثیت محض معاون کی ہے۔

لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ گذشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ شخص قانونی کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتی، شخص قانونی معاملات میں فریق بننے کی شرعاً صلاحیت ہی نہیں رکھتا، بلکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنے اعضاء وجوارح کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کا ایک ناجائز بہانہ ہے، اس لئے کہ اصل متعاقدین بینک کا صدر یا اس کا قائم مقام (جو بینک کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور آنے والے لوگوں سے معاملات طے کررہا ہے وہ) اور آنے والا گاہک ہیں، اس لئے بینک کے ذریعہ جو بھی معاملہ ہورہا ہو خواہ مضاربہ کہیں یا مشارکہ، اس کی اجمالی یا تفصیلی نوعیت کا متعاقدین کو علم ہونا ضروری ہے، ورنہ جہالت عقد (Uncertainty of Transaction) کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہوجائے گا۔ پس جو معاملات بینک کے نمائندوں کی لاعلمی کے ساتھ ہورہے ہیں وہ شریعت کے مطابق نہیں ہوسکتے۔

یہاں پر بعض حضرات یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ بینک کی طرف سے دیئے گئے فارم اور معاملہ کی تفصیلات پر مشتمل دستاویز میں سب کچھ لکھا ہوتا ہے، اس سے معاملہ کی جہالت کا حکم نہیں لگ سکتا، کیونکہ قضاء میں دستاویزی ثبوت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

اس بارے میں ان حضرات سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کسی اسلامی بینک میں آنے والے گاہک کو جو ضخیم دستاویزی پلندہ دستخط کرنے کے لئے تھمادیا جاتا ہے، کیا گاہک اسے پورا پڑھ بھی پاتا ہے یا صرف دستخط کرنے پر اکتفاء کرتا ہے؟ اور ہر ایک گاہک پڑھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے یا نہیں؟

۳- ہماری معلومات اور بعض تجربوں کے مطابق اگر کوئی گاہک بینک کا اگریمنٹ مانگے تو اسے وہ فراہم نہیں کیا جاتا، اس میں دوخرابیاں ہیں: پہلی خرابی تو وہی

جہالتِ عقد کی ہے، اور دوسری خرابی یہ کہ اگر بینک کی موجودہ پالیسی کل کو بدل جائے تو ایک تو گاہک کو اصل پالیسی کا علم نہیں رہتا، دوسرا یہ کہ وہ پیشگی دستخط اور معاہدہ کی رو سے نئی پالیسی کا پابند بھی ٹھہرے گا، خواہ گاہک کا فائدہ ہو یا نقصان، اس میں دو خرابیاں لازم آرہی ہیں:

(الف) بدلنے والی پالیسی کا گاہک سے پیشگی دستخط لینا، اسے شرطِ مجہول کے التزام پر پابند بنانا ہے، جو کہ مقتضائے عقد کے سراسر خلاف ہے۔

(ب) معاملہ کی حقیقت سے ناواقفیت کے ساتھ صرف ''منافع'' کو ہدف بنا کر معاملہ کرنا، اسلامی بینک اور روایتی بینک کے درمیان فرق کو مٹاتا ہے۔

۴- اگر چھان بین کے بعد یہ معلوم ہو بھی جائے کہ گاہک کا بینک کے ساتھ معاملہ، مشارکہ ہے یا مضاربہ ہے، تو پھر اس بات کی دیانتدارانہ یقین دہانی ضروری ہوگی کہ کیا مشارکہ ومضاربہ کا عملی طریقۂ کار مجوزہ طریقۂ کار کے عین مطابق ہے؟ تاکہ ہم اسے اسلامی بینکاری کہہ سکیں ورنہ اسلامی کہنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ اس بات کی نہ کوئی ضمانت دیتا ہے اور نہ ہی ممکن ہے اس لئے مروجہ اسلامی بینکاری میں شرکت ومضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کو سندِ اسلام نہیں دی جاسکتی۔

۵- جیسا کہ ہم اوپر وضاحت کرآئے ہیں کہ ''مضاربۃ'' کا معاملہ ہونے کی صورت میں کھاتہ دار ''رب المال'' اور بینک رب المال کے حق میں ''مضارب'' ہوگا، مضارب (بینک) کے ذاتی انتظامی اخراجات اور مختلف فیسیں کیسے اور کہاں سے ادا ہوں گی؟ اس سلسلے میں ایک اسلامی بینک کا نظریہ، یہ ہے:

21. CHARGES AND EXPENSES

21.1 The Bank may, without any further express authorization from the Customer,

debit any account of the Customer maintained with the Band for:

(i) All expenses , fees, commissions, taxes, duties or other Charges and losses incurred, suffered or sustained by the Bank in connection with the opening/operation/ maintenance of the Account and/or providing the services and/or for any other banking service wich the Bank may extend to the Customer.

(ii) The amount of any or all losses,claims, damages,costs, charges, expenses or other amounts which the Bank may suffer, sustain or incur as a consequence of acting upon the Instructions.

ترجمہ: بینک اگر چاہے تو کسٹمر کی کسی اضافی اجازت کے بغیر کسٹمر کے کسی بھی اکاؤنٹ، جو اس نے بینک میں کھولا ہوا ہے، سے مندرجہ ذیل میں سے کسی مد میں کوئی بھی رقم منہا کرسکتا ہے۔

(ا) تمام خرچ، فیسیں، کمیشن، محصولات، خدمات یا کوئی بھی اخراجات

اورنقصانات جو بینک کواکاؤنٹ کھولنے، اسے برقرار رکھنے، خدمات بہم پہنچانے یاوہ خدمات جو بینک نے کسٹمر کو پہنچادی ہوں۔

(۲) ہر وہ رقم جو بینک کوکسی ایک یا تمام نقصانات ،دعوے، نقصانات کے ازالے ،اخراجات، لاگت یا کوئی اور رقم جو بینک کو برداشت کرنا پڑی ہو یا ادا کرنا پڑی ہواس صورت میں کہ وہ ہدایات پرعمل پیرا ہو۔

یعنی بینک نفع میں سے اپنے انتظامی اخراجات اور انتظامی فیس یا مضاربہ فیس وغیرہ منہا کرے گا، اس کے بعد بقیہ نفع طے شدہ شرح کے مطابق گاہک اور بینک (رب المال اور مضارب) کے درمیان تقسیم ہوگا۔

جبکہ شریعت کی رو سے مضارب کے لئے اپنے کام (مضاربت) پرکسی قسم کی تنخواہ، فیس، معاوضہ یا الاؤنس لینے کا شرعاً کوئی حق نہیں، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ احناف کے ہاں صرف اتنی گنجائش ہے کہ اگر مضارب کو اپنے شہر سے باہر کہیں دوسرے شہر میں کاروباری سفر کی نوبت آئے تو وہ ذاتی قیام وطعام وغیرہ کے اخراجات مالِ مضاربت سے حاصل کرسکتا ہے، لیکن اپنے شہر اور مقامی علاقے میں مضاربت کرنے والا مضارب کسی قسم کے یومیہ الاؤنس کا حقدار نہیں ہوتا۔(۱)

اسی طرح فقہی نصوص بھی ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ ''مبسوط سرخسی'' میں ہے:

ولا ينبغى له أن يشترط مع الربح أجراً، لأنه شريك فى المال بحصته من الربح وكل من كان

---

(۱) اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص:۵۱۔

شریکافی مال فلیس ینبغی له أن یشترط أجرا فیما عمل لأن المضارب یستوجب حصة من الربح علی رب المال باعتبار عمله له فلا یجوز أن یستوجب باعتبار عمله أیضا اجرا مسمی علیه إذ یلزم عوضان لسلامة عمل واحد له.(۱)

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

(وأما) الذی یستحقه المضارب بالعمل، فالذی یستحقه بعمله فی مال المضاربة شیئان أحدهما: النفقة. والکلام فی النفقة فی مواضع، فی وجوبها وفی شرط الوجوب ...... (وأما) شرط الوجوب، فخروج المضارب بالمال من المصر الذی أخذ المال منه مضاربة سواء کان المصر مصره أو لم یکن، فما دام یعمل به فی ذلک المصر فإن نفقته فی مال نفسه لا فی مال المضاربة وإن أنفق شیئا منه ضمن......الخ (۲)

الغرض جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ بینک اور کمپنی کی حیثیت مضارب کی ہوگی، اور وہ شخص معنوی ہونے کی وجہ سے خود کام نہیں کرتا بلکہ اپنی ذمہ داریاں اپنے نائبین کے ذریعے انجام دے گا اور ان لوگوں کے اخراجات شخص قانونی ہی برداشت کرے گا، اس قسم

---

(۱) مبسوط سرخسی: ۲۲/۴۹-۱۵۰، ط: دار الکتب العلمیه بیروت، لبنان.

(۲) بدائع: ۶/۱۰۵، ط: سعید کراچی پاکستان.

کے اخراجات مال مضاربت سے لینا درست نہیں، کیونکہ مالِ مضاربت سے وہی اخراجات لئے جاسکتے ہیں جن کا تعلق مضاربت کے ساتھ ہو۔شخص قانونی اوراس کے ملازمین کے ذاتی اخراجات مال مضاربت کے نفع سے منہا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ۔یہی بات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تحریرفرمائی ہے۔

فاذا تقرر ان المضارب هو المؤسسة او البنک او الشركة بصفة كونها شخصاً معنوياً،فإن جميع التزامات المضاربة وحقوقها ترجع إلى هٰذا الشخص المعنوى، وبما أن الشخص المعنوى لايستطيع أن يعمل فإنه يعمل من خلال مؤظفيه و عماله، فنفقات هٰولاء المؤظفين العمال على الشخص المعنوى وليست على مال المضاربة إن لم نفقات التى تخص عمليات الاستثمار،أما رواتب المؤظفين وضيانة المكاتب وتاثيثها ونفقات الكهربائى وما اليها فكلها على الشخص المعنوى ، آه (۱)

(جس کا خلاصہ یہ ہے) چونکہ بینک وغیرہ شخص معنوی ہیں، لہٰذا مضاربت وغیرہ تمام حقوق کا تعلق بینک وغیرہ ہی کے ساتھ ہے۔ البتہ شخص معنوی ہونے کی وجہ سے خود کام کرنے کے بجائے یہ اپنے مزدوروں اوراپنے ملازمین کے ذریعے کام کرتے ہیں،لہٰذا ملازمین کی تنخواہوں اوربجلی وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی اس شخص معنوی

(۱) بحوث فی قضایا فقهیه معاصره: ۱۶۶/۲.ط: مكتبه دار العلوم كراچی.

یعنی بینک ہی کے ذمہ ہے۔البتہ وہ اخراجات جن کا تعلق براہ راست مضاربت کے کام کے ساتھ ہے، صرف وہ اخراجات مال مضاربت سے وصول کئے جائیں گے۔اس کے علاوہ بقیہ جملہ اخراجات کا بوجھ اس شخص معنوی ہی کے ذمہ ہے۔

اسی طرح تفصیل کے ساتھ یہ بھی گزر چکا ہے کہ راجح اور اصح قول کے مطابق شریک کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ معاملۂ شرکت میں شریک سے معاوضہ وصول کرے۔

قال فی الدر المختار: ولو استأجر لحمل طعام مشترک بینهما فلاأجر له ، لأنه لا يعمل شيئاً لشريكه إلا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الأجر .(۱)

اس لئے اس خلاف شرع طریقۂ کار کو مضاربہ و مشارکہ کہنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔کیونکہ اکاونٹ ہولڈر کو رقم نکلوانے کی سہولت حاصل ہے،اب اگر یہ شخص معنوی (بینک) صرف مضارب ہے تو مضارب اور مال مضاربت کے درمیان تخلیہ نہ رہا، حالانکہ یہ تخلیہ صحت مضاربت کے لئے ضروری ہے۔

''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ہے:

رابعا– أن يكون رأس المال مسلماً إلى العامل: ليتمكن من العمل فيه ،ولأن رأس المال أمانة فی يده، فلا يصح إلا بالتسليم وهو التخلية كالوديعة. ولا تصح المضاربة مع بقاء يد رب المال على المال ، لعدم تحقق التسليم مع بقاء يده. ويترتب عليه أنه لو

---

(۱) الدر المختار: ۶/ ۶۰ ،ط: سعيد كراچى) [وقد مر تفصيلاً.

شرط بقاء يد المالک على المال فسدت المضاربة.(۱)

اور اگر یہ بینک شریک ہے تو یہ مالِ شرکت میں تصرف ہوا، کیونکہ شرکت مال سے ہوتی ہے، اور جب مال نہ رہا تو شرکت بھی نہیں رہے گی۔ اور اگر سارا مال نہیں نکالا بلکہ کچھ حصہ نکالا، تو رأس المال کے مجہول ہونے کی بناء پر سابقہ شرکت ختم ہو جائے گی اور مابقیہ سرمایہ کے تناسب سے نیا عقد شرکت کرنا ضروری ہے اور وہ کیا نہیں جاتا۔ لہٰذا اس طرح عقد جائز نہیں رہتا۔

شرکۃ ومضاربۃ میں منافع کی تعیین اور تناسب:

منافع کی تعیین اور تناسب بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم ارشاد فرماتے ہیں:

> ”مضاربہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فریقین، بالکل شروع میں، حقیقی منافع کے خاص تناسب پر متفق ہوں، جس کے مطابق رب المال اور مضارب میں سے ہر ایک منافع کا مستحق ہوگا“۔(۲)

---

(۱) الفقه الاسلامي وادلته، المبحث الثاني، شركة المضاربة: ۴/ ۸۴۶. ط: دار الفكر بيروت.

(۲) اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص: ۵۰۔ مزید تفصیل کے لئے جواہر الفتاویٰ ج:۳ ص: ۲۴۸ تا ۲۷۲ ملاحظہ ہو۔

منافع کی تقسیم کا طریقۂ کار:

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''لہٰذا بنکوں کی شرکت ومضاربت میں نفع کی تقسیم کا ایک
> اور طریق کار بعض حلقوں کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے، جس کو
> اکاؤنٹنگ کی اصطلاح میں ''**الحساب الیومی**'' یا روزانہ پیداوار
> پر مبنی حساب (Daily Product Basis) کہا جاتا ہے''۔(۱)

مولانا مدظلہم کے بقول اس ترتیب کے مطابق فی روپیہ فی یوم منافع کے اوسط پر منافع کی شرح سے نفع تقسیم کیا جاتا ہے، مگر نفع کی اس ترتیب سے تقسیم پر خود مولانا مدظلہم نے اشکال فرمایا ہے کہ بلا شک اس صورت میں نفع کی تقسیم محض تقریبی اور تخمینی ہوگی، اس بات کا اندیشہ ہے کہ کسی کے حقیقی نفع کا کچھ حصہ دوسرے کے پاس چلا جائے، اور اسی طرح کسی کا نقصان بھی دوسرے کے کھاتے میں چلا جائے مگر ساتھ ہی اس اشکال کا جواب یہ نقل کیا جاتا ہے کہ شرکت میں شرکاء کے اموال مشاع طور پر مخلوط ہو جاتے ہیں، لہٰذا نفع کی تقسیم کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ہر ایک کے سرمایہ سے حقیقی نفع کیا ہوا، بلکہ تمام مجموعہ سرمائے سے جو مجموعی نفع ہوا ہو، وہ تقسیم ہوتا ہے، حالانکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ایک کے سرمائے سے نفع حاصل ہوا ہو، اور دوسرے کے سرمائے سے بالکل نفع نہ ہوا ہو، معلوم ہوا کہ نفع کی حقیقی تقسیم شرکت میں مطلوب نہیں، تقریبی تقسیم بھی کافی ہے، بشرطیکہ تمام شرکاء اس پر راضی ہوں، لہٰذا مروجہ طریقے پر شرح نفع کی تقسیم کی شرعاً گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(۲)

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۱۳۶۔
(۲) تلخیص از جدید معیشت وتجارت۔

تبصرہ:

ہمارے خیال میں شرکہ ومضاربہ میں نفع کی تقسیم کے حوالہ سے حضرت مدظلہم کا مقدم الذکر فقہی اصول (مضاربہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فریقین بالکل شروع میں حقیقی منافع کے خاص تناسب پر متفق ہوں) ہی درست اور موافق شرع ہے۔

بعض حلقوں کی طرف سے پیش کردہ تجویز اور اس کی توجیہ وتأویل دونوں فقہی رو سے ناقابل فہم ہیں، اس لئے کہ اس تجویز کا تعلق مشارکہ کی صرف ایک صورت سے ہوسکتا ہے کہ جب مشارکہ کے شرکاء نے ایک ساتھ ایک مدت کے لئے رقوم جمع کرائی ہوں، ایسے مشارکہ کی رقوم کا مخلوط ہونا اور سرمایہ کاری میں لگنے والی خاص رقوم کی تعیین اور تمیز کا ناممکن ہونا، یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکنا کہ کس کی رقم استعمال ہوئی ہے اور کس کی رقم استعمال نہیں ہوئی، یہ تو سمجھ میں آتا ہے، اس لئے اس نوعیت کے مشارکہ سے حاصل شدہ منافع میں **لاعلی التخصیص** تمام شرکاء کا حق تسلیم کرنا مجبوری ہوسکتا ہے۔

لیکن یہ صورت چونکہ عملاً بینکاری میں نافذ ہوتی ہے نہ ہی اس کا امکان ہے، کیونکہ بینک کے سارے کھاتہ دار ایک ہی وقت میں اور ایک ہی مدت کے لئے مشارکہ یا مضاربہ کرنے آئیں، ایسا قطعاً ناممکن ہے، اسی دشواری کے پیش نظر مالیاتی ادارے رواں کھاتے (Current Account) کھولتے ہیں، بلکہ بینک کے کھاتہ دار مختلف اوقات میں مختلف مدتوں کے لئے مشارکہ اور مضاربہ کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں، ایسے شرکاء اور پہلی قسم کے شرکاء والے مشارکہ میں صورتحال کی طرح حکم میں بھی فرق کرنا ضروری ہے۔

ہمارے خیال میں پہلی صورت کے اندر سرمایہ کاری میں لگنے والی رقوم اور

استعمال نہ ہونے والی رقوم میں خلط کی وجہ سے یہ تعیین مشکل تھی کہ کس شریک کی رقم استعمال ہوئی اور کس کی نہیں ہوئی، لیکن دوسری صورت میں اس قسم کی کوئی دشواری اور مشکل نہیں، مثلاً کسی اسکیم میں ایک سال سے شرکاء کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ ابتدائی شرکاء نے بالکل شروع سے سرمایہ لگا رکھا ہے اور ایک یا چند شریک چھ ماہ بعد اس اسکیم کے حصہ دار بنتے ہیں تو اس چھ ماہ کے عرصہ میں تو بعد والے شرکاء کے اموال خلط ملط نہیں ہوئے، انہیں حقیقی کی بجائے تخمینی و تقریبی نفع دینے کے لئے ''خلط'' کا عذر کیسے پیش کیا جا سکتا ہے؟ عموماً بینکوں میں یہی دوسری صورت ہی رائج ہوتی ہے، چنانچہ اسکیم کی اختتامی مدت سے پہلے جو بھی شریک حصہ دار بنتا رہے وہ اسکیم کے منافع میں تخمینی طور پر شریک ہوتا رہتا ہے، حالانکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اب تک ہونے والی سرمایہ کاری میں آنے والے شریک کی رقم استعمال نہیں ہوئی، پھر بھی ہم ''خلط'' کا بہانہ بنا کر یہ کہیں کہ یہ تعیین ناممکن ہے کہ یقینی طور پر کس کا سرمایہ استعمال ہوا اور کس کا نہیں ہوا، بظاہر اس تجویز میں کوئی معقولیت نہیں ہے اور اس کی توجیہ اور تأویل میں بھی کوئی ''نفع'' نہیں ہے۔ اسی طرح نقصان کا ذمہ دار بھی بعد میں آنے والا شریک نہیں بن سکتا۔

دوسرے یہ کہ خلط، عدم تعیین اور تخصیص وتمیز کی دشواری کا عذر ''شرکہ'' کی بعض صورتوں میں تو پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ شرکت میں بعض فقہاء کرام کے نزدیک، شرکاء کو اپنی کل تعداد اور سرمایہ کی کل مقدار کا ابتداءً تفصیلی علم ہونا ضروری نہیں ہوتا (اجمالی بہرحال ضروری ہوتا ہے)، جبکہ مضاربت میں ابتداء سے آخر تک کل سرمایہ کی تعیین اور تمیز ضروری ہوتی ہے، کیونکہ مضارب کا حق طے شدہ معاہدے کے مطابق صرف نفع میں ہوتا ہے، جبکہ رأس المال اور بقیہ نفع رب المال کا ہوتا ہے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ رأس المال کیا اور کتنا ہے اور نفع کتنا ہے؟ اس لئے ''مضاربت'' میں تخمینی وتقریبی نفع کی بات ہو ہی

نہیں سکتی، کیونکہ اگر مضاربت میں بالکل شروع میں حقیقی منافع کے خاص تناسب پر فریقین کا اتفاق نہ ہوتو ''مضاربت'' شرعاً درست نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ ''ربح'' ہے، معقود علیہ (ربح) جب غیر معلوم ہوتو عقد فاسد ہوا کرتا ہے۔

ففی الهندية: وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلاً للوكالة، كذا فی المحيط، وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولاً تفسد الشركة... الخ (١)

وفی البدائع: ولو شرطا فی العقد أن تكون الوضيعة عليهما بطل الشرط، والمضاربة صحيحة، والأصل فی الشرط الفاسد إذا دخل فی هذا العقد أنه ينظر إن كان يؤدی إلی جهالة الربح يوجب فساد العقد،لأن الربح هو المعقود عليه، وجهالة المعقود عليه توجب فساد العقد،وإن كان لايؤدی إلی جهالة الربح، يبطل الشرط وتصح المضاربة ... الخ (٢)

اس بناء پر ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شرکت میں نفع کی تقریبی تقسیم کو کافی فرمانا، بجا نہیں ہے، کیونکہ تقریبی نفع کے کافی ہونے کا تعلق شرکت کی ایسی مخصوص قسم سے ہوسکتا ہے جو مروجہ بینکاری میں رائج ہے نہ ہی ممکن، باقی شرکت کی وہ اقسام جہاں ''خلط'' کا عذر غیر معقول ہو یا معاملہ مضاربت کا ہو تو وہاں نفع کی تقریبی و تخمینی تقسیم کو کافی قرار دینا شریعت اسلامیہ کے مطابق معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ بجز ایک آدھ استثنائی صورت کے شرکت

(١) الهندية: ٢/٢٠١-٢٠٢، ط: رشيديه كوئٹه.

(٢) بدائع الصنائع: ٦/٨٦۔ ط: سعيد كراچی.

ومضاربت کا اصل اصیل یہی ہے کہ متعاقدین کو نفع کی حقیقی شرح کا علم ہو ورنہ یہ معاملہ معقود علیہ (ربح) کے مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہوگا۔ واضح رہے کہ کسی غیر شرعی طریقۂ تجارت پر محض مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور رضامندی سے حلت اور جواز پیدا نہیں ہوجاتا۔

''حدیث شریف'' میں ہے:

''عن أبی هريرة قال :قال رسول الله ﷺ: الصلح جائز بين المسلمين. زاد أحمد :''إلّا صلحاً حرّم حلالاً.'' زاد سليمان بن داؤد :''وقال رسول الله ﷺ :المسلمون على شروطهم. ''(۱)

نفع کی تقسیم میں وزن (Weightage) کا طریقۂ کار:

مختلف شرکاء کے درمیان نفع کی مختلف شرحیں طے کی جاسکتی ہیں، اس بنیاد پر یہ فرمایا جاتا ہے کہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق ''ویٹیج'' (Weightage) (وزن) دینا درست ہے۔(۲)

(۱) ابوداؤد .باب فی الصلح :۲/۱۵۰. ط:رحمانيه.

وكذافی البخاری، باب أجرة السمسرة:۱/۳۰۳۔ ط: قديمی كراچی.

وكذا فی عمدة القاری:۱۰/۸۶. ط: مصطفیٰ البابی الحلبی مصر.

وكذا فی فتح الباری : ۴/۴۵۱. ط:رئاسة اداراة بحوث العلميه بالمملكة العربية السعودية

(۲) جدید معیشت وتجارت ص:۱۳۷

تبصرہ:

ہماری سمجھ کے مطابق مختلف شرکاء کے درمیان نفع کی مختلف شرحوں کی حد تک ''وزن'' دینے کا مفہوم، نفع کی مختلف شرح کی مثال تسلیم کیا جاسکتا ہے، مگر ''ویٹیج''(Weightage) کے اصل مفہوم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اسے نظر انداز کرتے ہوئے مطلقاً اس سسٹم کو جائز قرار دینے سے کئی ناجائز راستے بھی کھل سکتے ہیں، ''ویٹیج''(Weightage) کا اصل مفہوم، جس کی تعبیریوں کی جاسکتی ہے کہ ''مدت کے اعتبار سے رقم کی ویلیو(Value) مقرر کرنا''، آیا یہ قضیہ درست بھی ہے اور شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر اسے مطلقاً صحیح مان لیا جائے تو اس کے مزید خطرات کیا ہو سکتے ہیں؟ اس پر بھی غور فرمانا چاہیئے!

ویٹیج پر سرِ دست مختصر تبصرہ یہ ہے کہ کسی فرم یا پروجیکٹ میں تاخیر سے شریک بننے والے یا مقررہ مدت سے پہلے مشارکہ ختم کرنے والے شریک کو ''ویٹیج'' کی بنیاد پر نفع دینا، بنیادی طور پر ''شبہۃ الربا''، اور حقیقت ونتیجہ کے اعتبار سے حقیقی کی بجائے تخمینی، تشکیکی اور تردیدی نفع کی صورت بنتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ''وزن'' دینا، مال غیر کو ناجائز طریقۂ کار اور ضابطوں سے ہتھیانے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔ اور یہ ''أکل بالباطل'' کے زمرے میں آسکتا ہے۔

'' وماروی عن ابن عباس والحسن رضی اللہ عنہم :أن الباطل هو كل ما يؤخذ من الإنسان بغير عوض'' (۱)

لہٰذا اسے مطلقاً جواز فراہم کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

---

(۱) التفسیر الکبیر: ۱۰/۶۹-۷۰، الطبعۃ الثالثۃ۔

قبل از وقت مشارکہ ختم کرنا:

مشارکہ میں مقررہ مدت پوری ہونے سے قبل مشارکہ ختم کرنے والے کو اپنا حصہ کم قیمت پر کمپنی یا کسی شریک کو فروخت کرنے پر مجبور کرنا شریعت کے مطابق نہیں ہے، اپنا حصہ کم قیمت پر فروخت کرنے کے معاملہ میں ''**ضع وتعجل**'' کی خرابی بھی لازم آتی ہے، کیونکہ شرکت میں تو شریک کو ویسے ہی پہلے سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنا اصل سرمایہ اور اب تک کا نفع طے شدہ شرح کے مطابق لے کر معاملہ شرکت سے الگ ہوجائے، مروجہ مشارکہ میں شریک کے اس شرعی حق کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اسے اپنا حصہ بیچنے بلکہ کم قیمت پر بیچنے پر مجبور کرنا، نیز نفع بھی حقیقی کی بجائے تخمینی دینا، معاملۂ شرکت کے بنیادی اصولوں کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز اور فاسد ہے، اور اوپر باحوالہ بیان ہوچکا ہے کہ معاملاتِ فاسدہ کے اَرباح (منافع) بھی ''**أكل بالباطل**'' کے زمرے میں آتے ہیں، جوکہ حرام ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہاں شرکتِ شرعیہ کے ایک اہم اصول کو نظر انداز کیا جارہا ہے وہ یہ کہ اگر شرکاء میں سے کوئی شریک اپنا رأس المال اور شرکت سے نکلنے کے وقت تک کا حاصل شدہ نفع لیکر الگ ہونا چاہے تو شرعاً یہ ہوسکتا ہے، خواہ اس کا مال جس کیفیت میں بھی ہو وہ لے سکتا ہے۔

اب یہاں پر اسلام کی طرف منسوب بینکوں کا امتحان لیا جاسکتا ہے کہ اگر انہوں نے رب المال کا سرمایہ کسی حقیقی کاروبار میں لگایا ہوا ہو، اور وہ (رب المال) اپنے سرمایہ کے بقدر معاملۂ شرکت میں سے اپنا حق اثاثوں کی صورت میں لینا چاہے تو کیا اس کا یہ

مطالبہ پورا ہوسکتا ہے؟ اگر آپ اس کا حق رقم کی واپسی کی صورت میں دینا ضروری سمجھتے ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اسلام کی طرف منسوب بینک بھی روایتی بینکوں کے سودی قرضوں کے لین دین پر سرمایہ کاری کرتے ہیں، ان کا حقیقی کاروبار نہیں ہوتا بلکہ فرضی ہی ہوتا ہے۔ اور یہی بات پروفیسر عمر لطیف صاحب نے اپنے مضمون میں لکھی ہے۔

> ''اسلامی بینک قرضہ جاری کرتے وقت قرضہ طلب کرنے والے کے پروجیکٹ (Project) کا اقتصادی اصولوں پر مفید ومنافع بخش ہونے کی تشخیص کرتی ہے اور قرضے کی واپسی کی حفاظت کے لئے Collateral وغیرہ کو یقینی بناتی ہے کم وبیش یہ تشخیص وتحفظات وہی ہیں جو غیر اسلامی بینکوں نے تجویز کی ہیں، کہ اس ضمن میں ان کا تجربہ بہت ہے، طویل ہے، لہٰذا مہارت ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ طریقہ کار میں کچھ رد وبدل ہے وہ کوئی امتزاجی نہیں مگر (Procedural) ہے تنظیمی طور پر کچھ رد وبدل اس کی روح کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ (غیر مطبوع تحریر)

تیسری بات یہ کہ مقررہ میعاد سے قبل مشارکہ ختم کرنے والے کو اپنا حصہ نقد کی صورت میں وصول کرنے پر مجبور کرنا اور یہ کہنا کہ وہ اپنا حق ہر حال میں دوسرے شریک کو فروخت کرے۔ اگر بقول آپ کے یہ خرید وفروخت ہے تو اصطلاحاً یہ عقد بیع ہے، بیع میں متعاقدین کا ہونا ضروری ہے، یہاں بائع (فروخت کنندہ) تو موجود ہے، لیکن خریدار موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خریدار سب شرکاء ہونگے اور ان کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہیں ہوا، یعنی ایجاب کے بعد قبول نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ معاملہ بیع نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ شرکاء کی رضامندی پیشگی حاصل ہوسکتی ہے اور شخص قانونی شرکاء کا وکیل بن کر

معاملہ کرار ہا ہے، تو شخص قانونی کی اہلیت سے قطع نظر از راہِ امتحان یہ سوال ہوسکتا ہے کہ شخص قانونی (یا اس کے اعضاء وارکان) قبل از وقت مشارکہ ختم کرنے والے شخص کا حصہ بقیہ شرکاء کے لئے جب خریدتا ہے تو کیا اس خریداری کی وجہ سے بقیہ شرکاء کے حصوں میں کوئی اضافہ ہوتا ہے؟ اور انہیں دیا بھی جاتا ہے؟ صداقت و دیانت کے ساتھ اس کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟

ے کاریست کہ آسان نیست

بہرکیف دیانتداری کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو حقیقی معنوں میں اسلامی اصولوں کے قریب لانے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا۔

شرکۃ متناقصہ کی عقدی حیثیت:

(Transaction Value of Diminishing Musharakah)

شرکتِ متناقصہ فقہ اسلامی میں نامانوس اصطلاح ہے، اگر بالفرض معنی اور مفہوم کی صحت کے ساتھ اسے استقراء کے ''حوض'' میں ڈالا جائے تو شرکۃ متناقصہ کی بنیاد پر جو معاملہ فریقین کے درمیان ہوگا وہ معاملہ اصل کے اعتبار سے اجارہ ہوگا یا بیع یا شرکت؟ اگر یہ کہا جائے کہ تینوں ہیں اور مختلف مراحل میں انجام پذیر ہوتے ہیں، تو اسے تسلیم کر لینے کے باوجود یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ یہ مختلف عقود، حقیقۃً وعملاً ایک دوسرے پر موقوف اور آپس میں مشروط ہیں، ان کا باہمی موقوف اور مشروط ہونا، ان کو الگ الگ باور کرانے کی دوراز کار تأویلوں سے بدرجہا واضح اور روشن ہے۔ اس لئے ''شرکۃ متناقصہ'' کو بطور تمویلی طریقہ کار اپناتے ہوئے ''بیع وشرط'' اور ''صفقات فی صفقة''، جیسی واضح نصوص کو یکسر

نظر انداز کرنے کا طریقہ جائز نہیں ہے، بلکہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح طور پر ثابت ہورہا ہے کہ مختلف عقود میں شرکت متناقصہ کا معاملہ ممنوع بیوع اور مکاسب میں شامل ہے۔فقولھم:

''ومنها (أی الثنیا)أن یقصد بهذاالبیع معاملةأخری یترقبها فی ضمنه أو معه لأنه إن فقد المطلوب لم یکن له أن یطالب ، ولا أن یسکت ، ومثل هٰذا حقیق بأن یکون سبباًللخصومة بغیر حق، ولایقضی فیها بشیء فصل.(۱)

ترجمہ:''اور از انجملہ : یہ کہ قصد کیا جائے اس بیع سے کسی ایسے دوسرے معاملہ کا جس کا وہ انتظار کرتا ہے بیع کے ضمن میں یا بیع کے ساتھ:اس لئے کہ اگر اس نے مطلوب کو گم کیا: تو اس کے لئے حق نہیں ہوگا کہ مطالبہ کرے،اور نہ یہ کہ خاموش رہے۔اوراس طرح کی چیز اس بات کے لائق ہے کہ وہ ناحق خصومت کا سبب بن جائے۔ اوراس خصومت میں کسی دوٹوک بات سے فیصلہ نہ کیا جاسکے''(۲)

---

(۱)حجة اللّٰه البالغة باب النهی عن بعض البیوع والمکاسب :۱۹۹/۲،ط: بیروت.

(۲)رحمۃ اللہ الواسعۃ:۵۷۰/۴،ط:زمزم پبلیشرز۔

فصل سوم

مرابحہ مؤجلہ/اجارہ بطور تمویلی طریقۂ کار

(Murabahah and Ijarah As A Financing mode)

آج کل عام طور پر اسلامی بینکوں میں بطور تمویل (Mode of Financing) جو معاملات رواج پذیر ہیں وہ تین طرح کے ہیں:

۱-مرابحہ مؤجلہ ۲-اجارہ، ۳-شرکۃ متناقصہ۔

ان میں سے پہلے دو طریقے تو مروجہ اسلامی بینکوں کے تمویلی طریقہ کار کی بنیاد ہیں، اور تیسری قسم (جس کی عقدی حیثیت اوپر گذری) کو شرکت کہتے ہوئے اس لئے تمویلی طریقہ کے طور پر ان بینکوں میں قبول کیا گیا ہے کہ اس میں بھی اجارہ کا نفع بخش عنصر پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم ایک سے زائد مرتبہ یہ عرض کر چکے ہیں کہ ہم اسلامی بینکاری کی بنیادوں کی تفصیلی جزئیات سے بحث کے بجائے صرف چند بنیادی اصول اور امور ہی کو لے لیں تو بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ہمارا اختلافی نقطۂ نظر واضح ہوسکتا ہے، مثلاً یہ دیکھا جائے کہ آیا مرابحہ اور اجارہ اپنے شرعی اور فقہی مفہوم کے ساتھ تمویلی طریقِ کار ہیں یا نہیں؟ اگر بن سکتے ہیں تو انہیں مستقل بنیادوں پر تمویلی طریق کار کی حیثیت سے اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں اہل علم کے جو نقطہائے نظر ہماری نظر سے گزرے ہیں وہ تین طرح کے ہیں:

پہلا نقطۂ نظر:

پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مرابحہ مطلقہ، مرابحۂ مؤجلہ اور اجارہ (نیز شرکت متناقصہ) یہ عقود شرعاً مستقل تمویلی طریقے نہیں ہیں، جو مالیاتی ادارے یا بینک ان طریقوں کو سرمایہ کاری کے لئے اختیار کرتے ہیں، وہ صرف اور صرف اس لئے کہ حرام سود کو حلال بنانے کے لئے یہ طریقے بہترین پُل کا کام دے سکتے ہیں، سود کو حلال کہنے کا اس سے آسان حیلہ بیوع کی اقسام میں سے کسی اور قسم کے ذریعہ سے نہیں بن سکتا، اس لئے یہ اہلِ علم حضرات اسے سراسر فاسد اور باطل حیلہ کہتے ہیں۔ یہ حضرات یہاں تک فرماتے ہیں کہ ان حیلوں کو اسلام کے نام پر جائز کہنا اسلام پر ظلم اور اس کی توہین ہے اور یہ کہ اس حدیث نبوی کا مصداق ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ بیع کے نام پر ربوٰ کو حلال بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہ رائے اپنی جگہ خوب وزنی ہے اور حدیث مذکور کے مصداق کی طرف دعوتِ فکر بھی ہے۔(۱)

دوسرا نقطۂ نظر:

یہ نقطۂ نظر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا ہے، ان کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ مرابحہ اور اجارہ بنیادی طور پر طریقۂ تمویل نہیں ہیں، بلکہ مرابحہ بیع کی ایک خاص قسم ہے، جبکہ اجارہ ایک سادہ معاہدہ ہے۔ شریعت کی رو سے تمویل کے مثالی طریقے مشارکہ اور مضاربہ ہیں، البتہ مرابحہ و اجارہ کو طریقۂ تمویل کے طور پر بھرپور احتیاط کے ساتھ

(۱) ماخوذ از متبادل سودی نظام کے دعوے، عنوان: پاکستان میں بلاسود بینکاری کا مسئلہ ص:۶۸۔

عبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی پوری ذمہ داری سے یہ ضروری وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ:

''محض اجارے کا لفظ دیکھ کر کسی معاملے کو شرعی نہیں قرار دے دینا چاہئے، اس لئے کہ آج کل عموماً اجارے کے جو معاملات ہوتے ہیں، ان میں اجارے کی حقیقت موجود نہیں... لہذا آج کل عموماً حقیقی اجارہ نہیں ہوتا، اصل مقصد تو سود پر قرض دینا ہی ہوتا ہے، مگر ٹیکس میں بچت کرنے کے لئے اجارے کا نام دیدیا جاتا ہے اس طرح کے معاملات شرعاً جائز نہیں'' ......(۱)

مرابحۂ مؤجلہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''اسلامی بینکوں میں اس طریقے پر بڑی وسعت کے ساتھ عمل ہو رہا ہے، لیکن یہ انتہائی نازک طریقہ ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔ آج کل بنکوں میں مرابحہ کی حقیقت کو سمجھے بغیر اور اس کی ضروری شرائط کی رعایت کئے بغیر اس پر عمل ہو رہا ہے، جس کے نتیجہ میں اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں''۔(۲)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

......یہ دو ذریعے (مرابحہ واجارہ) اصلاً شریعت میں طریقہ ہائے تمویل نہیں، علماء شریعت نے انہیں تمویل کے لئے استعمال کرنے کی اجازت صرف ان صورتوں میں دی ہے، جہاں

---

(۱) جدید معیشت اور تجارت ص:۱۳۹-۱۴۰، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی۔ (۲) ایضاً۔

مشارکہ قابل عمل نہ ہو اور یہ اجازت بھی خاص شرائط کے ساتھ دی ہے، اس اجازت کو دائمی ضابطے کے طور پر نہیں لینا چاہیئے، اور ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ بینک کے تمام معاملات مرابحہ واجارہ کے گرد گھومتے رہیں''۔(۱)

تبصرہ:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ان ارشادات اور ذمہ دارانہ و حقیقت پسندانہ تجزیوں کی روشنی میں ہم برملا یہ کہہ سکتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالہ سے ان کا مؤقف واضح ہے، اور یہ کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے عملی طریقۂ کار میں جن نزاکتوں، کوتاہیوں، غفلتوں اور خرابیوں کی نشاندہی وہ شروع سے فرماتے چلے آرہے ہیں، وہ تاحال تشنۂ توجہ ہیں۔

مروجہ اسلامی بینکاری میں ''مرابحہ'' و ''اجارہ'' کے تمویلی عنصر اور ان کے غیر دائمی، عارضی حیلے ہونے اور ان کے منفی اثرات ونتائج پر مبنی خدشات کی بابت ہمارا مؤقف حضرت مدظلہم کے موقف کی طرح ہے، لیکن ہم اپنے موقف کی وضاحت سے قبل مرابحہ واجارہ کے تمویلی طریقہ کار کے متعلق تیسرا نقطۂ نظر ذکر کرتے ہیں:

تیسرا نقطۂ نظر:

جسے شعوری بھی کہہ سکتے ہیں اور لاشعوری بھی، وہ یہ کہ مرابحہ اور اجارہ ایسے قابل عمل

(۱) اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص:۲۴۹، ط: مکتبہ عارفی فیصل آباد۔

طریقۂ ہائے تمویل ہیں، جن پر مروجہ اسلامی بینکاری کا انحصار اور مدار ہوسکتا ہے، ان لوگوں کا عملی نظریہ یہ ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ اجارہ ومرابحہ اسلامی بینکاری کے لئے اصل بنیاد نہیں ہیں، بلکہ اصل بنیادوں (مشارکہ ومضاربہ) کی طرف پیش رفت کی راہ میں رکاوٹ ہیں، اوران کا دائمی رواج بھی اسلامی بینکوں کوسودی بینکوں کی فہرست کی طرف دھکیل رہاہے، اس لئے اسلامی بینکاری کی بنیادوں سے اجارہ ومرابحہ کو حذف کردینا چاہیئے، تاکہ ہمارے مسلمان غیرسودی بینکار مشارکہ ومضاربہ کے طریقہ ہائے تمویل کو بھی ذرا وسعت کے ساتھ آزمانے پر آمادہ ہوسکیں، یہ حضرات اس قسم کے مشوروں پر غور فرمانے کی بجائے بہت سارے کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کو یہ سمجھانے کے لئے مقالات تحریر کرنے شروع کردیتے ہیں کہ جناب! مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ اوراجارہ شریعت اسلامیہ کے تقاضوں، اصولوں اور حکموں کے عین مطابق ہے، ان پر کسی قسم کے اشکال کی کوئی گنجائش نہیں، وہ یہ تک باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مرابحہ واجارہ اور شرکت متناقصہ کے حوالے سے جو جو اشکالات (واردہ یا ممکنہ) ہیں، وہ غیر حقیقت پسندانہ ہیں، بلکہ جذبات میں آکر اس قسم کے اشکالات کو غیر عالمانہ اور معاندانہ بھی کہہ دیتے ہیں، اور یہ باور کرنے کی کوشش ہوتی ہے، کہ مروجہ اسلامک بینکنگ سے متعلق ہر اشکال قابلِ جواب ہے۔ (۱)

عذرِ گناہ بدتر از گناہ:۔

حالانکہ ہم یقین سے یہ کہہ سکتے ہیں یہ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے جن تمویلی طریقوں (مرابحہ واجارہ وغیرہ) کے تعارف، تجزیہ اور دفاع پر وہ اپنی تمام تر قلمی صلاحیتیں اور علمی بحثیں صرف فرمارہے ہیں، وہ تو اصل محنت کی چیز ہیں ہی نہیں،

(۱) ملاحظہ ہو ’’اسلامی بینکاری ایک حقیقت پسندانہ جائزہ‘‘۔

آپ کی اس محنت کا مقصد کیا ہے؟ ہم اپنے ان بھائیوں کی خدمت میں اخلاص سے بھرپور جذبۂ نصح وخیر خواہی کے تحت صرف دو باتیں عرض کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ مرابحہ، اجارہ، اوراجارہ کے عنصر پر مشتمل شرکۃ متناقصہ ایسے، جن طریقہ ہائے تمویل کے دفاع اور تائید **یزید ولا ینقص** پر آپ کمر بستہ ہیں، انہیں بلاشبہ عبوری دور کے لئے وقتی حیلوں کے طور پر اختیار کروایا گیا تھا، یہ اسلامی بینکاری نظام کی مستقل بنیاد نہیں تھیں، آپ کے اس طرز عمل سے بینکار لوگ یہ مضبوط حجت پکڑ رہے ہیں کہ مرابحہ واجارہ اسلامی بینکاری کے عارضی نہیں بلکہ دائمی طریقہ ہائے تمویل ہیں، اگر کل کو آپ ان کے منہ سے ''لگی'' چھڑانا چاہیں تو بھی نہیں چھڑا سکیں گے، کیونکہ جو پیٹ ایک دفعہ مرابحہ واجارہ کے وافر نفعوں سے بھرنے کا عادی بن گیا، وہ شرکۃ ومضاربۃ کے محدود نفعوں سے کبھی شکم سیر نہیں ہو سکے گا، اور نہ ہی ان کے نقصان کے اندیشوں کا متحمل ہو سکے گا۔ **۲۲**/جنوری **۲۰۰۸**ء کا مولانا مدظلہم کا ارشاد اور اس کے بعد ایک مجلس میں اسی ارشاد کا اعادہ اس کی تازہ اور واضح دلیل ہے۔

دوسری بات یہ کہ جس طرح مرابحہ واجارہ کو وقتی حیلوں کے طور پر عبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے گنجائش کے دائرے میں لایا گیا تھا، اگر شریعت محمدیہ اور فقہ اسلامی کی رو سے گنجائش کا یہ دائرہ اب سمٹتا ہوا ثابت ہو جائے، اور مرابحہ واجارہ کو مستقل طور پر طریقۂ تمویل بنا لینا ناجائز قرار دیا جائے تو ''مروجہ اجارہ ومرابحہ'' پر ان حضرات کی قلمکاری اور مدافعانہ حقیقت پسندی عذرِ گناہ کے زمرے میں آ سکتی ہے۔ ؎ عذر گناہ بدتر از گناہ.

فصل چہارم

مروجہ مرابحہ واجارہ کو بطور تمویلی طریقہ اختیار کرنے پر جمہور علماء کا مؤقف:

تمہید:

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ مرابحہ واجارہ کو اسلامی بینکاری کے لئے بطور تمویلی طریق کار کے اختیار کرنے کے بارے میں ہمارا مؤقف تقریباً وہی ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا ہے، اس حوالہ سے ان کے جو تحفظات، مایوسیاں اور خدشات اوپر نقل ہوئے ہیں، ہمارے بھی وہی خدشات اور تحفظات ہیں۔ اس لئے مرابحہ اور اجارہ کے حوالے سے مذکورہ تحفظات اور خدشات کی موجودگی میں مرابحہ اور اجارہ کا، فی زمانہ بطور طریقۂ تمویل اختیار کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اس سلسلے میں ہمارے مؤقف کا تجزیہ حسبِ ذیل پانچ اجزاء میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱- مرابحہ واجارہ مستقل تمویلی طریقے نہیں ہیں، محض ''حیلے'' (Legal devices) ہیں۔

۲- یہ حیلے علماء نے صرف مخصوص حالات اور وقتی وعبوری دور کے لئے بتائے تھے۔

۳- یہ بہت ہی نازک اور خطرناک حیلے ہیں، ذرا سی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔

۴- ان حیلوں کو دائمی نظام کے طور پر استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ غلط ہے، بلکہ

ناجائز بھی ہے۔

۵- اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کا حجم ختم ہونا ضروری ہے، ورنہ کوئی اسلامی بینک ''اسلامی بینک'' کہلانے کا حقدار نہیں ہوگا۔

مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ واجارہ کو بطور حیلہ استعمال کرنے کا شرعی حکم:

ذکر کردہ مسلمہ اصولوں کے عناوین: حیل و تتبع رخص، شبہۃ الربا، حلال وحرام، معاملات فاسدہ کا حکم اور تصحیح عقد کے اصولوں کی روشنی میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ واجارہ کو بطور طریقۂ تمویل اختیار کرنا تقریباً دس (۱۰) وجوہات کی بناء پر ناجائز ہے:

اول- سود کی حرمت اور شناعت، اللہ تعالیٰ کا واضح، صریح اور قطعی حکم ہے، جہاں ایسا حکم متوجہ ہو رہا ہو اس کے سامنے رخصتوں کا راستہ ڈھونڈنے کا جواز صرف کسی دلیلِ شرعی کے اقتضاء کی بناء پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ مروجہ اسلامی بینکاری یا اس کی ضرورت کو ہم اس پائے کی دلیلِ شرعی تسلیم کرنے سے قاصر ہیں کہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سود سے متعلق قطعی ومتواتر نصوص کے اقتضاء کو نظر انداز کرسکیں۔(۱)

دوم- مرابحہ اور اجارہ، سود کی وعیدوں اور حرمتوں سے فرار کے لئے ادنیٰ حیلے ہیں، حضور ﷺ سے نص صریح منقول ہے کہ ''تم (امت مسلمہ) بنی اسرائیل کی طرح اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو ادنیٰ حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے کی روش اختیار نہ کرنا''۔(۲)

---

(۱) دوسرا اصل ر ۵۔ (۲) دوسرا اصل ر ۱۔

سوم- سود سے کلی اجتناب، مطالبہ شرعیہ ہے، جن حیلوں سے مطالبہ شرعیہ سے اعراض وانحراف کا پہلو نکلتا ہو وہ شرعاً مذموم ہیں۔(۱)

چہارم- مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کا حیلہ عموماً بنیادی انسانی ضرورت کی بجائے خواہشات کے لئے استعمال ہو رہا ہے، اس نوعیت کے حیلے تشہی اور تلہی کی بناء پر ''اتباع ہوی'' کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں اس لئے ناجائز ہیں۔(۲)

پنجم- حیلے کا اپنی شروط اور آداب کے ساتھ جواز وقتی اور متحقق الوجود ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے، حیلوں کو خواہ جواز کے تقاضے پورے ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، مستقل عادت، دائمی نظام اور مستقل ضابطوں کے طور پر اختیار کرنا اور معمول بنا لینا نتیجۃً شرعی مزاج کی خلاف ورزی، اسلامی احکام سے فرار، اصل شریعت کا تعطل اور محرمات الٰہیہ (حلال کرنے) کے لئے بہانہ بن جاتا ہے، اس لئے ایسے حیلوں کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔(۳)

عجیب بات:

عجیب بات یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کے حیلوں کو صرف عبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے جائز کہا گیا تھا، لیکن اب عبوری دور ایسا ختم ہو چکا ہے کہ اجارہ ومرابحہ کے مدافعتی لٹریچر میں بھی لفظ عبوری بمشکل ہی نظر آتا ہے اور اجارہ ومرابحہ مخصوص حالات کی بجائے مستقل تمویلی طریقے کے طور پر رواج پذیر ہیں۔

(۱) دوسرا اصل/۲۔ (۲) دوسرا اصل /۵۔
(۳) (دوسرا اصل/۵۔ تیسرا اصل)

ہمیں حیرت ہے کہ اجارہ ومرابحہ ''لفظ عبوری'' اور وقتی دور سے میلوں آگے نکل چکے ہیں، مگر ہمارے نوجوان اسلامی بینکار اب تلک اسلامی بینکاری کے پہلے زینے پر ہی سایۂ حمایت بنے ہوئے ہیں۔

ششم۔ مرابحہ اور اجارہ کے مروجہ تمویلی طریق کار کے سو فیصد اسلامی اور خالص حلال طریقہ ہونے کا کوئی بھی دعویدار نہیں، کسی نہ کسی حد تک سود کے شبہ یا سود کے ساتھ مشابہت کے تقریباً سب ہی قائل ہیں، جس کا ادنیٰ حکم اشتباہ کا ہے، اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اجارہ اور مرابحہ کی بنیاد پر اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری سود کے شبہ، مشابہت اور اشتباہ کی وجہ سے ناجائز ہے، کیونکہ باب الربا میں ''شبۃ الربا'' حقیقتِ ربوٰ کا حکم رکھتا ہے۔ فقہاء کرام اور ہمارے اکابر نے بہت سارے معاملات کو شرعی بنیاد میسر آجانے کے باوجود ''ربوا'' کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز قرار دیا، نیز جس معاملہ میں حلت وحرمت کا پہلو یقینی طور پر متعین نہ ہوسکتا ہو وہاں مؤمنین کاملین کے ایمان کی معراج یہی ہے کہ ایسے معاملہ سے دست کش ہوجائیں۔(۱)

ہفتم۔ مرابحہ اور اجارہ کے کئی معاملات میں تصحیحِ عقد اور توسع کا سہارا لے کر قابل عمل بتایا گیا ہے۔ مثلاً اجباری تصدق وغیرہ، حالانکہ تصحیح عقد اور توسع کے قاعدے وہاں کارآمد ہوتے ہیں، جہاں صحت عقد کے بقیہ سارے تقاضے پورے ہورہے ہوں صرف ایک پہلو رکاوٹ بن رہا ہو، یعنی یہ رکاوٹ جزوی ہو کلی اور اصولی نہ ہو، جس مسئلہ کا کل اور اصل ہی صحیح ٹھوس بنیاد نہ رکھتا ہو یا اس معاملہ میں فساد کا پہلو غالب اور صحت کا پہلو مغلوب ہو تو وہاں تصحیحِ عقد یا توسع کا سہارا نہیں لیا جاسکتا۔(۲)

---

(۱) چوتھا اور پانچواں اصل ۔

(۲) ساتواں اصل۔

تبصرہ:

جبکہ اجارہ اور مرابحہ کی بذاتِ خود مستقل معاملہ کی حیثیت ہی تسلیم نہیں ان دونوں کا اپنا رواج پذیر ہونا اور کار آمد ہونا محض ''حیلہ'' ہے، اگر ہم حیلوں کے لئے بھی تصحیحِ عقد اور توسع کا سہارا لیں تو یہ بھکاری سے بھیک مانگنے کے مترادف ہوگا۔

ہشتم۔ جس طرح یہ بات قابل تسلیم ہے کہ اجارہ اور مرابحہ کو بطور ''حیلہ'' کے اختیار کیا گیا ہے، اسی طرح یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ جو معاملات حیلہ سازیوں پر مبنی ہوں وہ فساد سے خالی نہیں ہوتے، خواہ یہ فساد ''عقد'' کے انعقاد پذیر ہونے اور نفاذ وتمامیت میں رکاوٹ بنتا ہو یا نہ بنتا ہو، معاملات فاسدہ کے ذکر کردہ حکم کی رو سے مرابحہ اور اجارہ کو مروجہ اسلامی بینکوں میں بطور طریقۂ تمویل اختیار کرنا ''**أکل بالباطل**'' (دوسرے کے مال کو ناحق ہتھیانے) کے زمرے میں داخل ہے۔(۱)

نہم۔ بینکوں میں مروجہ مرابحہ اور اجارہ طویل المدتی ہوں یا قلیل المدتی بہرحال ''**بیوع إلی الآجال**'' (آئندہ مدتوں کی بنیاد پر طے پانے والے معاملات) کے قبیل سے ہیں، ایسے معاملات اکثر وبیشتر غرض وغایت اور نتیجہ کے اعتبار سے سود خوروں کے مفادات اور مقاصد کے تحفظ پر مبنی ہونے کی بناء پر ''معاملاتِ اہل الربا'' کہلاتے ہیں۔(۲)

اس لئے اہل علم کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ بیان کردہ شرعی وفقہی حیلے سود خوروں کے لئے بحرِ شریعت پار کر کے سود تک پہنچنے کے لئے کشتی یا پل کا کردار ادا کرنے والے نہ ہوں۔

---

(۱) چھٹا اصل۔ (۲) دسواں اصل۔

دہم۔ بینکوں میں مروجہ اجارہ اور مرابحہ چونکہ ایسے حیلے ہیں جن کے ذریعہ روایتی سودی بینکاری جیسے منافع اور فوائد، روایتی سودی بینکوں کے معیارات اور شرحوں کے مطابق مسلمان بینکاروں کو سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کرنا مقصود ہے، ایسے حیلوں کو ہمارے فقہاء کرام نے بڑی سختی کے ساتھ ناجائز فرمایا ہے جیسے مسلمہ اصولوں کے ضمن میں گزرا کہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ ان ہی اسباب ووجوہ کی بناء پر ''بیع عینہ'' کو ناجائز کہتے ہیں۔(۱)

تائیدِ مزید:

اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ ''ہنڈی'' (Bill of Exchange) کو سود کا حیلہ ہونے کی بناء پر (قیمت مثل سے زائد پر) ناجائز فرماتے ہیں، نیز ''تعویض عن الضرر'' کو صرف اس بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں کہ اس معاملہ کی سود کے ساتھ مشابہت ہے، اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ''بیع عینہ'' اور ہنڈی صحتِ عقد کے بنیادی تقاضے پورے کرنے کے باوجود کیوں ناپسندیدہ، ناجائز اور واجب الاحتراز ہیں؟ صرف اور صرف اس وجہ سے کہ یہ معاملے، سودخوروں کے مفادات کے تحفظ اور فاسد معاملات کو اسلامی لباس اور شرعی بیساکھی فراہم کرنے کا کام دیتے ہیں، یعنی اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان سودخور جس معاملے کو سود ہونے کی بنیاد پر اختیار کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتا ہے ان سہاروں کے بعد وہ سودی مقاصد بلا جھجک حاصل کر سکے گا۔

اس تفصیل کے بعد ہم پورے اطمینان اور شرحِ صدر کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ واجارہ کے سرمایہ کاری کے طور پر استعمال اور

(۱) ساتواں اصل۔

رواج کے لئے جو کوششیں اور تاویلیں کی گئی ہیں، وہ مروجہ اسلامی بینکاری کی طرف متوجہ ہونے والے سود کے اصل حکم کو پھیرنے کے لئے کی گئی ہیں، یہ طریقہ کم از کم ''تاویلِ فاسد'' کے حکم میں ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔(۱)

خلاصۂ بحث:

حاصل یہ نکلا کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں اجارہ اور مرابحہ کو بطور طریقۂ تمویل کے اختیار کرنے کے لئے از روئے شرع، حلت اور جواز کی کوئی قابل تسلیم بنیاد نہیں ہے۔ اس لئے مروجہ اسلامی بینکوں کے ساتھ مروجہ اجارہ اور مرابحہ کی بنیاد پر معاملات کرنا شریعت کے نام پر شریعتِ اسلامیہ کی خلاف ورزی اور پامالی ہے۔

؎ کارہا باخلق آری جملہ راست　　باخدا تزویر وحیلہ کے رواست

مروجہ اجارہ ومرابحہ پر چند جزوی اشکالات:

درج بالا معروضات سے یہ پہلو کافی حد تک واضح ہو چکا کہ اسلامی بینکاری جیسے تجدیدی انقلابی کارنامے کی بنیاد ''اجارہ اور مرابحہ'' جیسے حیلوں پر رکھنا، اسلامی شریعت سے مناسبت اور مطابقت نہیں رکھتا، اصل اساس اور بنیاد کے متزلزل ہوتے ہوئے اس بنیاد پر کسی عمارت کا قیام متصور نہیں ہوسکتا، اس لئے ہمیں اجارہ اور مرابحہ کی قابلِ اشکال جزئیات سے بحث کی عقلاً اور اصولاً کوئی حاجت نہیں، نہ ہی کسی اور کو ہونی چاہیئے۔

البتہ اپنے جدید اسلامی بینکاروں کی مصروفیت ومشغولیت اور دلچسپی کے لئے چند جزوی اشکالات بھی عرض کئے دیتے ہیں:

(۱) آٹھواں اصل۔

پہلا اشکال:

اسلامی بینکاری کی ابتدائی سفارشات میں یہ بات طے پائی تھی کہ بینک اپنے گاہک کو مرابحہ پر جو سامان (گاڑی وغیرہ) کسی گودام یا شوروم سے خریدوائے گا، بینک اپنے نمائندہ کو بھیجے گا جو عمیل (کلائنٹ) کے قبضہ کی تصدیق کرے گا اور قبضہ ثابت ہونے پر اس کا سرٹیفکیٹ دے گا۔(۱)

ہمارے خیال میں اس شرط سے دو نقد فائدے حاصل ہو سکتے تھے:

ایک تو گاہک کے جھوٹ اور فریب سے بچت، دوسرا یہ کہ قبضہ کی تصدیق کے لئے جانے والا نمائندہ مال کی خریداری میں بھی بینک کا نمائندہ بن جاتا اور ایک شخص کو بیک وقت ایک ہی عقد میں بائع اور مشتری بنانے کی نوبت نہ آتی، نیز ضمان اور قبضہ (Risk and Possission) کے اشکالات بھی جنم نہ لیتے، مگر نہ معلوم کس وجہ سے اس شرط کو ناگوار تکلف کے طور پر پہلے سہواً پھر عمداً نظرانداز فرمایا گیا، اس طرز عمل سے جو شکوک وشبہات جنم لے سکتے ہیں ان سے قطع نظر اتنا شکوہ تو بہرحال کیا جا سکتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے جو اختلافی تجاویز وسفارشات، بینکاری مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہوں ایسی تجاویز اور سفارشات کو روز اول سے سہواً یا عمداً نظرانداز کیا جاتا رہا ہے، اس نوعیت کی کئی اور مثالیں بھی ہیں۔

دوسرا اشکال:

''مرابحۂ فقہیہ'' اور بینکوں میں رائج مرابحہ میں بنیادی طور پر کوئی قابلِ تسلیم

---

(۱) احسن الفتاویٰ: ۷/۱۱۹، حاشیہ ط: ایچ ایم سعید کراچی پاکستان۔

مناسبت اور مماثلت نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ ''مرابحۂ فقہیہ'' بیع کی ایک خاص قسم ہے، جس میں بیچنے والا شخص بیچی جانے والی چیز کی لاگت صراحتاً بیان کرتا ہے، اور اس پر کچھ منافع شامل کر کے دوسرے شخص کو بیچتا ہے، جس کی تعبیر ''**المرابحة به(بما شری) مع فضل...... وله ضم أجرة القصارة والحمل ونحوها**'' یا ''**وهو بيع برأس المال وزيادة ربح معلومة للمشتری**'' (۱)**المرابحةنقل ماملكه بالعقد الاول بالثمن مع زيادة ربح.. ويجوز أن يضيف إلى رأس المال أجرة القصار والطراز والصبغ والنقل وأجرة حمل الطعام... الخ** (۲)وغیرہ الفاظ سے کی جاتی ہے، یعنی مثلاً سروس اور نقل وحمل کے اخراجات شامل کرتے ہوئے آگے فروخت کرنا فقہ کی اصطلاح میں مرابحہ کہلاتا ہے، اگر مرابحہ میں قیمتِ خرید فی الواقع متعین نہ ہوئی ہو، اضافی لاگت کا واقعی تعین نہ ہوا ہو تو ایسا عقد فقہی اعتبار سے ''مرابحہ'' نہیں ہوگا، بلکہ اگر ایسے عقد کو مرابحہ کا نام دیا گیا تو خیانت کے زمرے میں آئے گا، جس کے نتیجہ میں خریدار کو عقد، کالعدم کرنے، رد کرنے اور منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جس کی تعبیر فقہ میں ''**فإن ظهر خيانته فی المرابحه أخذه بثمنه أو رده**''(۳) کے الفاظ سے کی جاتی ہے۔

اس کے بعد ''مرابحہ بنوکیہ'' کی طرف آیئے جس کے ممکنہ دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ مثلاً بینک اپنے گاہک کو اپنے معاہدات اور قواعد کے مطابق کسی ایسے شوروم میں بھیج دے جہاں پہلے سے مال (گاڑی وغیرہ) تیار موجود ہو، گاہک طے شدہ طریق کار کے مطابق وہاں سے مال حاصل کرلے اور دوسرا طریقہ یہ کہ مال فی الحال بینک

---

(۱) مختصر الوقايه مع شرحه : ۶۷/۲. ط:بيروت.

(۲)هداية باب المرابحة والتولية:۳/۷۴،۷۵-ط:رحمانيه لاهور.

(۳) مختصر الوقايه مع شرحه:۶۸/۲.

کی دسترس یا کسی شوروم میں موجود نہیں بلکہ بینک مقامی یا بیرونی مارکیٹ سے منگوا کر اپنے طریقہ کار کے تحت مقرر وقت پر سپرد کرے گا۔

اگر بینک اپنے گاہک کو پہلے طریق کار کے مطابق مال فروخت کرتا ہو تو یہ معاملہ مرابحہ فقہیہ (اصطلاحی مرابحہ) نہیں کہلائے گا کیونکہ بالفرض ہم مرابحہ کے نام سے بینک کی خرید وفروخت کو شرعاً ''بیع'' تسلیم کر بھی لیں تو بھی اس ''مبیع'' (فروخت شدہ چیز) کو گاہک پر بطور مرابحہ بیچنے کے لئے ضروری ہوگا کہ اس مال پر بائع (فروخت کنندہ/ بینک) واقعۃً اپنا معین مال خرچ کر چکا ہو یا معین مال کا ذمہ اپنے اوپر (بصورت ادھار) لے چکا ہو، (اگر اس کے ساتھ اضافی لاگت کو بھی شامل کرنا ہو تو اس کا نام ونشان ہے ہی نہیں، بلکہ کھلم کھلا خیانت ہے) جبکہ بینک اور گاہک کے درمیان جو قابل اعتبار معاہدہ ہوتا ہے وہ مطلوبہ مرابحہ منعقد ہونے سے بیشتر ہو چکا ہوتا ہے۔

فائدہ:

یہ معاہدہ قانوناً وعرفاً بینک اور گاہک کے درمیان طے پانے والا ''عقد مرابحہ'' کہلاتا ہے، کیونکہ اسی معاہدہ کی روشنی میں معاملے کے سارے مراحل طے ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت معاملے کے وقوع پذیر ہونے پر ثبوت اور دلیل کے طور پر یہی معاہدہ پیش ہوگا نہ کہ کوئی اور زبانی کلامی معاملہ، مثال کے طور پر اگر کل کو گاہک مکر جائے اور بینک سے خریدا ہوا مال یا گاڑی غائب کردے اور بینک کا قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری سے انکار کرنے لگے تو بینک اس فریبی شخص کے خلاف کون سا ثبوت پیش کرے گا؟ گواہ لائے گا کہ اس نے ان لوگوں کے سامنے ہماری وساطت سے گاڑی خریدی تھی یا یہ کہ وہ معاہدات اور

دستاویزات پیش کرے گا جن کی بنیاد پر بینک اور گاہک کے درمیان خریداری کا معاملہ ہوا تھا؟ ظاہر ہے کہ بینک معاہدے کی دستاویزات ہی پیش کرے گا، کیونکہ جس بینک کے پاس شوروم بھیجنے کے لئے اپنا قاصد اور نمائندہ دستیاب نہ ہو، بلکہ وہ خریدار ہی کو اپنا وکیل (Agent) بنانے کے لئے مجبور ہو وہ مجبور بینک گواہ کہاں سے لائے گا؟ یا تو پاکستانی نظام کے مطابق ''چیریٹی فنڈ'' سے کرایہ پر کسی کو گواہی کے لئے حاصل کرے گا، پھر معاہدات پیش کرتے ہوئے اپنا حق وصول کرے گا، ظاہر ہے اسلامی بینک کرایہ کا گواہ لانا پسند نہیں کرے گا، کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں، یہ ''شہادت زور'' ہے، اور شہادت زور کا تا حال متبادل نہیں سوچا گیا۔

بہرکیف اس کا مطلب یہ ہوا کہ بینک اور گاہک کے درمیان اصل قابل اعتبار عقد کا انعقاد ان معاہدوں سے وابستہ ہے جو بینک اور خریدار کے درمیان طے پاتے ہیں، نہ کہ کسی اور ایجاب وقبول سے، پس جو معاملہ مبیع کی خریداری سے بیشتر منعقد ہو چکا ہو، بائع نے تا حال مبیع کو خریدا ہی نہ ہو، اس مال پر کسی قسم کی ادائیگی یا ادائیگی کا ذمہ اپنے سر نہ لیا ہو ایسی ''مبیع'' کو ''مرابحہ'' کے نام سے آگے بیچا جائے تو اسے خیانت کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔!

مرابحہ بنوکیہ کی احتمالی صورتیں

البتہ فرض کے درجہ میں اس معاملے کی بنیاد تسلیم کر لینے کے بعد یعنی خریدار کو بینک کا وکیل کہیں اور بطور وکیل خریداری کو درست تسلیم کر لیں تو اس عقد کی مرابحہ کی بجائے براہ راست بیع کی دو اور احتمالی صورتیں بن سکتی ہیں:

۱-مساومہ (Bargaining) ۲-تعاطی (Sale by Action)

''مساومہ'' اس بیع کو کہا جاتا ہے جس میں فریقین (Counter Parties) کے درمیان بھاؤ تاؤ ہو اور جس قیمت پر فریقین رضامند ہوجائیں اسی قیمت پر مبیع کو خرید لیا جائے، لیکن مرابحہ مروجہ میں فریقین کے درمیان مال خریدتے اور قبضہ کرتے ہوئے کسی قسم کا بھاؤ تاؤ نہیں ہوتا، بلکہ سابقہ معاہدہ میں طے شدہ قیمت اور طریقۂ کار کے مطابق خرید نے کی پابندی ہوتی ہے اس لئے مروجہ مرابحہ کو ''مساومہ'' کہنا بھی اصطلاحاً دشوار ہے۔

اگر مروجہ مرابحہ کو ہم ''تعاطی'' کا نام دینا چاہیں تو بھی اصطلاحی تطبیق میں دشواری رہے گی، اس لئے کہ تعاطی، عملاً وفعلاً ایجاب وقبول کرنے کا نام ہے، جبکہ مرابحہ مروجہ میں ایجاب وقبول کی رسم ٹیلیفون کے ذریعہ زبانی طور پر ادا کی جاتی ہے ''تعاطی'' کی تجویز ویسے بھی ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم کے نزدیک شرعاً جائز نہیں، کیونکہ مروجہ مرابحہ کو ''بیع تعاطی'' کے ذریعہ انجام دینے سے اس قسم کے معاملات اور سودی معاملات کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں رہتا جس کا ہونا ضروری ہے، اس جوہری فرق کو قائم رکھنے کے لئے مرابحہ کا معاملہ پانچ مراحل میں اس طور پر انجام پانا ضروری فرمایا گیا ہے کہ خریدا جانے والا سامان کچھ مدت کے لئے خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، بینک کی ملک اور ضمان میں آنا ضروری ہے، ورنہ مرابحہ ''ربح ما لم یضمن'' کی بناء پر بنص حدیث حرام ہوگا۔(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

> ......آج کل اسلامی بینکوں میں جو عقود مرابحہ، تعاطی کے ذریعے انجام پاتے ہیں، وہ کسی طرح بھی درست نہیں ......خلاصہ یہ نکلا کہ بینک اور گاہک کے درمیان تعاطی کی بنیاد پر عقد مرابحہ جائز نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) ملخص از بیع بالتعاطی کا حکم فقہی مقالات:۳۰/۳۱-۲۳۰۔

(۲) فقہی مقالات:۳۰/۳۱-۲۲۹، بیع تعاطی۔

مرابحہ بنوکیہ میں اصطلاحی مرابحہ اور ضمان:

(Murabhah Shariah, and it's Risks in banking Murabahah)

اس تفصیل کی روشنی میں ہم دو باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں:

ایک یہ کہ ''مرابحہ بنوکیہ'' کو اصطلاحی ''مرابحہ فقہیہ'' سے کوئی مناسبت نہیں اور یہ کہ ''مرابحہ بنوکیہ'' کو اصطلاحی غلطی قرار دیتے ہوئے بیع ساذج (عام سادہ لین دین) کی کسی اور قسم کے تحت داخل قرار دے کر مشروع کہنے کی کوشش کریں تو یہ بھی مشکل ہے، لہٰذا مرابحہ بنوکیہ کو ''اصطلاحی مرابحہ'' تو کجا کسی عام ''بیع'' کا نام دینے کی گنجائش بھی نظر نہیں آتی، چنانچہ ''مرابحہ بنوکیہ'' کو فقہی لباس کی فراہمی درست معلوم نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ کہ'' مرابحہ بنوکیہ'' میں پیشگی معاہدہ (Advance Agreement) کی رو سے گاہک، مال کو فوراً اپنے قبضہ اور ضمان میں منتقل کرنے کا پابند ہے، یہاں تک کہ تاخیر کی صورت میں بینک کے نقصان کو پورا کرنے کا پابند بھی ہے، جیسا کہ آرڈر فارم کے ضمیمہ کے مندرجہ ذیل اقتباس میں ظاہر ہے۔

"Appendix BN to Master Murabaha Agreement

To Meezan bank

Dear Sirs,

.... we request you to acquire the assete... under the following terms and conditions:

i We shall imediataly acquire the assets from you...failing which we undertake to

compensate you for any actual loss suffered ...[etc.]

ترجمہ:۔ضمیمہ

الی: میزان بینک

مکرمی......

......ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ مال خرید لیں ......[تا کہ ہم آپ سے یہ مال] مندرجہ ذیل شرائط پر [خرید سکیں]

ہم آپ سے مال فوراً خرید لیں گے......تاخیر کی صورت میں ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ کے اصلی نقصان کو پورا کریں گے......[وغیرہ]

ظاہری وعملی طریقہ کار اور اس اقتباس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بینکوں میں مرابحہ کے نام سے انجام پانے والے لین دین کا مال، بائع (بینک) کی ضمان میں عملاً اور اصولاً داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ مال فوراً گاہک کے ذمہ میں منتقل ہونا ضروری ہے، اگر گاہک نے خریدا ہوا مال فوراً اپنے ذمہ میں نہیں لیا تو اصل نقصان کی ذمہ داری گاہک پر عائد ہوگی، ایسی صورتحال میں مروجہ مرابحہ کے نام سے ہونے والے لین دین کو مرابحہ صحیحہ ماننا مشکل اور مندرجہ ذیل حدیث شریف کا مصداق ماننا بہت ہی آسان ہے۔

”وعن عمرو بن شعیب قال: قال رسول اللہ ﷺ: لایحل سلف وبیع ، لاشرطان فی بیع، ولاربح مالم یضمن، ولابیع مالیس عندک. رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح“.(۱)

---

(۱)مشکوۃ المصابیح ،کتاب البیوع،باب المنھی عنھا من البیوع:۲۴۸/۱،ط: قدیمی کراچی.

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں، اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنے ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی، اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں ہے۔(۱)

فمن شاء فليقبل ومن لم يشاء فهو حر في رأيه".

مرابحۂ بنوکیہ میں وکالت کی حیثیت:

بنابریں یہ کہنے کی صاف گنجائش ہے، کہ "مرابحہ بنوکیہ" کی کوئی قابلِ تسلیم فقہی بنیاد نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بینک اور گاہک کے درمیان طے پانے والا کاغذی معاہدہ جو اس معاملہ کی حقیقی بنیاد ہے، معاملہ کی انجام دہی کے لئے جتنے مراحل بنائے اور بتائے گئے ہیں، وہ محض کاغذی اور فرضی کہلانے کے حقدار ہیں، اگر بالفرض ہم ان تمام معاملات کو درست تسلیم کرلیں تو بھی ایک بہت بڑا فقہی اشکال باقی رہے گا، وہ یہ کہ پیشگی معاہدہ میں تمام معاملات طے ہو جانے کی وجہ سے مرابحہ کی انجام دہی کی ساری کارروائی عقدِ واحد کی تکمیل کے لئے ہے۔

بینک اور گاہک کے درمیان ٹیلیفونک رابطے کی وجہ سے سابقہ معاملے میں کسی نئے واقعی عقد کا اِحداث وایجاد نہیں ہوا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ فردِ واحد (گاہک) بینک کی

(۱) مظاہر حق جدید: ۱۰۹/۳۔ ط: دار الاشاعت کراچی۔

طرف سے خریداری کا وکیل ہے اور خود اپنے ہی لئے خرید رہا ہے، اس لئے اصیل بھی ہے، جبکہ بیوعات ومعاملات میں فرد واحد بیک وقت وکیل اور اصیل نہیں بن سکتا، فقہاء کرام نے پوری وضاحت کے ساتھ تصریح فرما رکھی ہے کہ مشتری (Buyer) بائع (Saler) کا وکیل (Agent) بن کر اپنے لئے خریداری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں۔

ففی الهداية:

والواحد يتولیٰ طرفی النكاح، وقال فی الهامش: بخلاف البيع، ووجه الفرق أن الحقوق فی البيع الی الوكيل، فلو تولّٰی طرفيه يصير مطالبا ومطالبا وفيه تعطيل الحقوق.(١)

وفی البناية: بخلاف البيع فانه لايتولی فيه الواحد طرفی العقد إلا الأب والجد استحساناً... الخ(٢)

وفی الهندية: الوكيل بالبيع لايملک شرائه لنفسه، لأن الواحد لايكون مشترياً وبائعاً. كما فی الوجيز للكردری. (٣)

وفی الشامية: وفيه الوكيل بالبيع لايملک شراء ه لنفسه لأن الواحد لايكون مشترياً وبائعاً فيبيعه

---

(١) الهداية: ٢٠٥/٢- ط: شركة علميه ملتان.

(٢) البناية: ١٢/٦، ط: مكتبه حقانيه ملتان.

(٣) الهنديه: ٥٨٩/٣، الباب الثالث فی الوكالة بالبيع.

من غیره ثم یشتریه منه .(۱)

اگر اہل علم غور فرمائیں تو ضمان کا مذکورہ معاہدہ شریعت کے ایک مشہور ومعروف اصول کے خلاف بھی ہے۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جہاں قبضہ سابق اور قبضہ لاحق ضمان و عدم ضمان میں برابر ہوں یا قبضہ سابق اقویٰ ہو تو قبضہ سابق لاحق کے قائم مقام ہوجائے گا، قبضہ ضمان کے نہیں۔

''شرح المجلہ'' میں ہے:

لو غصب شیئاً ثم اشتراه صار قابضاً ولیس للبائع حبسه، بخلاف الودیعة والعاریة إلااذا وصل إلیه بعد التخلیة .والأصل أن البیع اذا وقع والمبیع مقبوض مضمون علی المشتری بقیمته ینوب قبضه عن قبض الشراء لأنه من جنس القبض المستحق بالشراء، لأن قبض الشراء مضمون بنفسه فإذا کان الشئ فی یده بغصب أو مقبوضاً بعقدفاسدٍ فاشتراه من المالک عقداً صحیحاً، ینوب القبض الأول عن الثانی، حتیٰ لو هلک قبل أن یذهب إلی بیته ویصل إلیه ویتمکن من أخذه کان الهلاک علیه، أی ولیس للبائع أن یسترده لیحبسه با لثمن، ولو کان فی یده عاریةً أو ودیعةً أو رهناً لم‌یصر

---

(۱) الشامیه ،باب الوکالة بالبیع والشراء ،:۵/۵۱۸،ط: ایچ ایم سعید کراچی .

وکذا فی الفقه الاسلامی وأدلته للزحیلی :۴/۸۷،ط: دار الفکر العربی، فی قول : الأصل العام فی العقودأن یکون العاقد متعدداً ......الخ.

قابضاً بمجرد العقدإلا أن يكون بحضرة أو يرجع إليه فيتمكن من القبض......الخ (١)

اس قاعدے کی روشنی میں مروجہ اسلامی بینکوں کے وکیل کے قبضے کو پرکھا جائے کہ وہ کون سا قبضہ ہے؟ اور کس کا قبضہ ہے؟ بقول آپ کے وکیل کا قبضہ، مؤکل (بینک) کا قبضہ ہوگا، تاکہ معاملہ صحیح ہوسکے، اگر واقعۃً ایسا ہو تو یہ قبضہ ضمان ہے یا نہیں؟ اگر قبضہ ضمان ہو تو پہلا اشکال یہ ہے کہ بینک اس ضمان کو خود قبول کرنے کے بجائے وکیل پر کیوں ڈالتا ہے؟ حالانکہ وکیل پر ضمان ڈالنا غلط ہے۔ کیونکہ وکیل قبضہ میں وکیل ہوتا ہے ضمان میں وکیل تو نہیں ہوتا، یعنی وکیل کا قبضہ، قبضۂ امانت ہوتا ہے، قبضۂ ضمانت نہیں ہوتا۔ مذکورہ معاملہ میں وکیل کا عمل قبضہ کی حد تک درست مان لینے کے باوجود ضمان کا مسئلہ اس پر نہیں آئے گا، اگر اسلامی بینک اس کے باوجود اس وکالت فاسدہ سے خریدی ہوئی چیز اس وکیل پر مرابحۃً فروخت کرتے ہوئے ربح (مرابحہ) کمائے گا تو یہ صراحتاً "**ربح مالم یضمن**"، میں داخل ہوکر ناجائز ہی ہوگا۔ **کمامرّ**.

اگر وکیل کے قبضے کو قبضہ ضمان کہا جائے تو اس پر دوسرا اشکال یہ ہوگا کہ یہ قبضہ اگلے عقد کے لئے شرعاً قبضہ نہیں بن سکتا، کیونکہ قاعدہ مذکورہ میں گزرا کہ قبضہ سابق، قبضہ ضمان کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اس لئے علماء کرام کا فرض بنتا ہے کہ وہ عوام الناس کو شریعت غراء کے واضح احکام پر چلائیں، ادھر اُدھر کے دوراز کار حیلوں اور تاویلوں میں نہ اُلجھائیں۔

---

(١)شرح المجلة لخالدالأتاسی : ۲۱۶/۲ . ط:مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ. وکذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ : ۴۲۱/۴-۴۲۲ .ط: دار الفکر بیروت لبنان.

مرابحہ بنوکیہ میں پیشگی معاہدہ کے اصل ہونے پر ایک مثال:

پس ہمارا یہ کہنا کہ ''مرابحہ بنوکیہ'' میں پیشگی معاہدہ ہی عقد کی بنیاد ہے، وہی اصل ہے، اسی کا اعتبار ہے نہ کہ بعد والے رسمی ایجاب وقبول (Offer & Acceptance) کا۔ مثال کے ذریعہ اس کی یوں وضاحت کی جاسکتی ہے کہ مثلاً ایک شخص کی گاڑی فروخت نہ ہو رہی ہو وہ بینک کے پاس جعلی خریدار بن کر جاتا ہے اور بینک کے طریقہ کار کے مطابق گاڑی کی خریداری کی ساری کاروائی مکمل کرلیتا ہے، لیکن آخری اطلاع میں اپنے لئے خریداری کی پیشکش نہیں کرتا بلکہ مکر جاتا ہے تو اس موقع پر بینک کا طرز عمل کیا ہوگا؟ مشتری (بینک) اس گاڑی کو اپنے پاس رکھ کر اپنے اس وکیل کو خریدی جانے والی گاڑی کی قیمت ادا کرنے کا پابند ہوگا یا نہیں؟ اگر بینک اس قسم کی ادائیگی کا پابند ٹھہرتا ہو تو یہ معاملہ یہاں تک وکالتِ شرعیہ کا معاملہ کہلا سکے گا اور اسے وکالت کے احکام کی روشنی میں جانچنا ہوگا۔

اور اگر بینک اس قسم کی ادائیگی کا خود کو پابند نہ سمجھتا ہو (واقعۃً معاملہ بھی ایسا ہی ہے) تو اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک وجہ تو یہ کہ مرابحہ بنوکیہ میں ''وکالت'' کی رٹ محض لفظی اور کاغذی ہے، حقیقی معاملہ سے وکالت کا کوئی تعلق ہی نہیں، حقیقی مقصد مطلوبہ سامان کی خریداری ہے، جس کے لئے فرد واحد بائع اور مشتری بن رہا ہے اور اس کا شرعاً بے اصل ہونا اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔

خریدے ہوئے مال کو اپنی ذمہ داری میں نہ لینے کی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے، کہ بینک پیشگی معاہدہ میں اپنے وکیل کو اس بات کا پابند بنا چکا ہے، کہ وہ ہر حال میں وکالت کے طور پر خریدا ہوا مال خریدنے کا پابند ہے، وکیل کو خریداری کا پابند بنانا'' **لان المواعید قد**

تکون لازمة“ کے پیش نظر ہے (اور حقیقت حال بھی یہی ہے) تو یہ وجہ ہمارے مدعا سے سر مومختلف نہیں ہوگی ،یعنی پیشگی معاہدہ بلکہ وعدہ لازمہ کی رو سے وکیل ہر حال میں خریدے ہوئے مال کو اپنی ملک اور ضمان میں لینے کا پابند ہے، جب معاملہ ایسا ہی ہے تو بعد والا فرضی ایجاب وقبول کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

بالخصوص جبکہ خریدا ہوا مال بینک کی واقعی ملک اور ضمان میں آتا ہی نہ ہو (**کما مرّ فی الفوق**) تو اس کی ”بیع“ اور ”ربح“، مرابحہ شرعیہ کہلانے کی بجائے روایتی سودی معاملہ کہلانے کا زیادہ مستحق ہے ،کیونکہ اس معاملہ کی مرابحہ شرعیہ کے ساتھ مناسب ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، جبکہ سودی معاملہ کے ساتھ ظاہراً، صورۃً اور نتیجۃً وحقیقۃً گہری مناسبت پائی جارہی ہے۔سادہ الفاظ میں یہ ”ربح“ ”ربوٰا“ ہے، جو سودی قرضے پر حاصل ہورہا ہے۔ جسے ہم حرام سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اجارہ بنوکیہ اور چند اصولی باتیں:

جیسا کہ ہم اوپر عرض کرآئے ہیں کہ مرابحہ واجارہ کو اسلامی بینکاری میں سرمایہ کاری کے لئے بنیاد بنانا شرعاً واصولاً درست نہیں، اصولی بحث کے بعد مرابحہ اور اجارہ کی ضمنی جزئیات سے بحث کی چنداں حاجت نہیں، البتہ اپنے بعض بینکاروں کی دلچسپی اور مشغولیت کے لئے مرابحہ کی طرح اجارہ کی بعض جزئیات پر چند اصولی باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔

پہلی بات: اجارہ میں عاقدین کا بنیادی مقصد؟

اجارہ مروجہ میں موجر اور مستأجر کا بنیادی مقصد کیا ہوتا ہے؟ کرایہ داری کے فوائد حاصل کرنا یا کرایہ کے نام سے لی جانے والی چیز (Commodity) کو خریدنا اور مستأجر (Lessee) کی ملکیت میں منتقل کرنا؟ اگر فریقین کا بنیادی مقصد کرایہ داری کا تعلق قائم کرنا ہو تو پھر مروجہ اجارہ کو اجارہ کے احکام اور آداب کے تناظر میں دیکھنا اور دکھلانا بالکل بجا اور معقول بات ہوگی اور معاملہ کے صحیح اور غلط ہونے کا مدار، اجارہ کے ارکان وشرائط کی موجودگی اور عدم موجودگی پر ہوگا۔ لیکن بنیادی مقصد کرایہ داری کا تعلق نہ ہو، بلکہ بعینہ اجارہ پر دی جانے والی چیز کی ملکیت کا انتقال مقصود ہو تو "**الامور بمقاصدها**" کی رو سے یہ معاملہ "بیع" کہلائے گا نہ کہ اجارہ، "بیع" کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے لفظ "اجارہ" کا استعمال دھوکہ اور فریب نہ سہی، لفظی غلطی ضرور کہلائے گا، جبکہ اس لفظی غلطی سے بے پرواہی کا برتاؤ کرنے کے لئے "**العبرة للمعاني لا للالفاظ**" کا شرعی ضابطہ پیش نظر رہے تو الفاظ کے پیچوں میں الجھنے کی بجائے اصل مراد اور معنی یعنی "بیع" ہی کو موضوع بحث اور حکم کا محل قرار دیا جائے گا۔

لہٰذا مروجہ اجارہ کا معاملہ درحقیقت مطلوبہ مال کی خرید وفروخت کا معاملہ ہے، اس کی تائید اجارہ کا معاملہ کرنے والوں کے عرف سے بھی ہوتی ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بینک سے گاڑی یا مکان کرایہ (Lease) پر لیا ہے یا لینا چاہتے ہیں، بلکہ وہ یہ کہتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے لیزنگ پر گاڑی اور مکان خریدا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اس لئے مروجہ اجارہ کے معاملہ کو اجارہ کے لفظی اور فرضی میزان میں تولتے رہنے کی بجائے

اگر بیع کے اصلی اور حقیقی پیمانے پر پرکھا جائے تو حلال وحرام اور جائز وناجائز کی پہچان میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

چنانچہ معمولی غور وفکر سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ مروجہ اجارہ میں مطلوبہ مال کی خریداری کو حقیقۃً وعملاً اجارہ پر موقوف ومنحصر رکھا گیا ہے اور اس کے لئے مختلف فرضی حیلے اور اکتسابی تاٗ ویلیں ڈھونڈی گئی ہیں۔ مگر ہم حضور ﷺ کی ان چند حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے ''بیع'' اور شرط سے منع فرمایا اور ایک عقد میں دو معاملوں کو ملانے اور جمع کرنے سے روکا۔ اگر ہمارے بینکار دونوں معاملوں (ابتداء اجارہ اور نتیجۃً بیع) کو درست تسلیم کرنے اور کروانے پر مصر ہوں تو انہیں بینکاری کی ضرورتوں کے لئے نبی اکرم اکی حدیث ''**صفقة فی صفقة**''(عقد در عقد) کو بالائے طاق رکھنا ہوگا(**فالعیاذ باللّٰه علی ذلک**)

اجارہ بنو کیہ اور ایک آزمائشی سوال:

اگر وہ یہ فرمائیں کہ اصل مقصد اجارہ ہی ہے اور ''روایتی لیزنگ'' کا متبادل ہے، تو پھر انہیں چاہئے کہ متبادل شرعی اجارہ کی ایک واقعی مثال پیش فرمانے کے لئے یہ اعلان کردیں کہ جن لوگوں نے ہمارے بینکوں سے اجارہ پر مکان یا گاڑی لے رکھی ہے وہ سب کے سب اجارہ کی مدت پوری ہوتے ہی بینک کا مکان اور گاڑی فوراً واپس کردیں اور بینک اپنی یہ ساری املاک واپس لے لے، اگر بینک ایسا کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو بلکہ اس کے بجائے ''سیکورٹی ڈپازٹ'' کے بدلے یا مزید کچھ رقم کے بدلے اپنی گاڑی اور مکان کرایہ دار کے سپرد کرنے لگ جائے تو ہم اسے مالی تبادلہ کہیں گے، اور یہی ''بیع'' (Sale) کہلاتا ہے، اور یہ وہ بیع ہوگی جو طویل عرصہ تک اجارہ کی قسطیں پوری ہونے کے انتظار سے معلق تھی، جو ''**بیع و شرط**'' جیسی حدیثوں کی رو سے خلاف شرع ہے۔ یہاں پر ہم متلاشیانِ حقیقت

کی رہنمائی کے لئے'' امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل عبارت تکرارِ مفید کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ **قوله تحت عنوان النهى عن بعض البيوع والمكاسب:**

ونهى النبى عن الثنيا حتى يعلم ......ومنها أن يقصد بهٰذا البيع معاملة اُخرىٰ،يترقبها فى ضمنه او معه، لأنه إن فقد المطلوب لم يكن لهٗ أن يطالب ، ولا أن يسكت ومثل هٰذا حقيق بأن يكون سبباً للخصومة بغيرحق ولايقضى فيها بشئى فصل......الخ :(۱)

''اورازاں جملہ: یہ ہے کہ قصد کیا جائے اس بیع سے کسی ایسے دوسرے معاملے کا جس کا وہ انتظار کرتا ہے بیع کے ضمن میں یا بیع کے ساتھ: اس لئے کہ اگر اس نے مطلوب کو گم کیا: تو اس کے لئے حق نہیں ہوگا کہ مطالبہ کرے، اور نہ یہ کہ خاموش رہے۔ اور اس طرح کی چیز اس بات کے لائق ہے کہ وہ ناحق خصومت کا سبب بن جائے۔ اور اس خصومت میں کسی دوٹوک بات سے فیصلہ نہ کیا جاسکے''۔(۲)

اگر مذکورہ صورت میں بینک اپنی گاڑی اور مکان واپس نہ لینے پر یہ عذر پیش کرے کہ جناب! ہم یہ گاڑی یا مکان اپنے گاہک کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر دے رہے ہیں تا کہ ہمارا اچھا معاون اور گاہک بھی کار اور کوٹھی والوں کی فہرست میں شامل ہو سکے، تو یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ جب مروجہ اسلامی بینکوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ اسلامی اور روایتی بینکوں کے بنیادی مقاصد میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں کا مقصد نتیجہ کے اعتبار سے معاشرے

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۹۹/۲ ط: بیروت لبنان۔

(۲) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۵۷۰/۴۔ ط: زمزم پبلیشرز کراچی۔

میں معاشی ناہمواری کا قیام ہے، کیونکہ دونوں بینکوں کے طریقہ تمویل سے سرمایہ دار کے سرمایہ اور غریب کی غربت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس میں خالصۃً سرمایہ دارانہ استحصالی فکر کارفرما ہے اور اسی نظام کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی ہے۔

اگر مروجہ اسلامی بینک اس اعتراض اور الزام کو مسترد کرتا ہے تو ایک پُرانا اشکال اور بینکاروں کا جواب پھر سے دھرایا جائے گا کہ مروجہ اسلامی بینک صرف کاروباری اور صنعتی شہروں کے مرکزی علاقوں تک کیوں محدود ہے؟

اگر وہ غریبوں کی ہمدردی اور تمویلی طریقوں کے اخلاقی آداب کی واقعۃً رعایت کرتا ہے تو مروجہ اسلامی بینک کو چاہئے کہ وہ کم از کم بنگلہ دیش کے ڈاکٹر یونس صاحب کی طرح پسماندہ دیہی علاقوں میں اپنی برانچیں کھولے تاکہ ان کے زعم کے مطابق غریبوں کا بھلا ہو اور سرمایہ داروں کے سرمایہ کے تحفظ کا الزام دور ہو سکے۔اس کے جواب میں جھٹ سے یہ کہا جاتا ہے کہ جناب! اسلامی بینک کوئی خیراتی ادارہ تو نہیں کہ غریبوں میں خیرات بانٹتا پھرے، بلکہ ایک تجارتی ادارہ ہے جہاں تجارت کا فروغ ہوگا وہیں سرمایہ کاری کرے گا۔

تبصرہ:

ہم اپنے اسلامی بینکاروں کے اس عذر کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ خیرات کے ہم اور آپ سب ہی قائل ہیں، ہاں نام کا اختلاف ہوسکتا ہے، ہم سادہ اردو الفاظ میں صدقہ خیرات کہتے ہیں اور آپ ''چیریٹی''(Charity) کہتے ہیں، اور مستحق فقیروں پر صدقہ کا جذبہ بھی اسلامی بینک خوب رکھتا ہے، اور اس کا حقیقی مصرف بھی تلاش کیا جارہا ہے، لہٰذا ہم از راہِ تعاون مروجہ اسلامی بینکوں کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ وہ اعلیٰ اخلاق و

اسلامی آداب کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے چیریٹی فنڈ میں تاحال جمع شدہ رقوم اور اجارہ پر دی ہوئی اپنی املاک جن کی مدت پوری ہوچکی ہے۔ سرمایہ دار کو تحفہ اور ہدیہ کے ذریعہ، کار اور کوٹھی کا مالک بنانے کی بجائے ان املاک کو بیچ کر ملک کے غریب پسماندہ دیہی علاقوں میں بنیادی ضروریات زندگی کا انتظام کریں، اگر ہمارے اسلامی بینکار اس تجویز کو اپنے اسلامی مزاج سے ہم آہنگ خیال کرتے ہوئے قابلِ قبول قرار دے دیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ”**فاستبقوا الخیرات**“ پر عمل پیرا ہونے میں کون سا اسلامی بینک پہل کرتا ہے۔

اگر ایسا کرنا متوقع نہ ہو تو پھر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ مروجہ اسلامی بینکوں اور روایتی بینکوں کے عملی طریقۂ کار (Operational modes)، اغراض واہداف اور مقاصد میں بجز ناموں کے کوئی فرق نہیں ہے۔

بہرکیف اصل مدعا کا خلاصہ یہ ہے کہ عقد اجارہ میں لیز شدہ چیز کی خرید وفروخت کی شرط لگانے سے ”**صفقتین فی صفقة**“ کی صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے، ”**ولا شرطان فی بیع**“ کا حکم بھی ٹوٹتا نظر آتا ہے....اور اگر معاملہ کی حقیقت پر نگاہ رکھی جائے، کہ اصل معاملہ تو قرض ہی کا ہورہا ہے تو ”**لایحل سلف وبیع**“ کے حکم کی بھی خلاف ورزی ہورہی ہے اور ”**بیع العینہ**“ کا معاملہ بھی پایا جارہا ہے.اس لئے ہم کہتے ہیں کہ مروجہ اجارہ کو شرعی کہنے اور باور کرانے کے لئے اس طرح کی بے شمار نصوص شرعیہ کو تاویلوں کے ذریعے رد کرنے کی خرابی کا ارتکاب لازم آتا ہے۔

فائدہ:

ممکن ہے کہ بعض لوگ عقد اجارہ میں پیشگی شرط سے چشم پوشی فرمانے کی کوشش فرمائیں، باوجودیکہ وہ ”**الأمور بمقاصدها**“ اور ”**العبرة للمعانی لا للألفاظ**“

جیسے قابل اعتناء اصولوں سے اچھی طرح واقف ہیں، بالخصوص جبکہ حقیقتِ حال کے وہ عینی شاہدین بھی ہوں، ان کے سامنے سابقہ شرط کا ناموزوں اور نا قابلِ اعتبار ہونا قطعاً مشکل ہے، اس لئے اس حقیقت حال کا اعتراف کرنا انصاف ودیانت کا تقاضہ ہے کہ جس معاہدہ پر فریقین پیشگی دستخط کر چکے ہیں، اسی معاہدے کی بنیاد پر اس معاہدہ میں صراحتاً یا عرفاً طے شدہ طریقہ کار کے مطابق اجارہ کی قسطوں کی مکمل ادائیگی پر مستأجر کا اپنے زیر استعمال، مال کا مالک بن جانا، سابقہ مشروط عقد ہی کا نتیجہ ہے "المعروف کالمشروط" کی رو سے اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اختیار کردہ طریقہ ہی "شرط" کے زمرے میں آتا ہے، شرط کا مصداق تلاش کرنے کے لئے شرط کا زبانی یا تحریری وجود قطعاً ضروری نہیں، یعنی عرفی وجود ہی کافی ہے۔

دوسری بات: اجارہ میں خرچہ اور نقصان کی ذمہ داری کا تعین:

اجارہ / لیزنگ کے بنیادی قواعد میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ملکیت سے متعلق اخراجات اور نقصانات کی ذمہ داری موجر (Lessar) پر آئے گی اور استعمال سے متعلق اخراجات مستأجر پر ہوں گے، حتی کہ معمول کے مطابق استعمال کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقصانات اور خرابیوں کا ذمہ دار مستأجر (Lessee) ہوگا، اس ذمہ داری کی تعیین کے لئے چھوٹے اور بڑے نقصان کی تعبیر بھی کی جاتی ہے، یعنی بڑے نقصانات مثلاً ایکسڈنٹ، حادثہ، گاڑی کا جل جانا ایسے نقصانات کی ذمہ داری موجر پر ہوگی اور موجر ایسے نقصانات کی تلافی کے لئے انشورنس کرواتا ہے، جبکہ گاڑی کی سروس، ٹیوننگ اور عام مرمت وغیرہ یہ سب اخراجات مستأجر کی ذمہ داری ہوگی۔(۱)

(۱) اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص: ۱۷۸، قانون اجارہ ص: ۲۹۶ دستور شق نمبر ۱۰-۱۱۴ اجارہ ایگریمنٹ بحوالہ ارشد زمان صاحب۔

کرایہ دار پر کرایہ کے علاوہ شرط لگانا:

واضح رہے کہ اجارہ/لیزنگ میں موجر اور مستأجر کے درمیان ذمہ داریوں کی تعیین اور تقسیم کرتے ہوئے فقہی احکام کی پوری طرح وضاحت اور رعایت نہیں کی گئی، یہاں پر اجارہ شرعیہ کا ایک اہم بنیادی اصول ''سہواً'' نظر انداز شدہ دکھائی دیتا ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اجارہ میں مستأجَر (Commodity) یعنی اجرت پر دی گئی چیز کو قابلِ عمل اور صالح للانتفاع حالت میں رکھنا اور اسی حالت پر مستأجِر (Lessee) کو استعمال اور انتفاع کے لئے دینا یہ موجر (Lessar) یعنی مالک کی ذمہ داری ہے، کیونکہ اجارہ پر لی گئی چیز کا صالح للانتفاع (فائدہ اٹھانے کے قابل) ہونا مالکانہ ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مالک جو معاوضہ لے رہا ہے وہ معاوضہ اس چیز کے استعمال اور انتفاع ہی پر لے رہا ہے۔ پس موجر اگر معقود علیہ کا معاوضہ لینے کے باوجود کسی قسم کی اضافی ذمہ داری مستأجر پر لازم کرتا ہو تو یہ ذمہ داری شرعاً مستأجر پر لازم نہیں بلکہ شرط فاسد کے زمرے میں شامل ہو کر اجارہ کو فاسد اور خراب کردے گی کیونکہ اس شرط کا فائدہ خالصۃً مؤجر/مالک کے لئے ہے یا اس کی ملکیت سے وابستہ ہے۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

> ولو استأجر داراً بأجرة معلومة وشرط الآجر تطيين الدار وتعليق باب عليها أو إدخال جذع في سقفها على المستأجرِ فالإجارة فاسدة، وكذا إذا آجر أرضاً وشرط كرى نهرها أو حفر بئرها وضرب

مسناةعليها، كذا فى البدائع.(١)

''شرح الوقایۃ'' میں ہے:

أو أرضا (أى استأجر أرضا) بشرط أن يثنيها أى يكرِ بها مرتين فإن كان المراد يردها مكروبة فلاشك فى فساده فإنه شرط لايقتضيه العقد وفيه نفع لأحد العاقدين وهو الموجر... فإن كان أثره يبقى بعد انتهاء العقد يفسد، إذ فيه منفعة رب الأرض وإن كان أثره لايبقى لايفسد ... الخ (٢)

''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

...(او ارضاً بشرط أن يثنيها) أى يحرثها (أو يكرى أنهارها) العظام (أو يسرقنها) لبقاء أثر هٰذه الأفعال لرب الارض،فلو لم تبق لم تفسد... وفى المنح إن كان المراد أن يردها مكروبة فلا شك فى فساده، وإلا فإن كانت الأرض لا تخرج الريع إلا بالكراب مرتين لا يفسد وإن مما تخرج بدونه فإن كان أثره يبقىٰ بعد انتهاء العقد يفسد ،لأن فيه منفعة لرب الارض،وإلا فلا..الخ (٣)

---

(١) الهنديه: ٤٤٣/٤.ط: رشيديه كوئٹه.

(٢) شرح الوقاية،باب الإجارة الفاسدة:٣٠٤/٣-٣٠٣۔

(٣) شامى،كتاب الاجارة،باب الإجارة الفاسدة : ٥٩/٦۔ ط: ايچ ايم سعيد كراچى، ومثله فى فتح القدير:٥٣/٨-٥٤. ط: رشيديه كوئٹه.

اور ''تبیین الحقائق'' میں ہے:

(وإن شرط أن یثنیها أو یکری أنهارها أو یسرقنها، أو یزرعها بزراعة أرضٍ أُخریٰ لا، کإجارة السکنیٰ بالسکنیٰ) لأن أثر التثنیة وکری الأنهار والسرقنة یبقیٰ بعد انقضاء مدة الإجارة فیکون فیه نفع صاحب الأرض وهو شرط لا یقتضیه العقد فیفسد. کالبیع.....الخ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ میں مستأ جر پر اجرت یعنی استعمال اور انتفاع کے معاوضہ کے علاوہ کوئی ایسی شرط مسلط کرنا جو موجر کی نفع رسانی کے لئے ہو شرعی اصولوں کے مطابق نہیں ہے، ایسا معاملہ فقہی اصطلاح میں فاسد (غیر صحیح) (Defective) کہلاتا ہے۔

واضح رہے کہ کرایہ پر لی ہوئی چیز کرایہ دار کے پاس شرعاً امانت ہوتی ہے اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر معمول کے مطابق استعمال سے امانت کلی یا جزوی طور پر خراب ہو جائے، استعمال کرنے والے کی طرف سے لاپرواہی اور جان بوجھ کر خراب کرنے کی غلطی اور زیادتی سرزد نہ ہوئی ہو تو ایسی جزوی یا کلی خرابی کی ذمہ داری اور مسئولیت امین (Trustee) (استعمال کرنے والے) پر عائد نہیں ہوتی۔

''الدرالمختار'' میں ہے:

ولا یضمن ما هلک فی یده أو بعمله کتخریق الثوب من دقّه إلا إذا تعمّد الفساد فیضمن کالمودع. (۲)

---

(۱) تبین الحقائق، کتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة: ۱۳۱/۶۔ ط: ایچ ایم سعید کراچی.

(۲) الدرالمختار: ۷۰/۶-۷۱، باب ضمان الأجیر، ط: سعید کراچی.

''فتاویٰ ہندیہ ''میں ہے:

والإجارة تفسدها الشروط التی لا یقتضیها العقد کما إذا شرط علی الأجیر الخاص ضمان ما تلف بفعله أو بغیر فعله أو علی الأجیر المشترک ضمان ما تلف بغیر فعله علی قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ، أما إذا اشترط شرطا یقتضیه العقد کما إذا شرط علی الأجیر المشترک ضمان ما تلف بفعله لا یفسد العقد کذا فی الجوهرة النیرة.(١)

پس ''فنانس لیز''(financial Lease) میں مکان یا گاڑی کا کرایہ دار اگر معمول کے مطابق مکان اور گاڑی استعمال کرتا رہے اور اس کے اس استعمال کی وجہ سے اس کی طرف سے غفلت اور تعدی کے بغیر کسی قسم کا نقصان ہوجائے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مستأجر اس نقصان کا شرعاً ذمہ دار نہیں ہوگا، ان نقصانات کی تلافی اور تحمل خود مالک (Owner/Leaser) کرے گا، مثلاً مکان میں ریپئرنگ یا گاڑی میں ٹیوننگ اور عام مرمت وغیرہ، اسی طرح اگر معمول کے مطابق استعمال کرنے سے انجن، باڈی یا ٹائر وغیرہ خراب ہوجائیں یا نقصان دار ہوجائیں تو اس کی ذمہ داری مؤجر پر ہوگی نہ کہ مستأجر پر، کیونکہ ایسے نقصانات کی تلافی ملکیت کی بقاء اور اصلاح سے تعلق رکھتی ہے اور یہ مالکانہ ذمہ داریوں کا حصہ ہے، ان ذمہ داریوں کو موجر اور مستاجر کے درمیان تقسیم کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

لہٰذا اگر ''اجارہ بنوکیہ'' میں بینک اپنے آپ کو مالکانہ منافع کے لئے مالک قرار دیتا ہے تو اسے مالکانہ ذمہ داریاں بھی بالکلیہ قبول کرنی چاہئیں، چھوٹے اور بڑے نقصانات کے دو خانوں میں تقسیم کر کے مستاجر پر نہیں ڈالنا چاہئے۔ یا پھر مستاجر کی ملکیت تسلیم کرلینی چاہئے، جو اس سارے معاملہ کا آخری مرغوب ومشروط مقصد ہے۔

---

(١) الفتاویٰ الهندیه، کتاب الإجارة الفصل الثانی فیما یفسد العقد:٤/٤٤٢. ط: رشیدیه.

مگر مروجہ اسلامی بینک اس حقیقی وواقعاتی تجویز کو بھی قبول نہیں کرسکتے، کیونکہ مروجہ اجارہ پردی ہوئی ''کار'' یا ''مکان'' پر مستأجر کی ملکیت تسلیم کرلینے کی صورت میں پہلے سے زیادہ وزنی اشکال ہوگا، وہ یہ کہ اس عقد میں بڑے اور بھاری نقصان کی ذمہ داری کا بینک (بائع رفروخت کنندہ) پر عائد ہونا لازم آئے گا جو مقتضائے عقد کے سراسر خلاف ہے، اور شریعت میں بائع کو اس قسم کے بھاری نقصانات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے معاملہ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

شاید یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ اسلامی بینکار مروجہ اجارہ میں خریداری کی نیت، قصد وارادہ، عزم وجزم اور وعدہ وشرط کے باوجود، مروجہ اجارہ کو بیع (خریداری) کہنے کی بجائے ''کار اجارہ'' اور ''ہاؤس اجارہ'' کہتے ہیں اور اجارہ ہی لکھتے ہیں، عین ممکن ہے کہ اس کا سبب جذبۂ ایمانی اور خوفِ آخرت ہو اور وہ یہ چاہتے ہوں کہ صحیح اسلامی بنیادوں پر سرمایہ کاری کے عملی نفاذ تک ہمارے اختیار کردہ فاسد معاملے کو اگر ''کراماً کاتبین'' فاسد لکھنا چاہیں تو وہ ہمارے نامہ اعمال میں ہماری دستاویزات کے مطابق بڑے کی بجائے چھوٹا فساد لکھ دیں۔ واللّٰہ أعلم وھو یقول:

ما یلفظ من قول إلا لدیه رقیب عتید، وجاءت سکرة الموت بالحق، ذٰلک ما کنت منه تحید.(۱)

وقوله تعالیٰ: وإن علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون. الآیة.(۲)

---

(۱) ق:۱۸-۱۹.

(۲) الانفطار:۱۰-۱۱-۱۲.

تیسری بات: عقدِ اجارہ میں اجرت کی شرح کا روایتی سودی معیار:

عقدِ اجارہ میں اجرت کی شرح کے تعین کے لئے بازار یا کسی خاص ملک کی شرح سود کو معیار بنایا جاتا ہے تاکہ اسلامی بینک کو اجارہ کے ذریعہ اتنا ہی نفع حاصل ہو جتنا روایتی بینک لیزنگ (Leasing) اور سودی قرضوں پر حاصل کرتے ہیں، یہی معیار مرابحہ میں ''ربح'' کی شرح متعین کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ایک اسلامی طریقہ تمویل کے لئے بازار کی شرح سود کو معیار بنانے کی ناپسندیدگی کا اقرار و اعتراف، مروجہ اسلامی بینکاری کے حامی حضرات بھی فرماتے ہیں، کیونکہ اجارہ کی اجرت اور مرابحہ کے ربح کو افراطِ زر کی شرح کے ساتھ منسلک کرنا اور بازار کی شرح سود کو معیار بنانا، ناپسندیدہ و نامناسب عمل ہے، اس کی وجہ سے ایک اسلامی معاملہ، سودی معاملہ کے مشابہ اور مماثل ہو جاتا ہے۔(۱)

ہمارے خیال میں سودی شرح کو اجرت اور ربح کی مقدار کی تعیین کے لئے معیار بنانے کو صرف ناپسندیدہ طریقہ کہنا کافی نہیں، بلکہ اقتصادی ماہرین کے بقول روایتی بینکاری اور مروجہ اسلامی بینکاری کے درمیان حقیقی فرق کو ممتاز کرنے کا مدار ہی اسی مسئلے پر ہے۔ اس لئے اسے صرف ناپسندیدہ کہہ کر نظر انداز کرنے سے مسئلہ واضح نہیں ہوسکتا۔ بلکہ علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ واضح طور پر یہ کہیں کہ اس معیار کو شرعی مزاج کی خلاف ورزی اور سودی مزاج کی رعایت سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ دیکھئے جب اسلامی معاشرے کو شراب کی لعنت سے پاک کرنے کی مہم شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے ان برتنوں کے

(۱) مأخوذ از اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص: ۱۸۰ - ۱۸۱۔

استعمال کو بھی ناجائز قرار دیا جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی تاکہ شراب کے برتن شراب کے رسیا لوگوں کو شراب نوشی کی یاد نہ دلائیں اور ان کی توجہ شراب نوشی سے مکمل طور پر ہٹ جائے، حالانکہ برتنوں کے استعمال میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضور ﷺ نے شراب والے برتنوں کے استعمال کی اجازت کا اعلان بھی فرمادیا تھا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”عن بریدة ان رسو ل اللّٰہ ﷺ قال:نهيتكم عن الظروف، فإن ظرفاً لا يحل شئياً و لا يحرمه وكل مسكر حرام . وفي رواية قال:نهيتكم عن الأشربة إلا في ظروف الأدم ،فاشربوا في كل وعاء غير أن لا تشربوا مسكراً. رواه مسلم.(۱)

غرض یہ کہ معاشرے سے کسی برائی کے خاتمہ کے لئے انقلابی قدم اٹھاتے ہوئے شرعی مزاج کا جو ابتدائی تقاضا ہوتا ہے، شرح سود کو اجارہ کی ”اجرت“ (Rent) اور مرابحہ کے ”ربح“ (Mark-up) کے لئے معیار بنانا شرعی مزاج کے اس ابتدائی تقاضے کی خلاف ورزی ہے، اس لئے ایسے معیار کو اسلامی بینکاری کے انقلابی قدم کے اوائل میں استعمال کرنے سے شرعی مزاج کی خلاف ورزی اور سودی مزاجوں کی رعایت کا پہلو نکلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جدید بینکنگ کے حامی حضرات خود بھی اس طریقے کو سودی معاملات کے مشابہ اور مماثل کہہ رہے ہیں، اور سودی معاملات کے ساتھ مشابہت اور مماثلت رکھنے والے کئی مباح اور جائز معاملات کو ہمارے فقہاء نے بشمول حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے، جابجا ناجائز ہی لکھا ہے۔(کمامرّ بالتفصیل) لہذا روایتی سودی

(۱)مشکوٰۃ المصابیح ،باب النقیع و الانبذۃ: ۲/۳۷۲.ط: قدیمی کتب خانہ کراچی.

شرح کو معیار بناتے ہوئے معاملات کرنے کو جائز کہنے کی بجائے ناجائز کہنا چاہئے، تدیّن اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا حکم بیان کرتے ہوئے صرف ناپسندیدہ کہنے پر اکتفاء نہ فرمایا جائے۔

نفع یا اجرت کی شرح کے معیار پر فقہی اشکال:

مروجہ شرح سود کو اجارہ کی اجرت اور مرابحہ کے ''ربح'' کے لئے معیار بنانے میں ایک اور فقہی خرابی بھی لازم آتی ہے جس کی بہت ساری تأویلیں کی گئی ہیں اور آئندہ بھی شاید کی جاتی رہیں گی، وہ تأویلیں اپنے اندر جدید اسلامی بینکاروں کی تسلی کا سامان تو ضرور رکھتی ہوں گی، لیکن کسی فقہی طالب علم کا ان تاویلوں سے اتفاق اور اطمینان بظاہر بہت مشکل ہے، کیونکہ فقہی طالب علم نے فقہ کی پہلی کتاب سے لے کر آخری کتاب تک یہی پڑھا ہے کہ مرابحہ میں شرح ربح کا اور اجارہ میں اجرت کا پیشگی تعین اور معلوم ہونا ضروری ہے، ورنہ معاملہ ناجائز ہوگا، جبکہ ادھر سودی مارکیٹ میں شرح سود ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، بلکہ بدلتی رہتی ہے، کیونکہ افراط زر کی شرح کے تناسب سے سود کی شرح میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اگر ان معاہدوں میں شرح سود کو بطور معیار استعمال کیا گیا تو ''اجرت'' کا متعین اور معلوم رہنا مشکل ہو جائے گا اور اس سے اجرت کی مجہولیت (غیر متعین و غیر معلوم ہونا) لازم آئے گی، جس کی وجہ سے اجارہ و مرابحہ کا عقد جائز نہیں ہوگا۔ (کمامر)

غیر شرعی معیار پر متبادل تجویز کی حیثیت:

شرح سود کی غیر متوقع کمی بیشی کی وجہ سے موجر اور مستأجر کو لاحق ہونے والے

خطرات سے نمٹنے کے لئے اگر یہ تجویز دی جائے'' کہ کرایہ اور شرح سود میں ربط وتعلق کو (عام رکھنے کی بجائے) خاص حد تک محدود کر دیا جائے، مثال کے طور پر معاہدہ میں یہ شق رکھی جاسکتی ہے کہ خاص مدت کے بعد کرائے کی مقدار شرح سود میں ہونے والی تبدیلی کے مطابق تبدیل ہوجائے گی، لیکن یہ اضافہ کسی بھی صورت میں پندرہ فیصد سے زائد اور پانچ فیصد سے کم نہیں ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر شرح سود میں اضافہ پندرہ فیصد سے زائد ہوتا ہے تو کرایہ پندرہ فیصد تک ہی بڑھے گا، اس کے برعکس اگر شرح سود میں کمی پانچ فیصد سے زائد ہوجاتی ہے تو کرایہ میں کمی پانچ فیصد سے زائد نہیں ہوگی۔(۱)

جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے بھی اجرت کی جہالت (کرایہ کے معلوم نہ ہونے) کا دفعیہ وازالہ نہیں ہوسکتا، مجہولیت کا اشکال بدستور رہتا ہے، بلکہ مزید ایک خرابی کے ساتھ مجہولیت کا باقی رہنا اس طور پر بدستور ہے کہ کمی بیشی کا ۱۵/اور ۵/فیصد کے درمیان دائر رہنا بھی جہالت (عدم تعیین) سے خالی نہیں اور اس جہالت کو معمولی اور جہالت یسیرہ کہہ کر رد کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ جہاں کرایہ ہزاروں لاکھوں میں ہو وہاں فیصدی کا مذکورہ تناسب معتد بہ رقم بن جائے گا، اور یہ فرق اچھا خاصا فرق ہوگا، اس لئے مروجہ اجارہ کے کرایہ میں مجہولیت کی موجودگی کا فقہی اشکال مسترد نہیں کیا جاسکتا۔

بعض لوگ مجہولیت کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہوئے یہ تاویل کرتے ہیں کہ کسی معاملہ میں مجہولیت، پوشیدگی اور خفا ''مفضی الی المنازعة'' ہونے (نزاع کا باعث بننے) کی وجہ سے ناجائز ہوتا ہے، ان معاہدوں میں فریقین کے درمیان کرایہ اور نفع کی عدم تعیین سے فریقین کے درمیان کسی قسم کے تنازع کا خطرہ اور خدشہ نہیں ہوتا، کیونکہ فریقین اپنے معاہدوں میں اس پر رضامندی ظاہر کرچکے ہیں اور وہ اس پر راضی ہیں۔

---

(۱) اسلامی بینکاری کی بنیادیں ایک تعارف، ص:۱۸۲۔ ط: مکتبہ عارفی فیصل آباد۔

مگر یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ اگر کوئی معاملہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہ بیٹھتا ہو، اس معاملہ میں فساد کے پہلو بھی موجود ہوں تو کیا فریقین کی رضامندی سے وہ معاملہ درست ہوسکتا ہے؟ اور اس معاملہ میں پایا جانے والا فساد ختم ہوسکتا ہے؟ اگر فریقین کی اس نوعیت کی رضامندی کو قابل تسلیم قرار دیا جائے تو اس کے اثرات بہت دور تک جائیں۔ مثلاً ہم سود کے ناجائز ہونے کی وجوہات میں قرض خواہ کے استحصال اور اس پر ہونے والے ظلم کو بھی گردانتے ہیں، بعض جدید مفکرین اس وجہ کو یہ کہتے ہوئے رد کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں قرض خواہ کا استحصال ہوتا ہے نہ ہی اس پر ظلم ہوتا ہے، قدیم زمانہ کے سودی قرضوں میں ظلم و ناانصافی اور استحصال کا جو عنصر پایا جاتا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ وہاں قرض خواہ کی مرضی شامل نہیں ہوتی تھی، بلکہ قرض خواہ کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر سود کا بوجھ بڑھایا جاتا تھا، جبکہ موجودہ دور میں مُقرِض (قرض دینے والے) کا استحصال تو عدم ادائیگی کی صورت میں ممکن ہے، لیکن قرض خواہ کا کوئی ظالمانہ استحصال نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو سود ادا کرتا ہے اپنی رضا اور خوشی سے کرتا ہے اور فریقین کے درمیان کسی قسم کے جھگڑے کا باعث بھی نہیں بنتا، کیا یہاں پر ایسی صورتحال میں ہمارے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ ہم سود ادا کرنے والے مقروض کی رضامندی کی بنیاد پر سود کی حرمت کو نظرانداز کردیں تاکہ فریقین پر سود کا الزام نہ آسکے؟

الغرض "جهالة غير مفضية إلى النزاع" کو اس قدر وسعت دینا کہ ہر قابلِ اصلاح معاملہ بغیر اصلاح کے اس دائرے میں آسکے خطرناک بات ہے، بلکہ فقہ اسلامی کی تطبیق جدید کی کاوشوں کا تقاضا یہ ہے کہ "جهالة غير مفضية الى النزاع" کے قدیم لفظی و کتابی مفہوم میں قدرے تغیر و تبدل کا نظریہ اپنایا جائے۔

یہاں پر دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اجارہ میں کرایہ کی شرح کو ۱۵ر فیصد اور

۵/فیصد کے درمیان دائر رکھنے کی تجویز ایک اور خرابی کو بھی مستلزم ہے، وہ خرابی ''غرر'' اور ''قمار'' کی موجودگی یا **علی الأقل** ''غرر''اور''قمار'' کے شائبہ کی صورت میں پائی جائے گی، کیونکہ کرایہ کی شرح کا دو احتمالی قدروں کے درمیان معلق ومتردد رہنا ''**مستور العاقبة**'' (انجام کار کی حتمی صورت کی پوشیدگی) ہونے کی وجہ سے بہرحال ''غرر'' ہے، اور فریقین کا کرایہ کی شرح کے تعین کے لئے ۱۵/اور ۵/فیصد کی دونوں انتہاؤں کے لئے تیار رہنا اور انتظار کرنا بعینہ ''میسر''اور''قمار'' (جوا) کہلانے کا حقدار ہے یا کم از کم ''**تعليق التمليك على الخطر**'' (یعنی تملیک کو کسی ایسے واقعہ کے ساتھ معلق کرنا جس کے وجود میں آنے اور نہ آنے دونوں کا احتمال ہو) کے مشابہ تو ضرور ہے۔ **لكون الأجرة والنفع مترددة بين القدرين.**

تیسرا باب

فصل اول

چیریٹی فنڈ (Charity fund) صدقہ یا جرمانہ؟

حقیقت وضرورت:

چیریٹی فنڈ کی حقیقت وضرورت کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے یوں بیان فرمایا ہے:

> سودی نظام میں تو ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں خود بخود سود بڑھتا رہتا ہے، جس کے ڈر سے مدیون دین بر وقت ادا کر دیتا ہے، مگر مشارکہ مضاربہ یا مرابحہ میں یہ صورت نہیں ہوتی، اس لئے لوگ غلط فائدہ اُٹھا کر ادائیگی میں تاخیر کرتے ہیں۔ اس کے سدباب کا کیا طریقہ ہو؟ یہ مسئلہ علمائے معاصرین میں موضوع بحث بنا ہوا ہے........... لہٰذا تاخیر کے سدِ باب کا معقول طریقہ وہ ہے جو میں نے ابتداءً پیش کیا تھا۔ اور بعد میں کافی مقبول ہوا۔ وہ یہ کہ مرابحہ یا اجارہ کے معاہدے (Agreement) میں مدیون یہ بات بھی لکھے کہ اگر میں نے ادائیگی میں تاخیر کی تو اتنی رقم کسی خیراتی کام میں خرچ کروں گا۔ یہ رقم دین کے تناسب سے بھی طے کی جاسکتی ہے۔ ایسی رقم سے ایک خیراتی فنڈ بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس فنڈ سے کسی کی

امداد بھی کی جاسکتی ہے۔اوراس سے لوگوں کو بلاسود قرض بھی دیا جاسکتا ہے۔لیکن یہ رقم بینک کی آمدنی میں شامل نہیں ہوگی۔یہ طریقہ زیادہ مفید اس لئے ہے کہ اس طریقے میں رقم کی شرح متعین نہیں زیادہ سے زیادہ بھی رکھی جاسکتی ہے،اس سے مدیون پر دباؤ ہوگا۔(١)

ایک اصولی بات:

یہاں پرایک اصولی واساسی بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ ''مدیون'' کی طرف سے یہ التزام مدیون پر شرعاً لازم ہوتا ہے یانہیں؟ اگر لازم ہوتا ہے تو کیا دیانۃً لازم ہے یا قضاء یادونوں طرح سے؟ التزامِ تصدق کا ان پہلوؤں سے جائزہ لینے سے قبل اگر مدیون کی طرف سے عدم ادائیگی کی بابت شریعت اسلامیہ کے عمومی مزاج کو سامنے رکھا جائے تو یہ تنقیح کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ آیا''مدیون'' مالی کمزوری اور تنگدستی کی وجہ سے ادائیگی نہیں کر پارہایااستطاعت ہونے کے باوجود ٹال مٹول کررہاہے؟

اگر مالی کمزوری اور تنگدستی کی وجہ سے ادائیگی نہیں کر پا رہا تو وہاں شریعت کا مزاج ہے: ''وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة'' (٢) یعنی اگر مدیون تنگدست ہوتو اسے فراخ دستی تک مزید مہلت دینی چاہیئے اور اگر مدیون مماطل ہے، استطاعت کے باوجود دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے رہاہے تو یہ ظالم ہے ''مطل الغني ظلم''(٣) اور ظالم سے اپنا حق وصول کرنے کے لئے کوئی بھی مناسب اور مشروع تدبیر

---

(١) اسلام اور جدید معیشت وتجارت،ص:١٤٤-١٤٥۔ط:مکتبۃ المعارف کراچی۔

(٢) البقرة الأية: ٢٨٠.

(٣) البخاري: ١/ ٣٠٥.

اختیار کی جاسکتی ہے۔لقولہ ﷺ:

”لیّ الواجد یحل عرضه وعقوبته“.(۱)

ترجمہ: مستطیع شخص کا تاخیر کرنا اس کی بے آبروئی اور اسے سزا دینے کو حلال کرتا ہے۔ (۲)

ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ روایتی بینک کو چھوڑ کر مروجہ اسلامی بینک کے ذریعہ سرمایہ کاری کرنے اور قرض لینے والا مسلمان یقیناً دینی سوچ کا حامل ہوگا، اسے حلال و حرام اور جائز وناجائز کی تمیز جیسے جذبات ہی نے اسلامی بینکاری کا رخ کرنے پر مجبور کیا ہوگا، ایسے مسلمان گاہک کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے ہم اسے ظالم، دغاباز اور فراڈی کہنے اور سمجھنے کی بجائے انصاف پسند، ضرورتمند اور تنگدست ہونے کی وجہ سے رعایت اور مہلت کا مستحق مسلمان سمجھیں تو اسلامی مزاج کے عین مطابق ہوگا، لہٰذا اسلامی چھتری کے سائے میں کام کرنے والے بینکوں کو چاہیئے کہ وہ اسلامی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے تنگدست مدیون کے حق میں ”فنظرة إلى ميسرة“ کی پالیسی اختیار کریں اور روایتی بینکوں کے طرزِ عمل کی تقلید کرتے ہوئے اپنے گاہکوں پر اجباری تصدق کا مالی بوجھ نہ ڈالیں، اس لئے کہ جو تنگدست اور مجبور مسلمان اپنے فرض اور قرض ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے آپ نفلی صدقہ کروائیں تو یہ عجیب ترین بات ہوگی، بلکہ ایسا التزام کروانے سے اس مجبور مدیون کی مالی حالت مزید ابتر اور قابل رحم ہوجائے گی۔اسی وجہ سے فقہاءِ کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ ضرورت مند انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نفلی صدقہ کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ گناہ گار ہوگا۔

---

(۱) رواه ابو داؤد والنسائی مشکوٰۃ، باب الإفلاس والإنظار ص: ۲۵۳ ط: قدیمی.

(۲) مظاهر حق جدید: ۳/۱۳۸۔

''فتاویٰ شامی''میں ہے:

"اعلم أنّ الصّدقة تستحبّ بفاضل عن كفايتهٖ و كفاية من يمونه،وإن تصدّق بما ينقص مؤنة من يمونهٗ أثم،ومن أراد التّصدّق بمالهٖ كلّهٖ وهو يعلم من نفسهٖ حسن التوكّل والصّبر عن المسئلة فلهٗ ذلک،وإلّا فلايجوز."(١)

ترجمہ:''جان لو کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد مال میں سے صدقہ کرنا مستحب ہے،اور اگر صدقہ سے اہل وعیال کی ضرورت کے بقدر مال میں کمی ہوتو یہ صدقہ کرنا گناہ ہے۔اور اگر اس حال میں اپنا کل مال صدقہ کرتا ہے کہ اسے اپنے نفس کے بارے میں حسنِ توکّل اور عدمِ سوال کا یقین ہے تو ایسا کرنا درست ہے،ورنہ جائز نہیں،اور جو آدمی مالی تنگی پر صبر نہ کرسکتا ہواُسے اپنی کفایتِ تامّہ کی مقدار میں سے صدقہ کرنا مکروہ ہے۔''

غور فرمانے کا مقام ہے کہ مقروض،ضرورت منداور مجبور مسلمان کے لئے اپنے افلاس کی وجہ سے صدقہ کرنے سے فقہاء منع کرتے ہیں، بلکہ اسے کارِگناہ قرار دیتے ہیں۔اور ہمارے بعض لوگ اسے قرضوں کی ادائیگی میں تأخیر کی سزا ہونے کے باوجود صدقہ کہہ کر جائز کہہ رہے ہیں، یہ صدقہ کی انوکھی قسم ہے۔ ؎

قیاس کن ازگلستان من بہارمرا۔

---

(١) فتاویٰ شامی،باب المصرف،مطلب:الأفضل علیٰ أن ینوی.....:٣٥٧/٢.ط:ایچ ایم سعید کراچی.

اجباری تصدق اور اس کا لزوم:

بہرکیف مروجہ اسلامی بینک شرعی مزاج کی رعایت کرنے کے باوجود اگر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا مدیون مماطل ہے اور وہ اجباری تصدق کے بغیر دباؤ میں نہیں آسکتا نہ اسے عدلیہ وانتظامیہ کی مدد سے ہراساں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی طور پر ادائیگی کے لئے آمادہ ہو تو ایسی صورتحال میں اجباری تصدق کے التزام کے لئے اسے پابند کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ ایسا التزام کروانے سے مدیون قضاءً و دیانۃً صدقہ کرنے کا پابند ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ فقہ مالکی کی بعض نصوص کو بنیاد بناتے ہوئے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ :

> ”یہ التزام دیانۃً بالاتفاق لازم ہوتا ہے اور قضاءً لازم ہونے میں اختلاف ہے، موجودہ ضرورت کی بناء پر ان حضرات کے قول پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں جو قضاء بھی اس کے لازم ہونے کے قائل ہیں“(۱)

ان حضرات کے قول کی بنیاد امام خطاب رحمہ اللہ کی کتاب **”تحریر الکلام فی مسائل الالتزام“** کی مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

> **”أما إذا التزم المدعى عليه للمدعى أنه إن لم يوفه حقه فى وقت كذا وكذا فله عليه كذا وكذا، فهٰذا لايختلف فى بطلانه لأنه صريح الربا .... إلى قوله: وأما إذا التزم أنه إن لم يوفه حقه فى وقت كذا فعليه كذا لفلان أو صدقة للمساكين فهذا هو محل الخلاف**

---

(۱) جدید معیشت وتجارت ص:۱۴۵۔

المعقود له هذا الباب، فالمشهور أنه لايقضى به كما تقدم وقال ابن دينار يقضى به"

ترجمہ: پس جب مدعی علیہ، مدعی کے لئے یہ التزام کرے کہ اگر مدعی علیہ نے مدعی کا حق اتنے اتنے عرصہ میں ادا نہ کیا تو مدعی علیہ پر مدعی کے لئے اتنا اتنا (مال) لازم ہے، یہ ایسا التزام ہے کہ جس کے باطل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے کہ یہ کھلم کھلا سود ہے...(۱)

ہاں اگر مدعی علیہ نے یہ التزام کیا کہ اگر وہ اتنے وقت میں اس (مدعی) کا حق ادا نہ کر سکا تو اس (مدعی علیہ) پر فلاں شخص (غیر مدعی) کے لئے اتنا (مال) لازم ہے یا مساکین کے لئے صدقہ (لازم) ہے، یہ محل اختلاف ہے، اسی کے لئے یہ باب باندھا گیا ہے، پس مشہور (راجح قول) یہی ہے کہ اس پر فیصلہ نہیں دیا جائے گا، کما تقدم، اور ابن دینار فرماتے ہیں کہ اس پر فیصلہ دیا جائے گا۔ (یعنی بذریعہ قضاء لازم کیا جائے گا)

اس عبارت میں دو باتیں قابل غور ہیں:

ایک یہ کہ مدعی علیہ کا مدعی (صاحب حق) کے لئے مقررہ وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں کسی قسم کے مال یا کسی ادائیگی کا التزام کرنا کھلم کھلا سود ہونے کی بناء پر بالاتفاق حرام ہے۔

دوسری بات یہ کہ صاحب حق کے علاوہ کسی اور فرد یا مساکین کے لئے اپنے اوپر

---

(۱) تحرير الكلام فى مسائل الالتزام، ص:۱۷۶، ط: بيروت،

کسی قسم کا مال یا صدقہ کو لازم قرار دینا مالکیہ کے مشہور یعنی راجح اور معمول بہ قول کے مطابق التزام کرنے والے پر قضاء واجب الاداء نہیں ہوتا، ہاں صرف ایک فقیہ ابن دینار رحمہ اللہ ایسے التزام کو قضاءً پورا کرنے کے قائل ہیں۔ صاحب کتاب امام خطاب رحمہ اللہ کی عبارت کی رو سے ان کا قول مرجوح ہے، جسے فقہاء کرام معدوم کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔

"والمرجوح فی مقابلة الراجح بمنزلة العدم، والترجیح بغیر مرجح فی المتقابلات ممنوع".(۱)

نیز قول مرجوح کے بارے میں خود مالکیہ کے مشہور امام وترجمان علامہ ابوالولید باجی مالکی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

"وهذا لاخلاف بین المسلمین ممن یعتد به فی الإجماع أنه لایجوز".(۲)

یعنی اہل اسلام میں سے جس کسی کا بھی اجماع میں اعتبار کیا جا سکتا ہے ان کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مرجوح قول پر فتویٰ وعمل ناجائز ہے۔

اس تصریح سے ہر کوئی بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ مدیون کا دائن کے علاوہ کسی شخص کے لئے مال کا یا مساکین کے لئے صدقہ کا التزام مالکیہ کے قول کے مطابق واجب الایفاء ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز ابن دینار رحمہ اللہ کی رائے کو جو مالکیہ کے مشہور وراجح قول کے مقابل ہے یعنی غیر مشہور اور مرجوح کے درجہ میں ہے اسے مالکیہ کا مذہب باور کرانا یا اس قول مرجوح پر کسی انقلابی رائے کی بنیاد رکھنا کس حد تک درست ہے؟

---

(۱) شرح عقود رسم المفتی ص:۵،ط:مکتبه علمیه کراچی.

(۲) شرح عقود رسم المفتی ص:۵.ط:مکتبة علمیة کراچی.

’’چیریٹی فنڈ‘‘ امام خطاب کی عبارت کی روشنی میں:

اسلامی بینکوں کے ’’چیریٹی فنڈ‘‘ کو ’’تحریر الکلام فی مسائل الالتزام‘‘ کی درج بالا عبارت کے تناظر میں دیکھنا چاہیئے کہ بینکوں کا اپنے مدیون لوگوں سے اپنے ’’چیریٹی فنڈ‘‘ کے لئے خاص شرح کے ساتھ صدقہ کا التزام کروانا صاحبِ حق (بینک) کے لئے التزام ہے یا غیر صاحبِ حق یا مساکین کے لئے؟ بینک کا طریق کار دونوں طریقوں میں سے کس طریقہ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے؟

چنانچہ امام خطاب رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت میں معمولی غور وفکر سے بھی یہ واضح ہورہا ہے کہ بینک کی طرف سے اپنے مدیون (مقروض) سے صدقہ کا جو التزام کروایا جاتا ہے، اس التزام کو مساکین کے لئے صدقہ کا التزام کرانے سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہورہی، جبکہ اس کے برعکس یہ التزام، صاحبِ حق کی طرف سے اپنے لئے التزام کروانے سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اس کی دو وجہیں صاف واضح ہیں:

۱- بینک کی حیثیت دائن (قرض دہندہ) کی ہے اور وہ التزام کروا رہا ہے اپنے مدیون سے، مدیون، بینک کے مطالبہ پر اپنے اوپر صدقہ کو لازم کررہا ہے، یہ دائن اور مدیون کے درمیان التزام تصدق کا دوطرفہ معاہدہ ہے، اس معاہدہ میں دائن کا اصرار ہی بنیاد ہے، اس لئے اسے مدیون کی طرف سے التزام تصدق کہنے کی بجائے دائن کی طرف سے اجباری تصدق کہنا زیادہ مناسب ہے ظاہر ہے، کہ دائن اپنے مدیون کے ذمہ اپنے دین پر مستزاد کوئی بھی اضافی مالی بوجھ مسلط کرے تو اسے سود کہنے میں کوئی بڑی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

۲- اگر ہم اس التزام کو مدیون کی طرف سے یکطرفہ التزام بھی مان لیں

تب بھی اس التزام کی نسبت دائن (صاحب حق بینک) ہی کی طرف ہوگی، کیونکہ یہ رقم بینک ہی کو ادا کی جاسکتی ہے، اس رقم کے انتظام وانصرام اور تقسیم وغیرہ کی ساری ذمہ داریوں میں بینک کی ترجیحات اور خواہشات ہی بنیاد ہوتی ہیں، نیز اس کے فوائد وثمرات بھی بینک ہی کے کھاتے میں شمار ہوں گے، کیونکہ اگر بینک شرعی ضابطوں پر پورا اترنے کے بعد مساکین پر صدقہ کرے تو عنداللہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور دنیا میں نیک نامی اور اچھی شہرت کے فوائد بھی بینک ہی کو حاصل ہوں گے اور ظاہر ہے نیک نامی اور شہرت کی قیمت غیر معمولی ہوتی ہے۔

الغرض دائن (بینک) کے اصرار پر مدیون کے التزامِ تصدق کو بینک سے منسوب کرنا آسان اور مساکین سے منسوب کرنا از حد مشکل ہے، یہ التزام عملاً وعرفاً صاحب حق کے لئے ہورہا ہے، لہذا امام خطاب رحمہ اللہ کی پیش کردہ عبارت کی روشنی میں اسے کھلم کھلا سود کہنا چاہیئے، اگر زوردار قسم کی تاویلیں کی جائیں تو بھی اس التزام کو خالص سود کی مشابہت سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مروجہ ''چیریٹی فنڈ'' اجماع فقہاء کی روشنی میں:

علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے، مقروض شخص اگر استطاعت کے باوجود صاحب حق کا حق ادا نہ کرے تو اس کا مواخذہ کیا جاسکتا ہے، مگر اس بات پر بھی ان کا اجماع ہے کہ ایسے شخص کو دنیا میں بُرا بھلا کہنے اور قید وبند کے علاوہ کوئی اور سزا نہیں دی جاسکتی، کیونکہ ایسے شخص کے لئے شریعت نے سخت سست کہنے اور حبس (قید وبند) کے علاوہ کوئی اور سزا مقرر نہیں کی، باوجود یہ کہ ایسے لوگ روز اول سے تاحال بدستور ہر دور میں پائے جارہے ہیں۔ جب شریعت میں ایسی کوئی سزا (قید اور سخت سست کہنے کے علاوہ) نہیں ہے تو کسی اور

کواس منصوص سزا پر کوئی دوسری سزا مقرر کرنے کا اختیار ہرگز نہیں، چہ جائے کہ مالی جرمانہ عائد کیا جائے۔ مالی جرمانے کی قباحت وشناعت کو ہر دور میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا رہا ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں پوری صراحت کے ساتھ تعزیر بالمال کے احکام موجود ہیں۔فقہاء نے تعزیر مالی پر جس قدر سخت مؤقف اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہی بتائی ہے کہ تعزیر مالی میں معمولی چھوٹ سے ظلم واستحصال کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس لئے مالی تعزیر کا جو بھی نام رکھا جائے اس میں فقہائے امت کی طرف سے ذرہ بھر رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔اس کی ایک تازہ مثال اگلی صفحوں میں آرہی ہے۔

چنانچہ ''احکام القرآن للجصاص''میں ہے:

وفی الآیة دلالة علی أن الغریم متیٰ امتنع من أداء الدین مع الإمکان کان ظالماً....إلی أن قال. وإذا کان کذلک استحق العقوبة،وهی الحبس...واتفق الجمیع علیٰ أنه لا یستحق العقوبة بالضرب فوجب أن یکون حبساً،لاتفاق الجمیع علیٰ أن ما عداه من العقوبات ساقط عنه فی أحکام الدنیا.وقد روی عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم ما دلت علیه الآیة ...عن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم، قال:''لیّ الواجد یحلّ عرضه وعقوبته''.قال ابن المبارک:یحلّ عرضه : یغلظ له ،وعقوبته :یحبس...عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم أنه قال :مطل الغنی ظلم،وإذا أحیل أحدکم علی ملیء فلیحتل .فجعل مطل الغنی ظلماً،والظالم لامحالة

یستحق العقوبة وهی الحبس لإتفاقهم علی أنه لم یرد غیره ....والمراد بالعقوبة ههنا الحبس لأن أحداً لایوجب غیره.'' (۱)

لہٰذا اس اجماعِ فقہاء کے خلاف جو بھی رائے قائم کی جائے خواہ وہ اجتہادی ہی کیوں نہ ہو وہ ہر حال میں مردود ہے، اور اگر وہ رائے شاذ اور اجماعِ امت کے خلاف ہو تو کسی طور پر بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل مذاہبِ اربعہ میں سے کسی میں موجود ہو، بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماعِ امت کے خلاف نہ ہو تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ اجتہادِ جدید اور مذاہبِ مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔(۲)

اصطلاحی وعدہ کی شرعی حیثیت:

یہاں پر بعض اہلِ علم یہ فرماتے ہیں کہ مدیون کی طرف سے التزامِ تصدق درحقیقت ''وعدۂ تصدق'' ہے، اور فرماتے ہیں کہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت کی رو سے وعدوں کو پورا کرنا لازم ہے۔ قولہ:

''لأن المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح ،کما فی الکافی والخانیة، وأقره

---

(۱) احکام القرآن للجصاص الرازی، سورة البقرة:۱/۴۸-۶۴۷. ط: قدیمی کراچی .

(۲) بینات محرم الحرام ۱۳۸۸ھ ص:۳۶۔

خسروهنا، والمصنف في باب الإكراه وابن مالك في باب الإقالة“ (۱)

یعنی لوگوں کی ضرورتوں کے پیش نظر بعض وعدوں کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔

اس عبارت کے مفہوم میں بظاہر کوئی پوشیدگی اور الجھاؤ نہیں، صاف واضح بات ہے کہ بسا اوقات بعض وعدے لوگوں کی ضرورتوں کے پیش نظر واجب الایفاء ہوتے ہیں، یعنی ہر وعدہ ہر حال میں واجب الایفاء ہو اس کی کوئی اساس نہیں ہے، اس لئے کوئی دعویدار بھی نہیں، البتہ اتنی بات تو طے ہے کہ ہر قسم کے جائز وعدے کا پورا کرنا وعدہ کرنے والے مسلمان پر دیانۃً اور اخلاقاً لازم ہے، وعدہ خلافی کرنے والے مسلمان کے بارے میں بہت سخت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں اور اس کی مذمت کی گئی ہے، یعنی وعدہ خلافی کرنے والے کا معاشرہ میں وقار بھی خراب ہوگا اور آخرت میں باز پرس بھی ہوگی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

قابل غور پہلو یہ ہے کہ آیا کسی وعدہ کا قضاء وقانوناً پورا کرنا بھی لازم ہے یا نہیں؟ بعض اکابر امت نے ظاہر نصوص کی رعایت کرتے ہوئے شرعاً وقانوناً وقضاء وعدہ پورا کرنے کو لازم فرمایا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے تو اس وعدہ کا پورا کرنا اس پر واجب ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کے لئے عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے اور عدالت وعدہ کرنے والے کو وعدہ نبھانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ جبکہ جمہور فقہاءِ کرام کے نزدیک قضاء وعدوں کا پورا کرنا لازم نہیں، یعنی وعدہ خلافی کرنے والے کے خلاف عدالتی چارہ جوئی نہیں ہو سکتی۔

ہمارے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے اس کی وجوہ ترجیح یہ ہیں:

---

(۱) شامیہ: ۲۷۷/۵، ط: ایچ ایم سعید کراچی.

۱- وعدہ عموماً یکطرفہ آمادگی کے طور پر ہوتا ہے، اس کے ساتھ موعودلہ کا کوئی خاص واجبی حق متعلق نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص دوسرے کو ہدیہ دینے کی آمادگی ظاہر کرے تو یہ آمادگی بھی وعدہ ہے، اس وعدہ کی وجہ سے موعودلہ کسی قسم کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ نیز ایک انسان نے دوسرے کے ساتھ جانے کا وعدہ کیا اور وہ نہ جاسکا تو موعودلہ کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے مجبور کرے یا قانونی چارہ جوئی کرے، کیونکہ جبر اور عدالتی کاروائی کے لئے ثابت شدہ حق کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے، ہاں یہ وعدہ خلافی اخلاقاً جرم ہے۔ جس پر اسے ملامت کیا جاسکتا ہے۔

۲- جن حضرات نے ظاہر نصوص کی بنیاد پر وعدہ نبھانے کو لازم فرمایا ہے، ان کے قول میں ایسی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی کہ کون سے وعدے نبھانا قضاء لازم ہیں اور کون سے لازم نہیں؟ اگر ان کے قول کو اختیار کیا جائے تو پھر معمولی وعدہ کو پورا نہ کرنے والا بھی عدالتی مؤاخذہ کا حقدار ٹھہرے گا، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں اس لئے جمہور کا قول اختیار کرنے میں نفس الامر کی رعایت ہے، وہی راجح ہے۔

۳- وعدہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اپنے مخاطب کو اعتبار اور اعتماد دلانے کا نام ہے، اور یہ تبرع محض ہے، اور تبرع پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کی واضح مثال وعدہ نکاح (منگنی) ہے، جسے فقہاء کرام نے بشمول ہمارے اکابر کے عین نکاح کی مانند واجب الایفاء اور لازم قرار نہیں دیا۔ حالانکہ بعض علاقوں میں یہ وعدۂ نکاح ایجاب وقبول اور مہر کی تعیین وغیرہ پر بھی مشتمل ہوتا ہے اور سب ہی اسے صرف اس لئے غیر لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ محض وعدۂ نکاح ہے، نکاح نہیں ہے۔

پس جمہور فقہاء کرام رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہر وعدہ کا قضاء پورا کرنا تو واعد (وعدہ کرنے والے) پر لازم نہیں، راجح قول یہی ہے، البتہ بعض زمانی ضرورتوں اور لوگوں

کی حاجتوں کے پیش نظر بعض وعدوں کو پورا کرنا قضاء لازم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا مختصر جواب تو "**لان المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس**" میں موجود ہے، مگر اس سوال کے تفصیلی جواب کی طرف جانے سے قبل یہاں "وعد" اور "عہد" کے لغوی فرق کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

وعدہ اور عہد میں فرق:

عہد اور وعد میں فرق یہ ہے کہ عہد کسی شرط کے ساتھ مقرون اور مشروط ہوتا ہے، جبکہ "وعدہ" کسی شرط کے ساتھ مقرون اور مشروط نہیں ہوتا۔

وفی الفروق اللغویة:

۸۳- الفرق بین الوعد والعهد: أن العهد ما کان من الوعد مقروناً بشرط، نحو قولک: إن فعلتَ کذا، فعلتُ کذا، وما دمت علی ذلک فأنا علیه، قال اللّٰه تعالیٰ: "ولقد عهدنا إلی آدم" (طه.الآیة: ۱۱۵) أی أعلمناه أنک لاتخرج من الجنة مالم تاکل من هذه الشجرة، والعهد یقتضی الوفاء، والوعد یقتضی الإنجاز ویقال: نقض العهد، وأخلف الوعد".(۱)

(۱) الفروق اللغویةللعسکری، ص: ۶۹/ط:مکتبه اسلامیه کوئٹه.

التزامِ تصدق (Undertaking of Charity)

وعدہ ہے یا شرط؟

اس تفصیل کی روشنی میں ان اہلِ علم کے اس ارشاد کا تجزیہ بھی باآسانی ہوسکتا ہے کہ ''قسطیں بروقت ادا نہ کرنے والے مدیون کا التزام تصدق محض وعدہ ہے نہ کہ شرط''۔ کیونکہ معمولی غور وفکر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مدیون پر صدقہ کی ادائیگی کا لزوم تب ہی ہوگا جبکہ وہ قسطیں بروقت ادا نہ کرے، اگر قسطیں بروقت ادا کرلے تو اس پر کسی قسم کا صدقہ کرنا لازم نہیں، گویا کہ صدقہ کا لزوم بروقت عدم ادائیگی کے ساتھ مقرون ومشروط ہے، ایسا وعدہ جو کسی شرط کے ساتھ مشروط اور مقرون ہو وہ وعدہ نہیں ''عہد'' کہلائے گا۔ اور مشروط اور معلق ہونے کی وجہ سے ''نذر'' کے ساتھ واقعی مشابہت رکھتا ہے اور ''نذر'' وغیرہ خالصۃً دیانات میں سے ہیں، اگر کوئی نذر کو پورا نہیں کرتا تو اس کے خلاف عدالتی کارروائی کا کسی کو حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اس کا قائل ہے۔

مواعیدِ لازمہ:

جہاں تک فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ''بسا اوقات بعض وعدوں کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے'' اس جزئیہ سے استدلال کرنے سے پہلے لامحالہ اس میں تنقیح کی ضرورت ہے جس کی طرف اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے، یعنی وہ کس قسم کے وعدے ہیں جن کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے؟ ہمارے خیال میں خاص نوعیت کے مخصوص قسم کے وعدے ہوسکتے ہیں، اس ضمن میں وہ وعدے شمار ہوسکتے ہیں جو اربابِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی

کے اوقات اور مدتوں سے متعلق ہوں، یا ایسے وعدے جن کے پورا نہ کرنے سے موعود لہ (جس سے وعدہ کیا گیا ہو) کسی واقعی نقصان اور حرج کا شکار ہو جاتا ہو۔اول کی مثال جیسے کسی نے وعدہ کیا کہ میں فلاں وقت اور تاریخ میں صاحبِ حق کا حق ادا کر دوں گا، اگر مدیون مقررہ وقت اور تاریخ پر ادائیگی کا وعدہ پورا نہیں کرتا، تو اسے اس وعدہ کے پورا کرنے پر عدالت کے ذریعہ مجبور کیا جاسکتا ہے، اس کو مزید مہلت دینا ضروری نہیں، ہاں دیون میں مقررہ وقت اور تاریخ سے پہلے بھی مطالبہ تو کیا جاسکتا ہے۔لیکن مہلت اس کا اخلاقی وقانونی حق ہے۔

وفی ''الشامیة'' :

''والحاصل أن تأجیل الدین علیٰ ثلاثة أوجه ....وصحیح غیر لازم فی قرض وإقالة وشفیع ودین میت ...الخ'' (۱)

وفی ''فتح القدیر ''من کتاب أدب القاضی :

وإذا ثبت الحق عند القاضی و طلب صاحبهٔ حبس غریمهٖ لم یعجل بحبسهٖ حتّیٰ یأمرهٔ بدفع ما علیه ، لأن الحبس جزاء المماطلة، بقو لهٖ صلّی اللّٰه علیه وسلم: لیّ الواجد یحلّ عرضهٔ وعقو بتهٔ. (۲)

دوسرے کی مثال جیسے سلم واستصناع ہے، اگر کسی نے آرڈر پر کوئی چیز منگوائی یا بنوائی اور اس نے لینے کا وعدہ کر رکھا تھا، مال حاضر ہو جانے یا تیار ہو جانے کے بعد اگر وعدہ کرنے والا (Promisor) اپنے وعدے سے مکر جاتا ہے تو اس سے مال منگوانے اور

---

(۱) الشامیة :۱۵۹/۵،ط:ایچ ایم سعید کراچی.

(۲) فتح القدیر ،کتاب أدب القاضی :۳۷۶/۶،ط:دار إحیاء التراث العربی .

بنانے والے کو بھاری نقصان لاحق ہوسکتا ہے اور اس نقصان کا باعث اور بنیاد خریداری کا وعدہ کرنے والا شخص ہوگا، اس لئے موعود لہ (Promisee) کو نقصان سے بچانے کے لئے وعدہ کرنے والے کو خریداری پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے اگر واقعی نقصان متحقق ہو چکا ہو، یعنی نقصان احتمالی نہ ہو تو ایسے شخص کا اس کے وعدہ کی بنیاد پر مؤاخذہ ہو سکے گا۔ اور جہاں اصلی نقصان متحقق نہ ہو چکا ہو، نقصان ہوا ہی نہیں محض احتمالی ہو تو ایسی صورت میں وعدہ خلافی کرنے والے کے خلاف کارروائی کرنے کا کوئی جواز " **المواعید قد تکون لازمۃً** " سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ پہلی صورت میں ایفاءِ عہد کا لزوم درحقیقت مال کی ادائیگی کا عدالتی دباؤ ہے، برابر ہے کہ آپ اسے عدالتی جبر کہیں، یا لزوم کہیں، مقصد، حق کی ادائیگی ہے اور دوسری صورت میں نقصان کا سبب بننے والے کو مطلوبہ مال کی قیمت کی ادائیگی کے ساتھ مطلوبہ مال کی خریداری پر مجبور کرنا ہے۔ اس کو وعدہ لازمہ کہیں یا مطلوبہ سامان کی خریداری پر مجبور کرنا، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

التزام تصدق میں وعدے کی حیثیت

اب وعدہ لازمہ کے مذکورہ بالا مصداق کے تناظر میں "التزامِ تصدق" کے وعدہ ہونے کا جائزہ لیجئے کہ وہ کس قسم کے حق کی ادائیگی کے لئے دباؤ میں لانے کا ذریعہ ہے، اس وعدہ میں وعدہ خلافی کا تحقق کس نوعیت کا اور کس صورت میں ہوگا؟

ہمارے خیال میں التزامِ تصدق کا وعدہ نہ تو بعینہ کسی حق کی ادائیگی کا وعدہ ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ لاحق ہونے والے کسی حقیقی نقصان کی تلافی مقصود ہوتی ہے، بلکہ یہ وعدہ

الگ نوعیت کا حامل ہے جس کا حقدار کے بنیادی حق اور حقدار کو لاحق ہونے والے نقصان سے کوئی تعلق ہی نہیں، اگر آپ اس ''تصدق'' کا حقدار یعنی بینک کے ساتھ کسی قسم کا تعلق مانتے ہیں تو پھر اس صدقہ کو مساکین کے نام پر وصول فرمانے کی بجائے بینک کے نقصان کی تلافی کے نام پر جمع فرمائیں، کیونکہ سرِ دست مساکین کی بجائے بینک کی ضرورت مقدم ہے، اس لئے کہ فقیر اور مسکین شخص اپنے فقر و مسکنت کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، مگر شخص قانونی (بینک) محدود خسارے اور نقصان کے بعد فوراً مر سکتا ہے، اس لئے مرنے والا بھوکے سے زیادہ توجہ و رعایت کا مستحق ہے۔

باقی مال کی اس جمع بندی کو ہم ''جرمانہ'' (Penalty) سمجھتے ہیں اور بینکار حضرات ''صدقہ'' (Charity) کہتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ''**لامشاحة فی الاصطلاحات**'' کا وسیع دروازہ کھلا ہوا ہے اور تا دیر کھلا رہے گا، جرمانہ سے التزامِ تصدق، التزامِ تصدق سے وعدۂ تصدق کا تسلسل مزید جاری رہ سکتا ہے۔

تاہم اس سلسلہ کو اگر پوشیدہ اور غیر رسمی رکھا جاتا اور استحصالی سودی مارکیٹ میں کھلے تمام بینکاروں کے ہاتھ میں جانے نہ دیا جاتا تو تعزیر بالمال کی معمولی محدود درجہ کی اباحت کے بارے میں اپنی جگہ بحث کی فقہی گنجائش ہوتی، مگر افسوس کہ سہواً یا عمداً تعزیر بالمال کو سودی بازار میں صدقہ کے نام سے کارِ خیر سمجھتے ہوئے متعارف کرادیا گیا جو کہ شریعت کے سراسر خلاف ہے۔ چنانچہ مشہور سندھی عالم وفقیہ مخدوم عبد الکریم المعروف میزان بن یعقوب البوبکانی رحمہ اللہ ''**المتانة فی مرمة الخزانة**'' میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے تعزیز بالمال کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''**إلاأن رواية جواز التعزير بأخذ المال ينبغي**
أن لايطلع عليه سلاطين زماننا لأنهم بعد الاطلاع

قديجاوزون حدالأخذ بالحق إلى التعدى بالباطل اھ'' (۱)

اس عبارت سے یہ فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی کے لئے لوگوں پر اضافی مالی بوجھ کی ''طرح'' ڈال کر استحصالی اداروں کے ظالمانہ استحصال کو تقویت نہیں پہنچانی چاہیئے، ورنہ ممکن ہے کہ محدود جرمانے لینے والے روایتی لوگ ہمارے اسلامی جرمانہ کی آڑ میں انسانی حدود سے بھی تجاوز کر جائیں۔

واضح رہے کہ مالی جرمانہ کے جواز کے فتوؤں کو بنیاد بناتے ہوئے بعض اداروں نے ''فیس ڈیفالٹ پالیسی''(Fees Default Policy) کا سلسلہ شروع کردیا ہے اوراس غیر شرعی وصولیابی کو علماء کے کھاتے میں ڈالتے ہوئے باقاعدہ یہ کہا جارہا ہے کہ ہم نے علماء سے اس کہ اجازت لی ہے،اس رقم کو ادارہ کے استعمال میں نہیں لایا جائے گا بلکہ اس رقم کے ذریعہ ایک چیریٹی فنڈ قائم کیا جائے گا۔اب سوچنے کا مقام ہے کہ مالی جرمانہ کا سلسلہ کہاں کہاں تک خیراتی فنڈ بنتا جائے گا؟ واللّٰہ ھو الھادی.

التزام تصدق اور اصطلاحی صدقہ

حاصل یہ کہ التزام تصدق کے نام سے مدیون کو جو مال ادا کرنا پڑتا ہے وہ شرعاً و اصطلاحاً ''صدقہ'' نہیں کہلاسکتا، کیونکہ مسلمان خود سے اپنے اوپر جس مالی ادائیگی کو عائد کرے وہ کسی امر کے ساتھ معلق ہو تو صدقہ واجبہ (نذر) کہلاتا ہے اور اگر غیر مشروط اور غیر معلق ہو تو صدقہ نافلہ ہے،اگر آپ بینک کے مطالبہ پر مساکین کے لئے مشروط اور معلق ادائیگی کا اہتمام کریں تو یہ زیادہ سے زیادہ ''نذر'' بن کر صدقہ واجبہ ہوگا،جس کے بارے

(۱) المتانة فی مرمة الخزانة ،ص:۵۴۶، سندھی ادب بورڈ کراچی.

میں ابھی عرض ہوا کہ وہ دیانات کے قبیل سے ہے، صدقہ واجبہ (نذر) کو پورا کرنے کے لئے قضاء مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور اگر یکطرفہ غیر مشروط وغیر معلق اہتمام کہیں تو یہ محض نفلی صدقہ ہوگا جو تبرعِ محض ہے، ایسے صدقہ کو صدقہ کہنے کے لئے تو اختیارِ محض اور طیبِ خاطر بھی ضروری ہے، اگر اپنا اختیار ہو اور طیبِ خاطر نہ ہو تو ایسا صدقہ، شرعاً واصطلاحاً نفلی صدقہ نہیں کہلاسکتا۔ اگر اس صدقہ کے ساتھ آپ التزام کا لاحقہ لگائیں اور مدیون کو صدقہ کرنے پر مجبور کریں تو اسے کسی طور پر ''صدقہ'' نہیں کہا جاسکتا، ہاں ''جرمانہ'' کہا جاسکتا ہے اور ''جرمانہ'' کہنے میں زیادہ دقت اس لئے پیش نہیں آتی کہ صورۃً جرمانہ تو پہلے سے ہے اور اس صورت میں اسلامی روح ڈالنے کی سعی فرمائی گئی تھی تاکہ جرمانہ کی حقیقت بدل جائے، مگر یہ سعی لاحاصل رہی، اس لئے ''جرمانہ'' کی حقیقت پر صدقہ یا التزام تصدق کا لیبل مناسب نہیں، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا جائے تو یہ ''تزویر مذموم'' کے زمرے میں آسکتا ہے۔

ے باخدا تزویر وحیلہ کے رواست

پس التزامِ تصدق کی بحث کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں، اس پر مستزاد، یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے ''**افتاء بمذهب الغير**'' کی ان شروط وآداب کا لحاظ نہیں رکھا گیا جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہم یا ہمارے دیگر اکابر نے بیان فرمائی تھیں، اور یہ کہ فقہ حنفی کے مطابق مرابحہ واجارہ وغیرہ کی تشریح وتفصیل اور تطبیق بتاتے ہوئے مالی جرمانہ کے متبادل کی تلاش میں مالکیہ کے ایک مرجوح قول تک جا پہنچنا یہ ''**إفتاء بمذهب الغير**'' کے جواز میں آتا ہے یا ''**التقاط ممنوع**'' کے زمرے میں؟ کیونکہ اس تفصیل میں جانے کی نوبت تب آتی جب ''تصدق'' کے ''التزام'' کی بنیاد کا واقعی اور قابل تسلیم ہونا معلوم ہوجاتا مگر! اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

فصل دوم

مروجہ اسلامی بینکوں میں سیکورٹی ڈپازٹ کی اسلامی حیثیت

مختلف بینکوں میں اپنے گاہک کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے سیکورٹی ڈپازٹ کی مد میں عام طور پر کچھ رقم بینک کے پاس رکھوانی پڑتی ہے، یہ ہمارے مروجہ اسلامی بینکوں کا معمول بھی ہے اس لئے سیکورٹی کی فقہی حیثیت معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ آیا سیکورٹی ڈپازٹ کی جاری صورت ''رہن''(Pledge) کا حکم رکھتی ہے یا کچھ اور؟ اگر آپ ''رہن'' کہیں تو اصولاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ رہن مال مضمون (واجب ضمان مال) کے بدلے ہوتا ہے، جبکہ اسلامی عقود اجارہ ہو یا مال مضاربت وشرکت یہ سب امانات کے قبیل سے ہیں نہ کہ مضمونات کے قبیل سے، ایسا رہن فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے۔

اور اگر اس رہن کو بینک اپنے استعمال میں لائے جیسا کہ معمول ہے (۱) تو یہ انتفاع بالمرہون ہونے کی بناء پر سود ہو کر حرام کہلائے گا۔

''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

(لاانتفاع به مطلقاً) لا باستخدام ،ولا سكنىٰ ولا لبس ولا إجارة ولا إعارةسواء كان من مرتهن أو راهن(إلا بإذن) كل للآخر.وقيل:لايحل للمرتهن لأنه ربا. وقيل: إن شرطه كان رباًوإلا لا.... قال في المنح:وعن عبدالله محمد بن أسلم السمرقندى

---

(۱) اسلامی قانون اجارہ ۴۶۸۔

وكان من كبار علماء سمر قند: أنه لا يحل له أن ينتفع بشئى منه بوجه من الوجوه وإن اذن له الراهن، لأنه أذن له في الربا ،لأنه يستوفى دينه كاملاً فتبقىٰ له المنفعة فضلاً فيكون رباً، وهٰذا امرٌ عظيمٌ. قلت وهٰذا مخالف لعامة المعتبراة من أنه يحل بالإذن ...ثم رأيت فيجواهر الفتاوىٰ: إذا كا ن مشروطاً صارقرضاًفيه منفعةوهو رباً وإلا فلا بأس به...قلت :والغالب من أحوال الناس من أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع ، ولو لاه لما أعطاه الدارهم ، وهٰذا بمنزلة الشرط،لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع.(١)

اوراگر سیکورٹی ڈپازٹ کوآپ نتیجۂ قرض (Loan) کہیں تو یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ قرض میں تأجیل (Deferring) ضروری نہیں ہوتی، اگر تأجیل ہوتو بھی لازم نہیں ہوتی، یعنی قرض میں طے شدہ مدت سے پہلے بھی قرض کی واپسی کا مطالبہ ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی گاہک سیکورٹی ڈپازٹ میں جمع شدہ رقم مقررہ وقت اور میعاد سے قبل واپس لینا چاہے تو قرض کے احکام کی رو سے ''اسلامی بینک'' اس رقم کی واپسی کا شرعاً پابند ہوگا، لیکن کوئی اسلامی بینک اس پابندی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

(١)شامی، کتاب الرهن، :٤٨٢/٦. ط: ایچ ایم سعید کراچی. وکذا فی الهندیه :٥/ ٤٦٤-٤٦٥. ط: رشیدیه کوئٹة ،البحر الرائق : ٨/ ٢٣٨ .

اجارہ کے لئے سیکورٹی کی شرط

دوسرے یہ کہ سیکورٹی ڈپازٹ کو "اجارہ شرعیہ" کے لئے ضروری اور لازمی شرط قرار دینے میں ایک اور فقہی اشکال بھی لازم آتا ہے کہ عقد اجارہ میں یہ شرط غیر ملائم ہے، اس لئے جائز نہیں ہے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد ،فكل ماأفسد البيع مما مر يفسدها.(۱)

وقال في الهنديه :والإجارة تفسدها الشروط التي لا يقتضيها العقد كما إذا شرط على الأجير الخاص ضمان ما تلف بفعله أو بغير فعله أو على الأجير المشترک ضمان ما تلف بغير فعله على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ، أما إذا اشترط شرطا يقتضيه العقد كما إذا شرط على الأجير المشترک ضمان ما تلف بفعله لا يفسد العقد كذا في الجوهرة النيرة.(۲)

اور اگر یہ اصرار کیا جائے کہ اجارہ میں سیکورٹی ڈپازٹ کا مطالبہ اور وصولیابی سرے سے شرط کے درجہ میں ہے ہی نہیں یا شرط تو ہے مگر ملائم ہے، غیر ملائم نہیں چنانچہ شرطِ فاسد بھی نہیں، مگر یہ کہنا بھی مشکل ہے کیونکہ سیکورٹی ڈپازٹ کا مطالبہ بہر حال شرطِ فاسد ہے جو موجر کے فائدہ کے لئے لگائی جارہی ہے جس سے مؤجر (بینک) فائدہ اٹھاتا ہے،

(۱)الدر المختارمع رد المحتار: ۶/۴۶ ط: ایچ ایم سعید کراچی .

(۲) الفتاویٰ الهنديه، كتاب الإجارة الفصل الثاني فيما يفسد العقد: ۴/۴۴۲. ط: رشيديه.

خواہ بعینہ کاروبار میں لگا کر یا کرایہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں کرایہ کی مد میں منہا کرتے ہوئے اس رقم سے مستفید ہوسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ ایسی شرط ہے جو موجر کی نفع رسانی کا فائدہ دیتی ہے شرط فاسد اور مقتضی عقد کے خلاف کا یہی مفہوم ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

ولا بيع بشرط... لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو فيه نفع لمبيع هو من أهل الاستحقاق. (الدر المختار) (قوله لا يقتضيه العقد ولايلائمه) قال في البحر : معنى كون الشرط يقتضيه العقد أن يجب بالعقد من غير شرط، ومعنى كونه ملائماً أن يؤكد موجب العقد ،وكذا في الذخيرة، وفي السراج الوهاج: أن يكون راجعاإلى صفة الثمن أو المبيع كاشتراط الخبز والطبخ والكتابة ...الخ (۱)

حاصل یہ کہ سیکورٹی ڈپازٹ کی شرط صرف اور صرف موجر (بینک) کی نفع رسانی پر مبنی ہے، ایسی شرط کو شرط فاسد ہی کہا جاتا ہے نہ کہ شرط ملائم۔

اگر یہ فرمایا جائے کہ ''سیکورٹی ڈپازٹ'' کی حیثیت ''امانت'' کی ہے، تو پھر ''امانت'' کے متعلقہ احکام کی تعمیل اسلامی بینک پر لازم ہوگی۔ منجملہ یہ کہ امانت سے انتفاع بھی جائز نہیں اور ''امانت'' کا مالک جب چاہے اپنی امانت واپس لینے کا حق رکھتا ہے، اسلامی تقاضا یہ ٹھہرا کہ اگر کوئی انسان ضرورتمند ہونے کی بناء پر سیکورٹی ڈپازٹ میں جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو اسلامی بینک پر اس رقم کی واپسی لازم ہوگی۔

---

(۱) رد المحتار: ۵/۸۴-۸۵، بحث البيع الفاسد، ط: سعيد كراچی.

”ہدایہ“ میں ہے:

الودیعة أمانة فی ید المودع ....فإن طلبها صاحبها فمنعهاوهو یقدر علی تسلیمهاضمنها... فإن أنفق المودع بعضها ثم ردمثله فخلطه بالباقی ضمن الجمیع. (۱)

”الدرالمختار“ میں ہے:

وهی أمانة، هٰذا حکمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها(۲)

”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے:

وأما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع وصیرورة المال أمانة فی یده ووجوب أدائه عند طلب مالکه کذا فی الشمنی.والودیعة لا تودع ولا تعار ولاتؤجر ولا ترهن وان فعل شیئاً منها ضمن کذا فی البحر الرائق.(۳)

کیااس شرعی حکم پرآج تک کسی اسلامی بینک نےعمل کیا ہے؟ یا آئندہ کے لئے یقین دلایا جاسکتا ہے؟

---

(۱) هدایه ،کتاب الودیعة: ۲۷۶/۳-۲۷۷. ط: مکتبه رحمانیه. وکذا فی الشامیه،کتاب الایداع : ۶۶۹/۵.ط: ایچ ایم سعید کراچی.

(۲) الدر المختار: ۶۶۲/۵-۶۶۳کتاب الإیداع ،ط: سعیدکراچی.

(۳) الفتاویٰ الهندیه : ۳۳۸/۴ کتاب الودیعة ،الباب الاول فی تفسیر الإیداع ورکنها وشرائطها وحکمها ط: رشیدیه کوئٹه.

باب چہارم

فصل اول

مروجہ اسلامی بینکاری کے جوازی فتوؤں کا اصولی تجزیہ

مروجہ اسلامی بینکاری کی حمایت، تائید اور جواز میں جن بعض اہل علم کا فتویٰ سامنے آیا ہے وہ اصولی لحاظ سے قابل عمل نہیں ہے۔

الف: یہ فتویٰ شذوذ اور تفرد پر مبنی ہے، جمہور اہلِ فتویٰ کی مشاورت اور تائید سے عاری ہے، یہاں تک کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ابتدائی مشاورتی مجلسوں کے شرکاء بھی پوری طرح اس نظام سے مطمئن اور متفق نہیں ہو پائے تھے اور ان کے عدمِ اطمینان کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی گئی تھی، البتہ وہاں پر موجود بینکاروں کی رعایت ضرور فرمائی گئی تھی۔(۱)

ب: یہ فتویٰ اپنے اکابر کے طرزِ فتویٰ سے بالکل ہٹا ہوا ہے، ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں بے بنیاد جدت پسندی کا عنصر نہیں پایا جاتا تھا، ''حیلہ ناجزہ'' اس کی واضح مثال ہے، حالانکہ حضرت تھانویؒ کو درجۂ اجتہاد کے اہلِ ترجیح میں شمار کرنا کوئی مشکل نہیں تھا، اپنے اکابر کے طرزِ فکر وعمل پر سختی سے کاربند رہنے کو طریقِ حق اور صراطِ مستقیم کہنے والے طبقہ کے لوگوں کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے اکابر کے طریقے کو چھوڑ کر جدت پسند، ظاہر بین اور آزاد خیال علماء کا طرزِ فکر نہ اپناتے، اگر جدت پسند، آزاد خیال اور ظاہر بین علماء کے طرزِ عمل کو اس طرح مباح قرار دیا گیا تو اس کے منفی اور خلافِ شرع اثرات سے نہ ہمارا ظاہر محفوظ رہے گا اور نہ باطن۔ الغرض اکابر کا طرزِ فکر وعمل، آزاد خیالی اور ظاہر بینی کو ''رائے'' کا درجہ دینے سے روکتا ہے۔

---

(۱) ماخوذ از احسن الفتاویٰ، ج:۷/۱۱۹۔ ط:سعید۔

ج: یہ فتویٰ تقلیدی اصولوں کے بھی خلاف ہے، کیونکہ اس فتویٰ میں زوردار انداز میں ''مذہبِ غیر'' سے خلافِ اصول ''التقاط'' کی رخصت کا تاثر عام کیا گیا ہے، اگر یہ تاثر عام کرنا درست ہو تو تقلید کے التزام کی وجوہ ختم ہوجائیں گی، اور اس کا وہ انجامِ بد سامنے آئے گا جس کی نشاندہی ہمارے اکابر فرماتے رہے ہیں، یعنی دینِ الٰہی تشہّی اور تلعّب کے لئے تختۂ مشق بن جائے گا، اگر یہ طرزِ فکر درست قرار پائے تو اہلِ اسلام کی صفوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے جو یہی نقطۂ نظر اسلام اور مذاہب عالم کے بارے میں رکھتے ہیں اور اس کی تشہیر اور ترویج کے لئے عملی کوششیں بھی ہورہی ہیں، ہمیں یاد رہنا چاہیئے۔ کسی سیلاب کے سامنے بند کھولنا تو آسان ہوتا ہے مگر باندھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

د: مذکورہ فتویٰ میں تقلیدی انحراف کو معاملات میں ''توسع'' کا نام دیا گیا ہے، حالانکہ اہلِ فتویٰ پر ''توسع'' کی بجائے ''توسط'' لازم تھا، یہی ''جمہور'' کا طریقہ ہے۔

وفی الموافقات للشاطبی:

''المسألة الرّابعة: المفتی البالغ ذِروة الدّرجة هو الذی یحمل النّاس علی المعهود الوسط فیما یلیق بالجمهور، فلایذهب بهم مذهب الشدّة ولایمیل بهم إلیٰ طرف الانحلال، والدلیل علیٰ صحّة هٰذا أنه الصّراط المستقیم الذی جاء ت به الشریعة، فإنّه قد مرّ أنّ مقصد الشارع من المکلَّف الحمل علی التّوسّط من غیر إفراطٍ ولاتفریطٍ، فإذا خرج عن ذلک فی المستفتین خرج عن قصد الشارع وذلک کان

ماخرج عن المذهب الوسط مذموماً عند العلماء الرّاسخين .....“

وفيه أيضاً:

”وقد تقدّم أنّ اتّباع الهوىٰ ليس من المشقات التي يترخّص بسببها .... وأنّ الشريعة حمل على التّوسّط لاعلى مطلق التّخفيف وإلّا لزم ارتفاع مطلق التّكليف من حيث هو حرجٌ ومخالفٌ للهوى ولا على مطلق التّشديد.(۱)

وضاحت:

واضح رہے کہ حرجِ شرعی کے متحقق ہونے کے بعد شرعی دائرے میں تخفیف اور عدمِ تشدید کے سب علماء قائل ہیں، یعنی فتویٰ میں ضرررساں شدّت اور تشدید سے اصولی اجتناب پر سب کا اتفاق ہے، فی الوقت جو اختلاف ہے تخفیف اور ترخیص کی وسعتوں کے بارے میں ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض ایسے معاملات جو ملکی یا بین الاقوامی قوانین کی رو سے عوام الناس پر متعلقہ قانون اور معیار کے مطابق لازم ہیں، بأمرِ مجبوری ایسے معاملات سے گزرنے کے لئے بقدرِ ضرورت ناجائز سمجھتے ہوئے گزرنے کی اجازت کے سب علماء قائل ہیں۔ مثلاً بوقتِ مجبوری ”ایل سی“ کھلوانا، رقم کی منتقلی اور تحفظ کے لئے کسی بینک کی خدمات حاصل کرنا، یا حج اور عمرے کے لئے بینک کی خدمات اور سہولیات سے

(۱) الموافقات للشاطبی: ۴/۵-۲۰۴، ط: دار احیاء التراث العربی.

وابستہ ہونا، اسی طرح شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ کے لئے تصاویر کے استعمال کی بقدر ضرورت گنجائش دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں ان مراحل میں پیش آمدہ ناجائز امور کا وبال ان قوانین کے بنانے والوں پر ہے۔

الغرض اس ضرورت کی حد تک مسلمان کا تعلق کسی بھی بینک سے ہو تو اس کی گنجائش ہوگی، خواہ وہ کوئی بھی بینک ہو، اس ضرورت پر اگر کوئی مزید تخفیف کے لئے اصرار کرتے ہوئے یہ کہے کہ بینکوں کو تجارتی اداروں کی طرح کاروبار کی اجازت بھی ہونی چاہئے اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو ''توسع'' کہہ کر نظر انداز کر دینا چاہئے تو ہمارے خیال میں یہ اصرار نتیجۃً نہ صرف فتویٰ کے اصولوں سے انحراف ہے، بلکہ مقاصدِ شریعہ اور صراطِ مستقیم کے اقتضاء کے منافی بھی ہے، پس اصولِ افتاء کی رو سے مذکورہ فتویٰ قابلِ عمل نہیں ہے، اس لئے اس ''فتویٰ'' کو ''فتویٰ'' یا **علی سبیل التنازل** ''رائے'' کا درجہ دینے پر ہمارے نزدیک اصرار نہیں کیا جاسکتا۔

ھ: اگر بالفرض مذکورہ فتویٰ کو فتویٰ اور رائے کے درجہ میں تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی وہ فتویٰ اصولاً قابلِ عمل نہیں ہوگا، کیونکہ جس مسئلہ میں اہلِ علم اور اَربابِ فتویٰ کے درمیان اختلاف ہو جائے، ایک فتویٰ جواز بتاتا ہو اور دوسرا فتویٰ عدمِ جواز بتاتا ہو، تو اصولاً عدمِ جواز والا فتویٰ راجح ہوگا، اس کی دو وجہیں ہیں۔

ایک یہ کہ کسی مباح کام کو اگر ترک کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر یہی کام ناجائز ہو اور اسے کیا جائے تو اس میں دینی واخروی نقصان ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس معاملہ کی حلت وحرمت اور حظر واباحت میں دلائل کی بنیاد پر علماء کرام کے درمیان اختلاف ہو جائے تو وہ معاملہ اگر اصولاً مکمل طور پر حرام یا مکمل طور پر حلال نہ کہلا سکتا ہو تو مشتبہات میں بہر حال شامل ہو جاتا ہے۔ اس ''مشتبہ'' معاملہ کو

جائز اور مباح کہہ کر پیش نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اشتباہ کی وجہ سے اس معاملہ سے باز رہنا ہی شریعت کا تقاضہ شمار ہوتا ہے۔

قولہ ﷺ:

وعن النعمان بن بشير قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: الحلال بَيِّنٌ، والحرام بَيِّنٌ، وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرء لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام، كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه، ألا وإن لكل ملك حمى ألا وإن حمى اللّٰه محارمه... الحديث (۱)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حلال ظاہر ہے، حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، لہٰذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا، اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو پاک و محفوظ کرلیا (یعنی مشتبہ چیزوں سے بچنے والے کے نہ تو دین میں کسی خرابی کا خوف رہے گا اور نہ کوئی اس پر طعن و تشنیع کرے گا) اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا' وہ حرام میں مبتلا ہوگیا اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں

(۱) مشكوٰة المصابيح، ص:۲۴۱، ط: قديمی كراچی.

گھس کر چرنے لگیں، جان لو! ہر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور یادرکھو اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ حرام چیزیں ہیں"۔(۱)

اس حدیث شریف کی تشریح میں شارح فرماتے ہیں:

"حلال ظاہر ہے....اسی طرح حرام ظاہر ہے....ایسے ہی کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی حرمت یا حلت کے بارہ میں دلائل کے تعارض کی بناء پر کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہوتا، بلکہ یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ حرام ہیں یا حلال؟....

بہرکیف مشتبہ چیز کے بارہ میں علماء کے تین قول ہیں:

۱- ایسی چیز کو نہ حلال سمجھا جائے نہ حرام اور مباح، یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا چاہئے، جس کا مطلب ہے کہ ایسی چیز سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

۲- ایسی چیز کو حرام سمجھا جائے۔

۳- ایسی چیز کو مباح سمجھا جائے۔(۲)

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے اپنے یگانہ انداز اور عالمانہ شان کے مطابق بہت ہی عمدہ اور تفصیلی گفتگو فرمائی ہے:

"اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے "مشتبہات" سے بچنے کا جو حکم دیا ہے بعض حالات میں یہ حکم وجوبی ہے اور بعض

(۱) ترجمہ از مظاہر حق جدید ۳۴/۳۔ط: دارالاشاعت۔

(۲) مظاہر حق جدید کتاب البیوع، ۳/۳۵-۳۴، ط: دارالاشاعت کراچی۔

حالات میں یہ حکم استحبابی ہے، اگر ایک عالم یا مجتہد کسی چیز کی حلت اور حرمت کی تحقیق کررہا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے؟ اور اس تحقیق کرنے کے نتیجہ میں اس کے سامنے دونوں قسم کے دلائل آئے اور موازنہ کرنے کے نتیجہ میں دونوں طرف کے دلائل وزن کے اعتبار سے برابر معلوم ہورہے ہیں اور کسی ایک جانب ترجیح قائم نہیں ہورہی ہے ایسی صورت میں وہ چیز مشتبہ ہوگئی۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس عالم اور مجتہد کو چاہیئے کہ جانبِ حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی حرمت کا فیصلہ کرے، اس لئے اس صورت میں ''مشتبہ'' سے بچنے کا حکم ''وجوبی'' ہے۔

یا اگر ایک عام آدمی نے کسی مسئلے پر دو عالموں سے فتویٰ حاصل کیا ایک عالم نے جواز کا فتویٰ دیا اور دوسرے عالم نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا...... اگر اس (عامی) کی نظر میں دونوں عالم اپنے علم اور تقویٰ کے اندر برابر ہیں تو اس صورت میں اس عامی پر واجب ہے کہ وہ اس عالم کے فتویٰ پر عمل کرے جو عدم جواز کا فتویٰ دے رہا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ مسئلہ ''مشتبہات'' میں سے ہوگیا' اور ایسا مشتبہ ہے جس سے بچنے کا حکم ''وجوبی'' ہے۔

(آگے مزید فرماتے ہیں کہ) اور اگر...... جانبِ حلت کے دلائل، حرمت کے دلائل کے مقابلے میں زیادہ قوی اور راجح ہوں تو اس صورت میں ایک عالم اور مفتی حلت کے دلائل راجح ہونے کی وجہ سے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیدے گا، لیکن چونکہ جانبِ حرمت پر بھی کچھ دلائل موجود تھے جس کی وجہ سے وہ مسئلہ

''مشتبہ'' ہوگیا، لیکن ایسا ''مشتبہ'' ہے جس سے بچنے کا حکم استحبابی ہے، لہٰذا تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اس چیز سے پرہیز کرے اور جانب حرمت پر عمل کرے۔(۱)

آگے مثال کے ذریعہ وضاحت فرمائی ہے کہ انگریزی روشنائی سے متعلق حضرت تھانویؒ کا اجتہاد جانبِ حلت تک پہنچا، مگر اس کے باوجود حضرت تھانویؒ نے کبھی انگریزی روشنائی استعمال نہیں فرمائی، کیونکہ اختلافِ رائے کی وجہ سے ''اشتباہ'' آ گیا تھا اور ایسا کہ جس سے بچنا محض استحبابی تھا مگر اسوۃ العلماء وقدوۃ الصلحاء حضرت حکیم الامت قدس اللہ اسرارہم نے عمر بھر انگریزی روشنائی سے اجتناب فرمایا۔(۲)

اس تفصیل کی روشنی میں ہم اسلامی بینکاروں کی خدمت میں چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں:

۱- اسلامی بینکاری کے حوالے سے آپ کی رائے گرامی بالاتفاق حیلہ بازیوں اور مرجوح اقوال پر مبنی ہے اور آپ سے اختلاف رکھنے والے حضرات کی رائے صریح نصوص اور واضح فقہی اصول اور احکام پر مبنی ہے۔ شرعی اصول کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سے اختلاف رکھنے والے حضرات کی رائے کو ترجیح حاصل ہو۔

۲- زیر بحث معاملہ کوئی عام معاملہ بھی نہیں، ''سود'' جیسا خطرناک معاملہ ہے۔ یہاں آپ کی رائے جواز بتارہی ہے اور آپ سے اختلاف رکھنے والے اہلِ علم کی

(۱) تقریر ترمذی حصہ معاملات ۱/۳۷-۳۶، ط: میمن پبلشرز کراچی۔
(ماخوذ از تقریر ترمذی: ۱/۳۸-۳۷۔ ط: میمن پبلیشرز کراچی۔

رائے عدمِ جواز اور سود بتا رہی ہے۔ سود سے متعلق وعیدوں اور سود کو مباح کرنے والے حیلوں کا تقابل کیا جائے تو آپ سے اختلاف رکھنے والے اہلِ علم کی رائے کو ترجیح حاصل ہونا شریعت اور عدالت کا تقاضا ہے۔

۳- اگر فقہی طلباء کو ''توسل بالذات'' کے ذریعہ یہ منوالیا جائے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو جواز فراہم کرنے والے حیل مستعملہ اور اس کے خلاف دیئے جانے والے دلائل، قوت اور وزن میں بالکل برابر اور یکساں ہیں اور یہ قضیہ ترجیح کے لئے آپ کی عدالت میں آ جائے تو آپ کا علم اور اجتہاد کس جانب کو ترجیح دے گا؟

ہمارا حسن ظن ہے کہ آپ روایت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جانبِ حرمت ہی کو ترجیح دیں گے، اگر اس ترجیح میں زمانی تقاضے حائل ہو رہے ہوں تو ہمارے مخدوم مکرم مدظلہم کی رائے کے احترام میں اسے ''مشتبہات'' کے درجہ میں ماننے کے لئے ضرور رضامند ہوں گے اور مشتبہات کی بھی وہ قسم جس سے بچنے کا حکم ''وجوبی'' ہے۔

۴- اگر آپ کا علم و تحقیق اور امانت و دیانت اپنی رائے کی تقویت اور ترجیح سے نہ ٹلنے دے اور آپ یہی اصرار فرمائیں کہ جو کچھ آپ نے سمجھا وہی قوی اور راجح ہے، جو آپ فرمارہے ہیں اسی کا نام معاملہ فہمی اور صحت و درستگی ہے اور آپ سے اختلاف رکھنے والوں کی رائے قابلِ اعتبار، لائقِ عمل اور مستحقِ ترجیح نہیں ہے، لیکن کم از کم اتنا تو ہوگا کہ مخالفین کے عدم جواز والے مؤقف کو ''رائے'' کی حیثیت سے تسلیم تو فرماتے ہوں گے اور یقین کی حد تک ہمارا ابھی یہی حسنِ ظن ہے۔

اگر ہمارا حسنِ ظن درست ہو تو ہم یہ عرض کریں گے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے شریعت سے ہم آہنگ ہونے اور غیر سودی ہونے کی رائے آپ کے ہاں راجح، قوی اور وزنی ہونے کے باوجود آپ سے اختلاف رکھنے والے کثیر تعداد اربابِ فقہ وفتاویٰ کی رائے

کی موجودگی میں مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالہ سے ایک عالم، فاضل اور مفتی و متخصص کا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے؟ آیا وہ مختلف فیہ مروجہ اسلامی بینکاری کا حصہ بن جائے یا اس سے پرہیز کرے اور جانبِ حرمت پر عمل کرے؟

ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ بینکار حضرات، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ارشادات اور حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہم کے اسوۂ حسنہ پر انحصار واعتماد کرتے ہوئے یہی فرمائیں گے کہ اسلامی بینکاری کے عدمِ جواز کے قائلین کی رائے کے (**علی سبیل التنزل**) ضعف اور کمزوری کے باوجود اسی کو اختیار کیا جائے گا، کیونکہ وہ جانبِ حرمت پر مشتمل ہے اور اس سے پرہیز کا حکم علی الأقل ''استحبابی'' ہونے کے علاوہ ہمارے اسلاف کا طرز عمل بھی ہے۔ اس لئے مروجہ اسلامی بینکاری سے پرہیز کرنا عالمانہ، فاضلانہ اور مفتیانہ شان کا اولین تقاضا ہے، کیونکہ ہمارے بعض بینکار صرف ڈاکٹر ہی نہیں ''مولانا اور مفتی'' بھی کہلاتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر مروجہ اسلامی بینکاری کے جواز کو راجح اور قوی مان لیا جائے تو کسی بینکار کے حق میں رخصت کی گنجائش بیان ہو تو ہو، لیکن حضرت مولانا مدظلہم اور حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہم کے ارشادات اور تقویٰ وعلم کی رو سے امت مسلمہ کے کسی عالم دین اور مفتی کے لئے مروجہ اسلامی بینکاری کا حصہ بننے یا حمایت اور تائید پر کمربستہ ہونے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ اسلامی بینکاری کا حصہ بننا خلاف تقویٰ تو بہر حال ہے۔

پس ہم اپنے جدید بینکاروں سے یہ عرض کرنا خیرخواہی اور تذکیر سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے ان دو بزرگوں کے قول اور فعل پر عمل پیرا ہوں۔ کیونکہ پوری مروجہ اسلامی بینکاری کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے۔

۱- حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بعض اقوال اور تحریریں۔

۲- حضرت حکیم الامتؒ کی وہ ''فکرِ توسع'' جو معاملات کے باب میں سمجھی گئی ہے۔

چنانچہ ان بزرگوں کے قول اور فکر سے پہلو تہی کرنے کی صورت میں تو پھر آپ کے پاس ''اسلامی بینکاری'' کے جواز کا سہارا نہیں بچے گا۔

اگر نازک مزاج فقیہانِ وقت کی طبع عالی پر گراں نہ ہو تو ان کے ذوقِ افتاء کی نذر کرنے کے لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہم کی ایک تحریر بلا تبصرہ حاضر خدمت ہے:

> ''مقدمہ رابعہ: اگر کسی کا قول یا فعل دوسرے کے لئے سبب وقوع فی المعصیت کا ہو جاوے اور وہ حدِ ضرورت تک نہ پہنچا ہو تو اس کا ترک اس پر واجب ہے فروع کثیرہ فقہیہ اس اصل پر مبنی ہیں۔
>
> مقدمہ خامسہ: مواقعِ تہمت و بدنامی سے بچنا ضروریات سے ہے۔
>
> مقدمہ سادسہ: اسباب، نہی کے مختلف و متعدد ہو سکتے ہیں، تو ایک کے رفع ہونے سے باقی کا رفع لازم نہیں آتا، **وهذا ظاهر**.
>
> مقدمہ سابعہ: کسی کے فتویٰ جواز کے بعد اس فعل کو ترک کرنا، صاحب فتویٰ کی مخالفت نہیں ہے، البتہ فتویٰ وجوب کے بعد اس فعل کو ترک کرنا، یا فتویٰ حرمت کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنا بیشک مخالفت ہے''۔ (۱)

واضح رہے کہ حضرت تھانویؒ کی یہ عبارت رسالۃ ''**رافع الضنک عن منافع البنک**'' کے زیر عنوان درج ہوئی ہے' اس تحریر کے بارے میں حضرت نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

> ''یہ رسالہ بینک وغیرہ سے سود لینے کے مسئلہ میں میری آخری تحقیق ہے، اگر کوئی تحریر میری اس کے خلاف دیکھی جاوے، وہ سب اس سے منسوخ (یعنی مرجوع عنہ) ہے۔۱۲ اشرف علی''

(۱) امداد الفتاویٰ ۳/۱۵۷، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی۔

فصل دوم

مروجہ اسلامی بینکاری کے غیر شرعی ہونے کی چند مختصر وجوہات:

گذشتہ تفصیلی گزارشات سے یہ بات کافی حد تک کھل کر واضح ہوچکی ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے جو فقہی بنیادیں فراہم کی گئی تھیں وہ بنیادیں فقہی لحاظ سے انتہائی کھوکھلی اور حددرجہ کمزور ہیں، ان بنیادوں پر اسلامی بینکاری کا ڈھانچہ کھڑا نہیں ہوسکتا۔اس پر مزید اضافے کی ضرورت تو ہرگز نہیں۔البتہ اختصار کے ساتھ مروجہ اسلامی بینکاری کے غیر شرعی ہونے کی اہم اہم چند وجوہات تمہیدی بات کے بعد عرض کریں گے۔

تمہیدی بات:

نظریات کی دو بنیادیں ہیں:

تمام افکار ونظریات کو دو بنیادی خانوں اور خاکوں میں بانٹا جاسکتا ہے،ایک قسم وہ ہے جس کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے ،یعنی فکر اور نظریہ دلیل کا تابع ہوتا ہے،نظریہ وفکر کے زاویئے دلیل وحجت کے تابع کر کے درست سمت کے رخ پر برابر کئے جاتے ہیں، بالفاظ دیگر حجت وبرہان پہلے آتی ہے اور نظریہ وفکر اس کے زیر اثر ہوتا ہے،یا روایتی الفاظ میں یوں کہیں کہ یہ نظریہ وفکر درحقیقت آسمانی تعلیمات کی ہدایات پر مبنی ہوتا ہے،ایسا نظریہ انسانی کمزوریوں کے اثرات سے پاک ہوتا ہے،اس لئے اسے علی وجہ البصیرۃ صحیح اور درست کہا جاتا ہے،اس کی روشن مثال اہلِ اسلام اور اہلِ سنت والجماعت کی فکر ہے، جو مندرجہ ذیل

ارشادِ ربانی کا مصداق ہے:

”قل هذه سبيلي ادعو إلى اللّٰه على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان اللّٰه وما أنا من المشركين“ (۱)

اسی راستے کی پیروی وتابعداری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں مطلوب ومحمود ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس راہ کے قریب رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہئے جس کی ترغیب وتعلیم **”اهدنا الصراط المستقيم“** میں دی گئی ہے، یعنی اہلِ اسلام واہلِ سنت والجماعت کی خصوصیات اولیہ میں سے ہے کہ ان کی فکر، دلیل کے تابع ہوتی ہے، دلیل کو اپنی فکر ونظر کے تابع نہیں کیا جاتا۔

جبکہ افکار ونظریات کی دوسری قسم وہ ہے جو اس کے برعکس ہے، یعنی پہلے نظریہ وفکر قائم ہوتا ہے پھر اس نظریہ وفکر کے مطابق دلائل اور براہین قائم کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں اور جہاں کہیں کوئی دلیل، حجت یا برہان اس فکر ونظر سے معارض ومتصادم ہو، اس کی تاویل وتوجیہ کی جاتی ہے، خواہ وہ تاویل قابلِ قبول ہو یا نہ ہو، اگر تاویل اور توجیہ اپنی طے شدہ رائے کے لئے کارآمد ثابت نہ ہو سکے تو ایسی معارض اور مخالف دلیل وحجت کو رد کرنے کے لئے کوئی اور معیار قائم کر دیا جاتا ہے، اس نظریہ کی بنیاد درحقیقت شریعت اور عقلیت کے درمیان تساوی کی نسبت پر قائم ہے۔

اس فکر کے حاملین میں وہ تمام منحرف فرقے شامل ہیں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، مثلاً خوارج، روافض، معتزلہ، جہمیہ، قرامطہ، قائلینِ خلقِ قرآن اور منکرینِ حدیث وغیرہ۔

اسی طرزِ فکر سے راہ پا کر امت مسلمہ کے جسدِ اسلامی میں فتنۂ قادیانیت جیسے

---

(۱) یوسف: ۱۰۸

ناسور نے جگہ بنانے کی کوشش کی اور اپنے خودساختہ نظریہ پر صرف قرآن کریم سے کئی دلائل بتائے اور اپنے نظریہ وفکر کے خلاف جانے والے دلائل کی تاویلِ باطل اور توجیہِ فاسد سے کام لیتا رہا اور جہاں بات نہ بن پڑی وہاں ان دلائلِ شرعیہ کے لئے نسخ ومسخ کی طرف لپکنے لگا۔ **فالأمان والعوذ واللوذ للإسلام وأهله بالله الحي القيوم.**

اس تمہید کے بعد مروجہ اسلامی بینکاری غیر شرعی ہونے کی وجوہات ملاحظہ ہوں!

پہلی وجہ: مروجہ اسلامی بینکاری کے فکری زاویئے کا تجزیہ

ایک طالب علم اور عامی آدمی جب مروجہ اسلامی بینکاری کی فکری بنیاد کا تجزیہ کرتا ہے تو بلا تأمل اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی بینکاری کی فکری بنیادوں کے زاویئے اور نظریات پہلی قسم کی بجائے دوسری قسم کی طرف زیادہ مڑے ہوئے ہیں، اس لئے کہ وہ طالب علم اور عامی آدمی دیکھتا اور سوچتا ہے کہ روایتی بینکاری کو مسلمانوں کے لئے کارآمد بنانے کا نظریہ قائم ہوا اور اس نظریہ میں روایتی بینکاری سے قریب قریب رہنے کو مجبوری تسلیم کیا گیا پھر اس دوجہتی فکر کے لئے فقہ اسلامی سے شواہد اور نظائر جمع فرمائے گئے، جو فقہی جزئیہ یا اصول اس فکر کے لئے پوری طرح شاہد اور نظیر کی افادیت میں کمزور نظر آیا تو اسے تراش خراش کے ذریعہ قائم کردہ فکر کے مطابق بنایا گیا، اگر کوئی فقہی اصول وجزئیہ اس فکر کے سامنے ایسا معارض ومتصادم بن کر آیا کہ تاویل وتوجیہ کی کوئی اور گنجائش نہ رہی تو وہاں ضرورت وحاجت کا ریتیلا پہاڑ کھڑا کر کے معاملات میں توسیع کو بنیاد بنا کر مروجہ فقہ کو چھوڑ کر کسی اور طرف جانکلے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ جہاں جہاں روایتی بینکاری کے زیر استعمال کسی کارآمد تمویلی

طریق کار پر کسی فقہی اصطلاحی معاملے کا اطلاق مشکل دکھائی دیا وہاں دونوں معاملوں کی ظاہری صورت اور اصل مقصد کی یکسانیت کے لئے ایک سے زائد فقہی اصطلاحوں کو ملا کر اس روایتی معاملے کو اسلامی بنانے کی سعی فرمائی گئی۔

اس پر مستزاد یہ کہ روایتی بینکاری کے متبادل کے طور پر جن فقہی معاملات کو بنیاد بنایا جاسکتا تھا ان میں بھی یہ تفریق و تنقیح کی گئی کہ روایتی بینکاری کو مسلمانوں کے لئے کار آمد بنانے اور اسلامی بینکاری کو روایتی بینکاری سے قریب تر رکھنے میں؟ اور روایتی بینکاری والے فوائد وثمرات دینے میں، کون سے فقہی معاملات زیادہ مفید اور مؤثر ہیں، جو زیادہ مفید اور مؤثر ہیں سر دست انہیں ہی اختیار کیا گیا، اگر چہ وہ تمویل کے لئے اصل بنیاد بھی نہ ہوں۔

اگر مطلوبہ فوائد اور ثمرات حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر اصل بنیادوں کو اختیار کرنے پر اعتراض کرے تو اسے عبوری دور کی ضرورت کہہ کر خاموش کیا جائے اور جب وہ خاموش ہو جائے تو عبوری کے عذر کو پس پشت ڈال کر غیر اصل بنیادوں (Secondary Bases) کو اسلامی بینکاری کی کار آمد بنیادیں باور کرانے کے لئے خوب توانائیاں صرف کی جائیں اور ان بنیادوں کی تائید و حمایت میں مقالے، رسالے اور مضامین لکھے جائیں، اگر پھر بھی کوئی اعتراض کرے تو بینکنگ، انگلش اور عصری ضرورتوں سے نابلد ہونے کا طعنہ دیا جائے۔

اسی طرح اگر کوئی بینکنگ کا ماہر یا عام گاہک روایتی بینکاری اور اسلامی بینکاری میں فرق محسوس کرنے سے عاجز اور قاصر رہے تو اسے یا تو جواب ہی نہ دیا جائے یا پھر بعض مقدس ہستیوں کا نام لے کر اور دستخط دکھا کر خاموش کرایا جائے کہ جناب! ''آپ ان ہستی کو مانتے ہیں یا نہیں؟ کیا آپ ان سے بڑے ہیں''؟ یقیناً اس سوال کے سامنے کوئی روایتی

بینکار اور عامی تو درکنار کوئی بڑے سے بڑا عالمِ دین بھی لب کشائی نہیں کرسکتا، کیونکہ تا حال ہمارے ہاں اپنے بزرگوں اور بڑوں سے متعلق تقدیسی نظریہ زندہ ہے۔

ایسی صورتحال میں ایک فقہی طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ جس اسلامی بینکاری کو ہم فقہ اسلامی کی تطبیقِ جدید تصور کرنے جارہے تھے، وہاں تو فقہ اسلامی کی قطع و برید ہوئی پڑی ہے، اسلامی بینک، فقہ اسلامی کے تابع دکھائی نہیں دیتا، ہاں فقہ اسلامی، بینک کا تابع بنا ہوا نظر آتا ہے، بینک کا اسلامی ہونا دشوار اور مسلمانوں کا روایتی معیارات پر بینکار بننا بہت ہی آسان نظر آتا ہے، یہ طالب علم مزید یہ خدشہ بھی محسوس کرتا ہے کہ روایتی بینکاری نظام اور "**فقه المعاملات الاسلامی**" میں واضح فرق کے بغیر خلط ملط کا یہ فکری سلسلہ دنیا میں اگر مقبول ومعروف ہوچلا تو کہیں اسلام اور مذاہبِ عالم کے درمیان وحدت ویگانگت کی تحریک کے لئے واضح حجت ودلیل نہ بن جائے۔

اس تفصیل کی روشنی میں مروجہ اسلامی بینکاری اور اس کے طریقہائے تمویل (Modes of Financing) کو اس لئے خلافِ شرع اور ناجائز قرار دیا جاتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادی فکر، اسلامی اور سنی (اہل سنت والجماعت کے) طرز فکر سے درجہ انحراف تک جداگانہ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مروجہ اسلامی بینکاری میں دلیل وحجت کی پیروی کی بجائے دلیل وحجت کو بینکاری کے تابع بنایا گیا ہے "**الرأی تحت الحجة**" اہل سنت والجماعت کا طریقہ ہے اور "**الحجة تحت الرأی**" اہل سنت والجماعت کا طریقہ نہیں ہے۔

فکری اختلاف کے اس عذر کے بعد کسی اور عذر کے بیان کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہونی چاہیئے، البتہ حسبِ معمول اختصار واجمال کے ساتھ ازراہِ تفنن کچھ آگے بھی عرض کردیتے ہیں۔

دوسری وجہ: مروجہ اسلامی بینکوں میں اسلامی تمویلی طریقوں کی عدمِ رعایت

مروجہ اسلامی بینکوں کے مجوزین کی طرف سے جو فقہی نظام دیا گیا تھا، عملی طریقہ تمویل (Operational Mode of financing) میں اس کی رعایت نہیں کی جارہی، ان کے فراہم کردہ اسلامی طریقہائے تمویل کے مطابق سرمایہ کاری کی نہ کوئی ضمانت دے سکتا ہے، اور نہ ہی دے رہا ہے، گویا کہ ان کا دیا ہوا نظام، محض کاغذی اہمیت کا حامل ہے، اسلامی بینک کی سرمایہ کاری میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں، اس پر تین شہادتیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی شہادت اسلامی بینکوں میں اکاونٹ کھولنے والے اور سرمایہ کاری کا حصہ بننے والے کثیر تعداد لوگوں کی ہے جو اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری کا واضح فرق معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تشویش اور عدم اطمینان کا شکار ہورہے ہیں اور ان کی شکایات میں اضافہ ہورہا ہے۔

دوسری شہادت، ان دینی فکر کے حامل بینکاروں کی ہے جو بینکاری نظام اور اس کی باریکیوں کو ہمارے بینکاروں سے بدرجہا دقتِ نظر اور باریک بینی سے دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں، وہ لوگ مروجہ اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری کے درمیان کوئی نمایاں، واضح فرق تلاش کرنے کے باوجود اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے اور ان کی تنقیحات اور تنقیدات باقاعدہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔

تیسری شہادت اربابِ فقہ وفتاوی کا عدمِ اطمینان اور شدید قسم کے تحفظات ہیں، ان حضرات کے تحفظات دو قسم کے ہیں، ایک یہ کہ اسلامی بینکاری کے لئے فقہ اسلامی کی جس

ڈھب پر تشریح اور تطبیق کی کوشش کی گئی ہے وہ کوشش فقہی اور اصولی اعتبار سے نامکمل اور نامناسب ہے، اس رائے کے حامل تقریباً ملک کے تمام مشہور و معروف اہلِ فقہ وفتاویٰ ہیں۔

تحفظات کی دوسری قسم یہ ہے کہ اسلامی بینکار مجوزین کے فراہم کردہ اسلامی طریقوں کے مطابق اسلامی بینکوں کا عملی نظام چلانے کے لئے غیر سنجیدگی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کررہے ہیں، اس رائے کے حامل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہیں، مروجہ اسلامی بینکاری کے عملی طریقہ کار سے متعلق حضرت مولانا مدظلہم کے حقیقت پسندانہ جائزے، دیانتدارانہ تحفظات وخدشات اور شکایات ہم باحوالہ شروع میں بیان کرآئے ہیں۔

بنابریں جس طریقۂ تمویل کو عوام، بینکار اور فقہاءِ وقت، شریعت کے مطابق نہ سمجھ سکتے ہوں، بلکہ روایتی بینکاری کی ڈھب پر چلتا ہوا اور اس کی نہج پر سرمایہ کاری کرتا ہوا دیکھتے اور کہتے ہوں ایسی بینکاری کو ہم اسلامی بینکاری کہنے سے عاجز وقاصر ہیں اور غیر اسلامی وغیر شرعی بینکاری کہنے کے لئے مجبور ہیں۔

تیسری وجہ: روایتی اور اسلامی بینکوں کے مزاج کی یکسانیت

مروجہ اسلامی بینکوں اور روایتی بینکوں کے درمیان مزاج، تشخص اور اہداف واغراض کے اعتبار سے کوئی نمایاں فرق نہیں ملتا۔

چوتھی وجہ: اسلامی بینکاری میں خلافِ شرع معاملات کا آمیزہ

مروجہ اسلامی بینکوں میں کئی ایسے معاملات اور معاہدات پائے جارتے ہیں کہ

جن کے ناجائز ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا مثلاً: سودی قرضوں کا لین دین، اسلامی بینک، بینکنگ کونسل کے رولز کے مطابق اسٹیٹ بینک سے سودی قرض لینے اور بعض نجی وسرکاری اداروں کو قرضے فراہم کرنے، نیز سرکاری تمسکات خریدنے کا پابند ہوتا ہے، بہردوصورت سود کی ادائیگی ہو یا وصولی دونوں ناجائز ہیں، جہاں ادائیگی کو قانونی مجبوری کہا جائے وہاں بھی سودی معاہدے کا عدمِ جواز اور گناہ مرتفع ہرگز نہیں ہوتا۔

اسی طرح اسلامی بینک بازارِ حصص (Stock Exchange) میں شیئرز کی خرید وفروخت بھی کرتا ہے، حالانکہ اسٹاک مارکیٹ کا کاروبار واقعی وعلمی صورت حال کے پیش نظر اب بالعموم ناجائز قرار دینے کا انتظار کررہا ہے، نیز رشوت کو بھی اسلامی بینک میں اچھا خاصا مقام حاصل ہے، مثلاً مضاربہ میں پیش آنے والا نقصان اصولاً اربابِ اموال کا نقصان ہوتا ہے، مگر بینک کے ذمہ داران اپنے گاہک کو خوش اور وابستہ رکھنے کے لئے نقصان اپنے ذمہ لے لیتے ہیں اس رشوت کو ''ہدیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔

پانچویں وجہ: اسلامی بینکوں میں خلافِ شرع مفروضوں کی موجودگی

مروجہ اسلامی بینک کی بنیادوں میں کئی ایسے مفروضے موجود ہیں جو خالصۃً سودی نظام کی پیداوار اور ضرورت تھے۔ ان مفروضوں کو سرتوڑ کوششوں کے ذریعہ اسلام سے ہم آہنگ اور غیر متصادم اور غیر ممنوع کہہ کر زیرِ عمل لایا گیا ہے، جسے ہم خالصۃً غیر اسلامی سمجھتے ہیں، اوران مفروضوں کو اسلامائز کرنے کی کوششوں کو بے سود سمجھتے ہیں۔ مثلاً ''شخصِ قانونی'' کا تصور فوائد اور منافع کی صورت میں غیر محدود، اور نقصان کی صورت میں محدود ذمہ داری کا

نام ہے، جس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح روایتی بینکوں میں رائج ''مالی جرمانہ'' (Penalty) کو ''صدقہ'' (Charity) کے نام سے جائز قرار دینے کی سعی لاحاصل ہوئی ہے، حالانکہ فقہی بینکار اچھی طرح جانتے ہیں کہ جہاں صدقہ نافلہ ہو، یا واجبہ ہی کیوں نہ ہو، وہاں جبر ولزوم نہیں، جہاں جہاں جبر ولزوم ہو وہاں صدقہ نہیں، کچھ اور ہی ہوگا۔ انہیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ زکوۃ جیسے معاملے میں علماءِ امت متفق نہیں ہوسکے تھے کہ فی زمانہ حکومت وقت بینک اکاونٹ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق رکھتی ہے۔ بلکہ جمہور کی رائے یہی رہی کہ حکومتِ وقت کو جبراً زکوۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

چھٹی وجہ: اسلامی بینکاری میں سودی معاملات کے ساتھ مشابہت

مروجہ اسلامی بینکاری کو بڑے اصرار کے ساتھ غیر سودی بینکاری کہا جاتا ہے، جبکہ اسلام، سود کی طرح سود کی مشابہت، شبہ اور مناسبت ومماثلت سے بچنے کا حکم بھی دیتا ہے، مگر اسلامی بینکوں میں سودی معاملات کی مشابہت ومماثلت اور شبہۃ الربوا کو قصداً وعمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ مثلاً مرابحہ اور اجارہ مثالی اسلامی طریقہائے تمویل نہیں، مگر ان کا مجوزہ طریقۂ تمویل چونکہ سودی بینکوں کے طریقۂ تمویل سے مشابہ اور مماثل ہے، اس لئے مرابحہ اور اجارہ کو طریقۂ تمویل کے طور پر اختیار کیا گیا ہے، حالانکہ فقہی بینکار اچھی طرح واقف ہیں کہ مرابحہ مؤجلہ اور اجارہ منتہیہ بالتملیک، سودی بینک کے سودی قرض اور روایتی لیزنگ سے کتنے مماثل ومشابہ ہیں اور اسلامی معاملہ مرابحہ اور اجارہ سے کتنے مشابہ ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے **''عقود الآجال''** کے بارے میں کن خدشات کا اظہار فرمایا ہے، (**کمامر**) اسی طرح مرابحہ اور اجارہ میں ''ربح'' (Mark-up)

اور ’’اجرت‘‘ (Rent) کی شرح روایتی سودی معیارات کے عین مطابق طے کی جاتی ہے، جو نام کے علاوہ سودی اور غیر سودی معاملات کا فرق واضح نہیں ہونے دیتا، بلکہ دونوں کے درمیان مشابہت اور شبہ وشبہات کو تقویت دیتا ہے، جدید انقلابی اقدام کے ساتھ روایتی سودی معیارات کو قبول کرنا شرعی مزاج کے بالکل خلاف ہے۔اسی وجہ سے ہم مروجہ اسلامی بینکوں کو نہ اسلامی کہہ سکتے اور نہ ہی غیر سودی۔

ساتویں وجہ: اسلامی بینکاری میں شرعی کی بجائے غیر شرعی بنیادوں پر سرمایہ کاری

مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادوں کو دو حصوں میں متعارف کرایا گیا تھا ایک حصہ دائمی، اصلی اور مستقل بنیادیں، جس میں شرکت ومضاربہ شامل ہیں، دوسرا حصہ عارضی اور عبوری بنیادیں ہیں، جن میں مرابحہ اور اجارہ وغیرہ شامل ہیں، آغازِ کار میں عارضی اور غیر اصلی بنیادوں کو نا مناسب اور خطرناک ہونے کے باوجود یہ کہ عبوری دور کے لئے طریقۂ تمویل کے طور پر اختیار کیا گیا تھا، یہ عبوری دور اور عبوری لفظ دونوں ناپید ہوتے جارہے ہیں، مگر عارضی بنیادیں اب بھی اسلامی بینکاری کا سب سے زیادہ منافع بخش طریقہ تمویل ہیں۔ حالانکہ اسلامی سرمایہ کاری میں مروجہ مرابحہ اور اجارہ کے مقابلے میں اصل بنیادوں (مشارکہ ومضاربہ) کے طریقہ تمویل کو اختیار کرنا چاہیئے تھا اور زیادہ سے زیادہ رواج اور فروغ دینا اسلامی بینکوں کی ذمہ داری تھی، اور وعدہ بھی تھا مگر مروجہ اسلامی بینک نہ صرف یہ کہ اس ذمہ داری کا احساس نہیں کررہے، بلکہ اسلامی بینکار اسی پر قانع ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور ان طریقوں کو چھوڑنے کیلئے رضامند بھی نہیں ہورہے ہیں، اور نہ ہی اپنا وعدہ پورا کررہے ہیں۔

حالانکہ اجارہ کے بعد خرید وفروخت کا وعدہ اور قسطوں کی عدم ادائیگی پر صدقہ کے وعدہ کے ضمن میں ہمارے فقہی بینکاروں نے انہیں وعدے کا حکم بڑے دلائل کے ساتھ زوردار انداز میں سمجھایا تھا، وہاں تو اگر کوئی حنفی گاہک وعدہ پورا نہ کرے تو اس کے خلاف ہر قسم کا مواخذہ عمل میں لایا جاسکتا تھا، مگر اپنا وعدہ نبھانا بھول گئے، یہ ''بھولنا'' سہواً ہے یا عمداً؟ بہرحال اس کا آغاز اسلامی بینکاری کی پہلی مجلس سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ جس کا ذکر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے احسن الفتاویٰ کے حاشیہ میں فرمایا ہے۔(۱)

اسلامی بینکاری کے اس قسم کے رویوں سے مختلف قسم کے شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں، اگر اسلامی بینکار اپنے عزائم اور وعدوں میں مخلص ہوتے تو آج اسلامی بینکاری میں اجارہ اور مرابحہ کا نامناسب وجود مٹ چکا ہوتا اور مشارکہ اور مضاربہ کی منزل تک پہنچ چکے ہوتے، مگر تاحال اسلامی بینکاری میں مرابحہ اوراجارہ کے مقابلہ میں مضاربہ اور مشارکہ کا عنصر اور حجم نہ ہونے کے برابر ہے، بلکہ اس اصل بنیاد کی طرف خاطر خواہ پیش رفت یا اس کا عزم بھی مفقود ہے۔

اس کی واضح مثال یہی ہے کہ مشارکہ اور مضاربہ اصل بنیاد ہونے کے باوجود بینکاری کے لئے زیادہ منافع بخش نہیں ہیں اور مرابحہ اور اجارہ شرعاً نامناسب اور خطرناک ہونے کے باوجود بینکاری سسٹم میں زیادہ منافع بخش ہیں، اس لئے وہ مرابحہ اور اجارہ ہی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور چھوڑنے کے لئے تیار بھی نہیں ہیں۔

اس لئے ہم اپنے اسلامی بینکاروں کو جواز اعتماد اور دیانتداری کا سرٹیفکیٹ دینے سے معذور ہیں ان کی اس نوعیت کی وعدہ خلافیوں کے تناظر میں ان کے عزائم میں اخلاص کے قائل نہیں ہوسکتے، بلکہ جزم کے ساتھ یہ کہنے کی گنجائش محسوس کرتے ہیں کہ

---

(۱) حاشیہ احسن الفتاویٰ: ۷/۱۱۹-۱۲۱۔ ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

اسلامی بینکار حضرات شرعی احکام سے زیادہ بینکاری ضرورتوں کی رعایت اور پاسداری کے فلسفہ پر عمل پیرا ہیں، اس لئے ہم ان کی سرگرمیوں کو ''اسلامی'' نہیں کہہ سکتے۔

آٹھویں وجہ:۔اسلامی بینکاری کا خطرناک سودی حیلوں پر انحصار

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی پیروی اور اتباع میں اسلامی بینکاروں کو اس حقیقت کا اعتراف اور ادراک بھی ہونا چاہئے کہ اجارہ اور مرابحہ کوئی مستقل مثالی اسلامی طریقہائے تمویل نہیں، مشارکہ اور مضاربہ کی اصل منزل تک پہنچنے کے لئے اجارہ ومرابحہ کو عارضی وعبوری بنیادوں پر اختیار کیا گیا تھا، مروجہ اجارہ اور مرابحہ کا طریقۂ تمویل روایتی سودی سرمایہ کاری کے طریقوں کے ساتھ گہری مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے، معمولی سی بے احتیاطی سے اجارہ ومرابحہ کے نام پر ہونے والی سرمایہ کاری خالص سودی سرمایہ کاری بن جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اسلامی بینکاری میں مروجہ مرابحہ واجارہ کی حیثیت محض ''حیلہ'' کی ہے، یعنی مروجہ اجارہ اور مرابحہ روایتی طرز پر سرمایہ کاری کرتے ہوئے سود اور سودی لیبل سے بچنے کے لئے ''حیلے'' کا کام دیتے ہیں اور ہم اس کو دو بنیادی وجہوں سے ناجائز اور خلافِ شرع سمجھتے ہیں۔

ایک یہ کہ حیلوں کو مستقل نظام کی حیثیت سے معمول بنا لینا قانون شریعت کے خلاف ہے، اگر یہ دروازہ کھول دیا گیا تو پھر چند حیلوں کے بعد ساری شریعت بدل دی جائے گی۔

دوسری وجہ یہ کہ حیلہ بھی عام حیلہ نہیں ایسا حیلہ جو سودی معاملات کی مارکیٹ میں عام کیا جارہا ہے، جس کی ممانعت دوگنا ہوجاتی ہے ایک تو نفس حیلہ کی خرابی اور دوسرے

سودی معاملات کے لئے حیلہ سازی، اہل علم جانتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے "بیع عینہ" پر شدید نکیر کیوں فرمائی تھی اور اسے "أقرب إلی الحرام" (مکروہ تحریمی) کیوں فرمایا تھا وہ اس لئے کہ یہ سودخوروں کا گھڑا ہوا حیلہ ہے جو سود کے لیبل سے بچنے کے لئے اسے اختیار کیا جاتا ہے۔

شکوہ!

یہاں پر ہمیں فقہی بینکاروں سے گلہ یہ ہے کہ ہمارے بعض علاقوں میں ''بیع عینہ'' کے ذریعہ سود اور سودی مقاصد حاصل کئے جائیں تو وہ ناجائز ہوتا ہے، اور ''پٹھان کا سود'' کہہ کر اس کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے، اور آپ سود اور سودی مقاصد کے حصول کے لئے مروجہ مرابحہ اور اجارہ کو بطور حیلہ اختیار کریں تو وہ ''اسلامی بینکاری'' بن جاتا ہے، اسلامی مساوات اور روشن خیالی کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو دونوں کو ''سود'' کہیں یا دونوں کو اسلامی بینکاری کہیں۔ واضح رہے کہ ہمارے ان بعض علاقوں میں ''بیع عینہ'' کی سرپرستی اور مختلف صورتوں کی تشریح و تطبیق کے لئے شریعہ ایڈوائزر بھی ہوتا، اسے وہ لوگ ''ملّا صاحب'' کہتے ہیں، ان کے لئے اسی کا فتویٰ معتبر اور کارآمد سمجھا جاتا ہے۔

انصاف پسندی کی توقعِ خیر:

ہم اپنے بینکاروں کی جدّتِ فکر ونظر، انصاف پسندی اور علم دوستی سے یہ قوی امید رکھتے ہیں کہ وہ ''بیع عینہ'' کے بارے میں ''فقہ حنفی'' کے مدون ومرتب، ترجمان مذہب نعمانی امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی رائے اور رائے کی بنیاد کو صحیح تسلیم فرمائیں گے، اور مروجہ اجارہ

ومرابحہ کو روایتی سودی طریقوں سے سرمایہ کاری کرنے کے لئے حیلے بناتے اور بتاتے ہوئے امامِ موصوف کے سخت مؤقف کو سامنے رکھیں گے، کیونکہ ہمارے ان حضرات نے روایتی جرمانہ کو بُرے اور ناجائز لیبل سے بچانے کے لئے ''ابن دینار مالکی رحمہ اللہ'' کا مرجوح کالمعدوم قول بھی بڑی قدردانی کے ساتھ اس لئے قبول کرلیا تھا اور اسے اسلامی بینکاری نظام میں مستقل شعبہ کی بنیاد بھی قرار دیا تھا کہ وہ ''مرجوح کالمعدوم''، متروک اور غیر مفتی بہ ہونے کے باوجود ایک صاحبِ علم کا قول ہے، جسے احتراماً جمع کے صیغے کے ساتھ ''بعض مالکی علماء کی رائے'' کے طور پر مشتہر فرمایا گیا تھا۔

امیدِ واثق ہے کہ یہ قدردان مزاج، امام محمد بن الحسنؒ کے مذکورہ مؤقف سے چشم پوشی نہیں کرے گا اور اگر ہم سودی حیلوں کی بابت امام محمدؒ کے مؤقف کی پیروی کرتے ہوئے مروجہ اجارہ اور مرابحہ کو بطور طریقۂ تمویل اختیار کرنے کو ناجائز، خلافِ شرع اور '' أقرب إلى الحرام '' کہیں تو وہ ہمیں معذور جانیں گے۔

نویں وجہ: بینک اور شرکت ومضاربت کا مزاجی بُعد

اگر مروجہ اسلامی بینکاری کو اس کی حقیقی بنیادوں (مشارکہ ومضاربہ) پر چلایا جائے تو پھر ہمیں اسلامی بینکاری کے معاملات سے اصولی وکلیاتی بحثوں کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ مضاربہ اور مشارکہ کی شرعی بنیاد پر مشترکہ طور پر کاروبار ہوسکتا ہے اگر اس سے شرعی تقاضے پورے کئے جائیں تو اس کا نام بینک رکھیں یا کمپنی، بہرحال بنیاد درست کہلائے گی اور نام کی حد تک لفظی غلطی کا عذر کیا جاسکے گا۔ بہرحال شرکہ ومضاربہ کی بنیاد پر مشترکہ کاروبار کرنے کی صورت میں اصولی اختلاف نہیں ہوگا، جو اختلاف ہوگا وہ

جزوی ہوگا اور جزئیات کی تطبیق کے حوالے سے ہوگا۔ جیسا کہ ہم شروع میں مشارکہ، مضاربہ کے زیرِ عنوان بطور مثال چند قابل اشکال جزئیات کی نشاندہی کر چکے ہیں۔

البتہ مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کے حوالہ سے فی زمانہ ایک اصولی اشکال بھی رہے گا کہ بینکنگ اور مشارکہ ومضاربہ اپنے مزاج کے اعتبار سے یکجا نہیں ہوسکتے، اگر آپ بینکنگ کے مطلوبہ طریقۂ کار کے مطابق سرمایہ کاری کرنا چاہیں تو مشارکہ ومضاربہ کے تقاضوں اور قاعدوں کی رعایت مشکل ہے اور اگر صرف مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر آگے بڑھنا چاہیں تو بینکنگ کے اہداف اور ضابطوں کی رعایت نہیں کر سکتے۔ (**كما مر تفصيله في موضعه**)

اس لئے اگر کوئی مستفتی ہم سے اسلامی بینکاری میں مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کا حکم پوچھے تو ہم فی الحال سرمایہ کاری کے موجودہ مروجہ طریقے کو بینکاری ہی کہیں گے، مشارکہ اور مضاربہ نہیں کہیں گے۔ لقولہ تعالیٰ:

"إنا أنزلنا إليك الكتٰب بالحقّ فاعبد اللّٰه مخلصا له الدين ألا للّٰه الدين الخالص ط"(۱)

ترجمہ:۔ ہم نے اتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی خالص کر کر اس کے واسطے بندگی، سنتا ہے! اللہ ہی کے لئے ہے بندگی خالص۔(۲)

ولأن اللّٰه تعالىٰ أغنى الشركاء عن الشرك، فدينه كذلك.

---

(۱) زمر: ۲-۳۔

(۲) از ترجمہ: شیخ الہند رحمہ اللہ، الموافقات للشاطبی: ۴/ ۹۹-۲۰۳، ط: دار احیاء التراث العربی لبنان۔

دسویں وجہ: مروجہ اسلامی بینکاری کے جوازی فتوؤں پر اصولی اشکال ہے

اہلِ اسلام کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ پاکستان میں مروجہ اسلامی بینکاری کو جائز کہنے والے اہلِ علم کی رائے میں انفرادیت اور شذوذ کا عنصر پایا جارہا ہے، اور ناجائز کہنے والے اہلِ علم کا فتویٰ ملک بھر کے مشہور ومعروف اہل فتویٰ کا متفقہ اور اجتماعی ہے۔اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی حمایت، تائید اور جواز میں جن بعض اہلِ علم کا فتویٰ سامنے آیا ہے وہ اصولی لحاظ سے قابلِ عمل نہیں ہے۔

فلانزید علیہ إلّا ماحکی الشاطبیّ عن أبی الأسود الدّؤلی تحت عنوان ”المسألة الثالثة...وھی:أن الفتیالاتصحّ من مخالف لمقتضی العلم“ :

ابدأ بنفسک فانھھا عن غیّھا
فإذا انتھت عنه فأنت حکیمُ
فھناک یسمع ما تقول ویقتدی
بالرّأی منک وینفع التّعلیمُ
لا تنه عن خلق وتأتی مثله
عارٌ علیک إذا فعلت عظیمُ

فصل سوم

جدید اسلامی بینکاروں کے بعض اشکالات اوران کے جوابات

تمہید:

مروجہ اسلامی بینکاری کے حوالہ سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ جب بھی کسی صاحب علم اور بہی خواہ نے اس نظام پر اعتراض کیا، یا اپنا اشکال اور تحفظ متعلقہ لوگوں کی خدمت میں پیش کیا تو اسے یا تو بدنیتی اور عناد پر محمول کرتے ہوئے قابل اعتناء ہی نہیں سمجھا گیا، یا مروجہ اسلامی بینکاری نظام پر اشکال اور تحفظ کو ''اسلامی نظام'' پر اعتراض قرار دیا جانے لگا اور معترضین کو ''اسلامی مالیاتی نظام'' کی ترویج وتطبیق کے بدخواہوں کی صفوں میں شمار کیا جانے لگا۔ اس کے باوجود جب یہ سلسلہ نہ تھم سکا تو کچھ الزامی اور کچھ روایتی اشکالات تیار فرمائے گئے، ان دفاعی اشکالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اسلامی بینکاروں کے نزدیک اسلامی بینکاری کے قابل اصلاح امور پر توجہ سے زیادہ اہم یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے معترضین خاموش ہوجائیں۔ چنانچہ بعض اشکالات اوران کے جوابات ملاحظہ ہوں:

پہلا اشکال: نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے!

معترضین کے اعتراضات کا خالص مقصد، طفلانہ ضد ہے۔ ''نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے

دیں گے‘‘۔(۱)

جواب:

جناب! جوکھیل آپ کھیلنا چاہتے ہیں کھلے عام آزاد ہوکر کھیلیں، بینک کی قومی ٹیم میں شامل ہوکر ’’بینک اسٹیڈیم‘‘ میں کھیلیں، کھیل کے لئے مسجد ومدرسہ کو استعمال نہ فرمائیں۔ قرآن ،حدیث اورفقہ کو کھلونا نہ بنائیں۔اگر اپنے آزادانہ کھیل کے لئے دینیات کوکھلونا بنائیں گےتو مولویت طفلانہ ضد سے قطعاً باز نہیں آئے گی۔

دوسرا اشکال:اعتراض کی بجائے غلطیوں کی نشاندہی اوراصلاح کی جائے!

’’ہماری غلطیاں نکالنے کی بجائے غلطیوں کی اصلاح کرو، یا ہمارے پیش کردہ نظام کوچھوڑو، چلوتم کوئی نظام پیش کرو! ہم اسے اپنالیں گے‘‘۔

جواب:

یہ اعتراض بظاہر کافی وزنی ہے کیونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے جومروجہ اسلامی تمویلی بنیادیں ان حضرات نے اپنی علمی بحثیں اورخداداد ملکہائے استنباط صرف کرتے ہوئے تیارفرمائی ہیں،جس قابل اشکال انداز میں پیش فرمائی گئی ہیں یہ انداز کافی حدتک انوکھا ہے۔اس لئے آپ کے معترضین کواس حقیقت کااعتراف اوراقرار ہونا چاہئے کہ وہ روایتی بینکاری کے متوازی آپ جیسا انطباقی نظام ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔

---

(۱) اسلامی بینکاری ایک حقیقت پسندانہ جائزہ۔

ہاں اگر آپ روایتی بینکاری کا متبادل شرکت ومضاربت اوراجارہ ومرابحہ جیسی فقہی اصطلاحوں اورشرعی معاملوں کو سمجھتے ہیں، توان اصطلاحوں اورمعاملوں کو آپ کی طرح باقی علماء بھی سمجھ سکتے ہیں اوران معاملات کے سارے اصول اورفروع سے واقفیت رکھتے ہوئے آپ کے ہم نوا ہو سکتے ہیں۔

لیکن اگر آپ ان اصطلاحوں کے کسی ایسے مطلب اورمفہوم کے روادار ہیں جو دینیات کے ذخیرہ میں مفقود ہے اورعصریات کے ''میدان تیہ'' میں گھرا ہوا ہے، تو وہاں کے لئے آپ کو ''برادرانِ خود'' ہی کی رفاقت پر اکتفاء کرنا ہوگا باقی لوگ آپ کا ساتھ نہیں دیں گے، باقی جہاں تک ''غلطیوں کی تصحیح'' کا تعلق ہے اس حوالہ سے نہایت مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس تحدی اور Challenge سے جہاں آپ کے مخاطبین کی علمی بے بضاعتی، کم فہمی اورکج روی کا بیان ہورہا ہے وہاں کبروغرور کی '' بُو '' بھی آرہی ہے۔

دوسرے یہ کہ ''غلطیوں کی تصحیح'' اتنی مشکل نہیں جتنا آپ کا ''زعمِ اکبر'' ہے، اگر آپ سنجیدگی سے کسی کی بات سننا چاہیں تو باآسانی مسئلہ کی وضاحت ہوسکتی ہے، اگر گستاخی معاف فرمائیں تو آپ کی غیر سنجیدگی کی نشاندہی بھی کی جاسکتی ہے کہ جب ''بینکاری'' کے حوالے سے کوئی ماہر بینکار، جو بینک کے نظام کو آپ سے زیادہ باریک بینی اورگہرائی وگیرائی سے جانتا ہے، وہ کسی غلطی کی نشاندہی کرے تو آپ اسے یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش فرماتے ہیں کہ جناب! یہ اسلامی نظام ہے آپ اسلام اورفقہ کے بارے میں علم نہیں رکھتے اس لئے آپ کی بتائی ہوئی غلطی، غلطی نہیں ہے۔

اگر کوئی اسلام اورفقہ کا ماہر آپ کے مستدلات اوراستنباطات پر اعتراض کرے اورآپ کی فقہی تشریح اورتطبیق میں سقم اورغلطی کی نشاندہی کرے تو آپ اس کی بات کو اس لئے قابلِ توجہ نہیں سمجھتے کہ یہ روایتی قدامت پسند' بینکنگ اورعصری تقاضوں سے نابلد ہے

اور بینکاری نظام کو نہیں سمجھتا۔

سوال یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری میں کس کے ''فہم'' پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اگر آپ یہ فرمائیں کہ اس سلسلے میں صرف انہی لوگوں کی بات معتبر ہے جو عملی طور پر ''مروجہ اسلامی بینکاری'' سے وابستہ ہیں تو یہ بھی اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی کسی مروجہ اسلامی بینک کے بارے میں رائے کا اعتبار کرنا مشکل ہے' اس لئے کہ صاحبِ معاملہ کی اپنے حق میں رائے اور شہادت قبول نہیں کی جاسکتی، بالخصوص جو افراد عملاً اسلامی بینک کے تنخواہ دار ملازم ہوں' بینک کے حق میں ان کی رائے کو کیسے مانا جا سکتا ہے؟ مفادات کی وابستگی کی وجہ سے وہ ''موضعِ تہمت'' ہیں خواہ وہ عام ملازمین ہوں یا شریعہ ایڈوائزرز' سب کا بینک کے ساتھ مفاداتی رشتہ قائم ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص موجودہ بینکوں سے وابستہ رہ کر الگ ہو چکا ہوتو ''مبتلیٰ بہ'' ہونے کی وجہ سے اس کی رائے کا اعتبار اصولاً درست ہوگا۔

تیسرا اشکال: چلیں آپ متبادل پیش فرمائیں!

یہ اشکال درحقیقت پہلے اشکال کا تتمہ ہے، یعنی روایتی سودی بینکاری کا متبادل پھر کیا ہوگا؟ اور آپ کیا دیتے ہیں؟

جواب:

یہ اشکال بھی اپنی جگہ خوب وزنی ہے اور علمی پس منظر سے وارد ہورہا ہے وہ پس منظر یہ ہے کہ مفتی کی ذمہ داری میں صرف یہ نہیں کہ جائز اور ناجائز کا حکم بتانے پر اکتفاء کرے، بلکہ ناجائز کا جائز شرعی متبادل بتانا یہ بھی مفتی کی ذمہ داری اور فتوی کا حصہ ہے۔

یقیناً یہی بات ہے مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس اصلِ اصیل کے ساتھ قدرے تفصیل

شامل کر لینے کی ضرورت بھی ہے، ایک تو یہ کہ ہر ناجائز کے جائز متبادل کا موجود ہونا ضروری بھی ہے یا نہیں؟ ہمارے خیال میں ہر ناجائز کا متبادل موجود ہونا شرعاً وعقلاً ضروری نہیں، ورنہ فتنوں کی وباءِ عام اور جرائم ومعاصی کے سیلاب کے دور میں رفتہ رفتہ شریعت اسلامی سے ''منہیات'' کا حصہ غائب ہوجائے گا اور کوئی ''ناجائز'' باقی نہیں رہے گا، کیونکہ آج کا دور ''سود'' کے ابتلاء عام کا دور ہے، ہمیں ''سود'' جیسی افادیت کا حامل متبادل چاہئے۔ کل کو ''زنا'' کی وباءِ عام سے چھٹکارے کے لئے ''زنا'' کی افادیت وخصوصیات کا حامل جائز متبادل درکار ہوگا، بلکہ بعض عرب علماء، (بزعمِ خود) سودی متبادل کی طرح ''زنا'' کے اسلامی متبادل لانے میں بھی پہل فرما چکے ہیں، اور اسے ''نکاح مسیار'' کا نام بھی دیا جاچکا ہے، اور اسلام سے اس کی اصل بھی بتائی جارہی ہے۔ اگر ہر ناجائز اور حرام کے شرعی متبادل کا نظریہ ہم نے اخلاص کے ساتھ قبول کرلیا تو پھر ''منہیات الٰہیہ'' کے نسخ ومسخ کے سامنے بند باندھنا مشکل ہوجائے گا۔ کیونکہ ''منہیات الٰہیہ'' میں سب سے بڑی ''چٹان'' ربوا (سود) کی شکل میں موجود تھی جب اسے ہم نے اپنی جگہ سے بزعمِ خود ہلا لیا تو باقی منہیات تو ''سود'' کے مقابلہ میں کم درجہ کی منہیات ہیں۔ کیونکہ سود کے بعد بڑا گناہ زنا ہے اور سود کا ادنیٰ درجہ زنا کے اعلیٰ درجہ (ماں کے ساتھ زنا) کے بعد شروع ہوتا ہے۔ فافهم و تدبر

ایمانی اور عملی لحاظ سے مزید افسوس اور تشویش کی بات یہ ہوگی کہ اگر ہمیں ہر ''ناجائز'' کے مطلوبہ متبادل تک پہنچنے کے لئے اسلامی دفعات میں تراش خراش کی جسارت کرنی پڑے اور خلافِ شرع حیلوں کا سہارا لینا پڑے! کیونکہ یہ طرز اور صنیع خالصۃً علماءِ یہود کا رہا ہے' خدانخواستہ ہم اپنے عزائم میں مخلص ہونے کے باوجود کہیں اسی ممنوع اور قابل مواخذہ طرز عمل کے پیروکاروں میں شامل نہ ہوجائیں: **فالله سبحانه تعالیٰ يقول:**

''وإذا تتلیٰ عليهم اٰياتنا بينات قال الذين

لایرجون لقاء نا ائت بقرآن غیر هذا أو بدلّه، قل مایکون لی أن أبدلّه من تلقاء نفسی، إن أتبع إلا مایوحی إلیّ، إنی إخاف إن عصیت ربی عذاب یوم عظیم". (۱)

ترجمہ:۔اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح، کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی قرآن اس کے سوا، یا اس کو بدل ڈال ۔تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔(۲)

فبدّل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لهم، فأنزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون" (۳)

ترجمہ:۔پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو کہہ دی گئی تھی پھر اُتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر۔(۴)

والرسول ﷺ یقول: "لاترکبوا ما ارتکبت الیهود

(۱) یونس، الآیۃ:۱۵۔

(۲) ترجمہ حضرت شیخ الہند۔

(۳) بقرہ: ۵۹)

(۴) ترجمہ حضرت شیخ الہند۔

فتستحلوا محارم اللّٰہ بأدنی الحیل". (۱)

وعن جابر فی حدیث ....ثم قال عند ذلک:

قاتل اللّٰہ الیہود،إن اللّٰہ لما حرم شحومها، اجملوه ثم

باعوه فأکلوا ثمنه'' متفق علیه،(۲)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ.....پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم

نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ

نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود (نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ) چربی

کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے۔(۳)

أقول:فیه دلیل علی بطلان کل حیلة یتوصل بها الی

الحرام، وما إلی ذلک مماسقنا سابقاً علی بطلان الحیل

الغیر المرضیة أی المحرمة لدی الشریعة الإسلامیة.

فائدہ:

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ ہر حرام (منہی عنہ) کا متبادل ڈھونڈنا اور بتانا نہ صرف یہ کہ خطرناک بات ہے بلکہ دین اسلام کے مزاجِ طبعی کے خلاف بھی ہے، اس لئے فی الجملہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر''ناجائز'' کا جائز متبادل بتانا''مفتی'' کی ذمہ داری ہے، بلکہ

(۱) أعلام الموقعین ،ص: ۶۱۹ط: دار الکتب العلمیه بیروت،وکذا فی إبطال الحیل لابن بطة، ص: ۴۲،بحواله موسوعة أطراف الحدیث :۱۰۰/۷ ،ط: دار الفکر بیروت.

(۲)مشکوٰة،باب الربا: ۲۴۱ ط:قدیمی کراچی .

(۳) مظاہر حق جدید،۳۹/۳،ط:دارالاشاعت کراچی۔

اس میں تخصیص وتحدید کی ضرورت ہے، تخصیص کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جہاں شریعت کے اصل حکم میں ردوبدل، تراش خراش، کتر و بیونت اور اصل حکم سے اعراض لازم نہ آتا ہوتو وہاں ”نفاذ دون جواز“ کے اصول کے مطابق اور امکانی حدتک متبادل کی سوچ کارآمد ہوسکے گی، بصورت دیگر وہی محظور لازم آئے گا جس سے ہمیں نصوص بالا میں ڈرایا گیا ہے۔ **أعاذنا اللہ جمیعا من ذلک.**

چوتھا اشکال: کیا اسلامی بینکاری کی کوشش تکلیف مالا یطاق ہے؟

کیا متبادل سودی نظام یعنی اسلامی بینکاری ناممکنات میں سے ہے؟ اسلامی بینکاری کے معترضین کے رویوں کا حاصل تو یہی نکلتا ہے کہ متبادل سودی نظام ممکنات میں سے نہیں ہے، اس لئے متبادل کی کوشش ہی فضول اور بے کار ہے۔ بلکہ اس کا مطلب تو یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ”سود“ سے بچنے کا جو حکم دیا ہے وہ **”تکلیف مالا یطاق“** ہے، یعنی انسان کو ایسے کام کا حکم دینا اور پابند بنانا جو اس کی طاقت اور احاطۂ قدرت سے باہر ہو، حالانکہ احکام الٰہیہ کے بارے میں یہ تصور باطل ہے اگر ”سود“ سے بچنے کا حکم **”تکلیف مالا یطاق“** نہیں ہے تو پھر سودی نظام کا متبادل بھی ممکن ہے اور ہم اسی ممکن کو زیرِ عمل لانے کے لئے منشائے خداوندی کے مطابق کوشاں ہیں۔

جواب:

اسلامی متبادل کے مذکورہ بالا شرعی معیار کے مطابق کوشش کرنا یقیناً قابل ستائش ہے، اس کوشش اور اپنے بزرگوں کے اخلاص وللّٰہیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش

نہیں اور اس میں بھی کوئی خفاء نہیں کہ اسلام نے سودی نظام کا متبادل دیا ہے، بلکہ متبادل کو خود قرآن کریم نے سود کی حرمت سے پہلے بیان فرمایا ہے ''**أحل اللّٰہ البیع وحرم الربو**'' اس متبادل کی تشریح ہمارے اکابر شرکت ومضاربت سے فرمایا کرتے تھے۔حتیٰ کہ مجوزین حضرات بھی یہی فرماتے ہیں کہ اسلامی بینکاری جو درحقیقت مشترکہ کاروباری نظام اپنانا چاہتی ہے،اس کی اصل حقیقی بنیاد بھی شرکت ومضاربت ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شرکت ومضاربت اور ''بینک'' اپنے مفہوم اور مزاج کے اعتبار سے سو فیصد اسلامی اصولوں کے مطابق جمع ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ نظریۂ امکانیت کے تحت تقلیداً ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں،لیکن اس حقیقت کو مسترد کرنا بھی ازحد مشکل ہے کہ فی زمانہ شرکت ومضاربت اور بینک اپنے حقیقی واصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے جمع ہوجائیں اور شریعت کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، یہ ناممکن ہے،جدید اسلامی بینکار بھی مشارکہ ومضاربہ کا حجم نہ بڑھانے میں اس قسم کی رکاوٹوں کو بنیاد قرار دیتے ہیں، کیونکہ اچھی یہ طرح واضح ہوچکا ہے کہ ''بینک'' اصل رقم کے تحفظ کی ضمانت اور منافع کی حتمی یقین دہانی کی سوچ پر قائم رہتے ہوئے ''بینک'' کہلاتا ہے،جبکہ شرکت ومضاربت میں اصل رقم بھی امانت ہوتی ہے اس کے تحفظ کی نہ ضمانت ہوسکتی ہے،نہ کسی قسم کے حتمی نفع کی یقین دہانی کرائی جاسکتی ہے۔

بینک اور شرکت ومضاربت کے مزاج میں اس قدر ''**بُعد المشرقین**'' کو دیکھتے ہوئے اگر کوئی مسلمان شرکت ومضاربت کی بنیاد پر بینکاری کے عدمِ امکان کی سوچ رکھتا ہو تو اسے حکم الٰہی کے متعلق ''**تکلیف مالا یطاق**'' کے فاسد نظریہ کا حامل قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ ایسے نظریہ کو حق وباطل اور صحیح وغلط کے درمیان حدِ فارق اور حدِ فاصل کا نظریہ کہنا چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ اس ٹھوس علمی اشکال کو زمانی حقیقت اور نفس الامر کے تناظر میں دیکھا جائے تو مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق سو فیصد اسلامی بینکاری کا عدمِ امکان آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، ہمارے جہاندیدہ بزرگوں اور اقتصادی ماہرین سے ان کے علم اور مشاہدات کی روشنی میں یہ سمجھا جائے کہ ''کیا موجودہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی بالادستی میں یا سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر چلنے والی کسی حکومت میں سرمایہ دارانہ نظام کی ترجیحات سے صرف نظر کرتے ہوئے سو فیصد خالص اسلامی بنیادوں پر مالیاتی نظام قائم ہونا ممکن ہے، یقیناً وہ ناممکن ہی فرمائیں گے''۔

بلکہ بعض اقتصادی ماہرین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عالمی اقتصادی نظام ایک کُل ہے، مالیاتی نظام اس کا ایک جزء ہے اور بینکاری نظام مالیاتی نظام کا جزء ہے، جب تک کل خرابیوں سے اَٹا ہوا ہو تو جزء الجزء کیسے خالی ہوسکتا ہے، اس پر مزید وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کا اسلامی بینکاری تصور تو اس کل کے جزء کے جزء کا جزء ہے، لہٰذا کل کی پھیلی ہوئی خرابیوں کے ساتھ آپ چلنا چاہیں تو آپ کو بے شمار خرابیوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے بچنا آپ کے لئے ناممکن ہے۔

اگر ناممکن کے اس نظریہ کو ''تکلیف مالا یطاق'' کے کھاتے میں نہیں ڈالا جاسکتا تو پھر پاکستان میں مروجہ اسلامی بینکاری کے مکمل غیر سودی ہونے کے امکانات کو تسلیم نہ کرنے والوں کو کسی فاسد نظریہ کے حاملین کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ زمانی احوال، ماضی کے تلخ تجربات اور مستقبل کے خدشات بلکہ خود شریعت اسلامیہ کی روشنی میں بھی اس کی فکر درست معلوم ہوتی ہو، کیونکہ ایسے دور کی پیشن گوئی خود حضور ﷺ فرما گئے ہیں کہ جس میں ''سود'' سے بچنا کسی کے لئے ممکن نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''عن أبی هريرة عن رسول اللّٰه ﷺ قال: ليأتين

علی الناس زمان لایبقی أحد إلا آکل الربوا فإن لم یأکله أصابہ من بخارہ. ویروی من غبارہ". (رواہ أحمد وأبوداود .(۱)

ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب سود کھانے والوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے گا اور اگر کوئی شخص ایسا باقی بھی رہے گا تو وہ سود کے بخار میں مبتلا ہوگا"۔ نیز (بعض کتابوں میں لفظ "**من بخارہ**" کی بجائے)"**من غبارہ**" (یعنی وہ سود کے غبار میں مبتلا ہوگا) نقل کیا گیا ہے۔(۲)

اسی مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

سود کا ایسا رواجِ عام جس سے کہ ہر کس و ناکس کو اس کا کچھ نہ کچھ غبار ضرور پہنچے، تجارتی سود ہی میں ممکن ہے جیسا کہ بینکنگ کے موجودہ نظام میں ہورہا ہے، تقریباً آدھی دنیا کا روپیہ بینکوں میں جمع رہتا ہے جس پر انہیں سود دیا جاتا ہے۔ بڑے سرمایہ دار، ان بینکوں سے سود کا لین دین کرتے ہیں اور چھوٹے تاجر بینک میں روپیہ جمع رکھتے ہیں۔ پھر بینکنگ کچھ اتنے بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے کہ ہر ایک بینک میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ نوکری کرتے ہیں۔ اس

---

(۱) مشکوٰۃ. ص: ۲۴۵۔ط: قدیمی کراچی.

(۲) ازمظاہر حق جدید: ۳/۴۷ ط: دارالاشاعت کراچی۔

طرح کسی نہ کسی درجے میں سود کی نجاست سے ملوث ہوجاتے ہیں۔
اور جو لوگ براہ راست ملوث نہیں ہوتے تو وہ مال جو بذریعہ سود حاصل کیا جاتا ہے، جب اس کی گردش ملک میں ہوتی ہے تو بالواسطہ ہی سہی مگر سود کے پیسے سے ہر شخص ملوث ہوجاتا ہے جس کو حدیث میں سود کا غبار کہا گیا ہے، اور جس سے بچنے کا دعویٰ کوئی بڑے سے بڑا متقی بھی نہیں کرسکتا۔(۱)

مذکورہ روایت کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے اور اہلِ علم کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ دور میں سو فیصد اسلامی بینکاری کے امکانات کو تسلیم نہ کرنا اور محض نیک خواہشات سمجھنا "**تکلیف مالا یطاق**" کے نظریہ کو مستلزم نہیں۔

البتہ درمیانی رائے قائم کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں صحیح اسلامی بینکاری کا قیام اگرناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں، مشکل ضرور ہے اور کسی کام کا مشکل ہونا اور اسے مشکل سمجھنا "**تکلیف مالایطاق**" کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ مسلمان کا اپنے دین پر کاربند رہنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ دھکتے ہوئے انگارے کو مٹھی میں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔

"فإن من ورائكم أيام الصبر فيه مثل قبض على الجمر للعامل فيهم مثل أجر خمسين رجلاً يعملون مثل عمله،وزادني غيرهٗ"قال:يارسول الله! أجر خمسين منهم؟قال:أجر خمسين منكم " (۲)

---

(۱)جواهر الفقه :۱۲۹/۳. ط: مكتبه سيرت النبى جامع مسجد ديوبند.

(۲) ابو داود كتاب الفتن:۲۴۸/۲،ط:رحمانيه لاهور.

پانچواں اشکال: کیا ہم اسلامی بینکاری کرنا چھوڑ دیں؟

اگر اسلامی بینکاری ناممکن ہے یا مشکل ہے تو کیا ''ہم اسلامی بینکاری کرنا چھوڑ دیں؟ حالانکہ لوگوں کو حرام سے بچانا بہت بڑی دینی خدمت ہے۔ اگر یہ نہ کریں تو کیا ہمارا کام صرف یہ ہوگا کہ ہم عالمی استحصالی نظام کو برا بھلا کہتے رہیں یا نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ کرنا بہتر ہے؟

جواب:

عالمی سرمایہ داری نظام کے وضع کردہ سانچوں میں بعض لوگ جس قسم کی اسلامی بینکاری کے لئے کوشاں اور خواہاں ہیں وہ ضرور کریں، ان کے اخلاص میں ہم شک نہیں کرتے ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ بینکنگ کریں ''بینک'' کے نام سے کریں اسلام کے نام سے نہیں، اگر اسلام کا نام استعمال فرمارہے ہیں تو پھر ایک تو اسلام کے تقاضے پورے کریں، دوسرے یہ کہ ''بینک'' کو ''اسلام'' اور قانونِ شریعت کا تابع بنائیں قانونِ شریعت کو بینک کا تابع نہ بنائیں، اگر آپ ''بینکاری'' کے لئے بینک کے تقاضوں کو پورا کرنا مجبوری سمجھتے ہیں تو اسلام کے تقاضوں کو مجبوری کیوں نہیں سمجھتے؟ قانونِ شریعت میں کانٹ چھانٹ اور بینکاری مزاج کے مطابق رخصتوں اور حیلوں کے درپے کیوں ہوجاتے ہیں؟ حالانکہ اسلام کی بالادستی تسلیم کرنا اور اس کی برتری کا اظہار کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ **قوله تعالیٰ:**

''هو الذی أرسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین كله .(۱)

---

(۱) الصف. الآیة: ۹.

وقولہ ﷺ "الاسلام یعلو ولایعلی ...."(۱)

ہمارا اشکال یہ ہے کہ مغربی سرمایہ داری سانچوں کے مطابق بینکاری کے لئے جگہ جگہ سے شرعی نصوص کو اچکنے اور تاویلوں کے ذریعہ مغربی نظام سے ہم آہنگ کرنے کی روش سے اسلام کی بالادستی اور برتری کے نظریہ پر زد پڑتی ہے، اگر اخلاص کے ساتھ اس عذر کی بناء پر کوئی مسلمان مروجہ بینکاری کو روایتی بینکاری قرار دے تو اسے مذہبی آزادی کی رو سے یہ حق ملنا چاہئے۔

چھٹا اشکال: معترضین کا کام حوصلہ افزائی یا تنقید!

مروجہ اسلامی بینکاری اسلام کے عادلانہ اقتصادی نظام کی عملی ترویج کی ابتدائی کوشش ہے، معترضین کو چاہئے کہ وہ اس "نیک مقصد" میں مصروف کارلوگوں کے دست وبازو بنیں یا کم ازکم ان کی کوششوں پر تنقید نہ کریں اور اس نیک مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں اور لوگوں کو اس کار خیر سے بدظن تو نہ کریں، ورنہ معترضین کا رویہ شعوری یا لاشعوری طور پر سودی نظام کی حمایت اور غیر سودی نظام کی مخالفت میں جائے گا، کیا معترضین غیر سودی نظام کی کوششوں کو بھی جائز نہیں سمجھتے؟

جواب:

"ابتداء" امور اضافیہ میں سے ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی بینکاری عرب دنیا سے متعارف ہوتے ہوئے ہم تک اور دیگر ممالک تک پہنچی ہے، مگر اب تک اس کا ابتدائی

(۱) صحیح البخاری: ۱/۱۸۰، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی فمات هل یصلی علیه، ط: قدیمی کراچی، وانظر التفصیل فی نصب الرایة: ۳/۲۱۳، ط: موسسة الریان بیروت.

دور اور بچپن ختم نہیں ہوا' اس کا عبوری دور (Over-night Period) ختم نہیں ہوا، ہاں لفظ ''عبوری'' ضرور ختم ہورہا ہے، اس کی واضح مثال مروجہ مرابحہ اور اجارہ کو سب سے بڑے ذریعہ تمویل کے طور پر رواج دینا ہے، جس کی وجہ سے مشارکہ ومضاربہ کی طرف پیش قدمی کے لئے خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوسکی، گویا کہ اسلامی بینکاری کا اصل ذریعۂ تمویل مروجہ اجارہ اور مرابحہ ہی ٹھہر چکا ہے اور مروجہ بینکار اسی پر قانع ہو چکے ہیں۔ حالانکہ بعض بزرگوں نے مروجہ مرابحہ اور اجارہ کو محض حیلہ کے طور پر اپنانے کی وقتی اجازت دی تھی، اب مروجہ اسلامی بینکاری سے مروجہ مرابحہ واجارہ کا عارضی نظام چھڑایا نہیں جاسکتا اور نہ وہ اس پر راضی ہورہے ہیں کیونکہ جو آمدن اجارہ ومرابحہ سے ہوسکتی ہے وہ مشارکہ ومضاربہ سے نہیں ہوسکتی۔

البتہ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ جس سطح پر جن لوگوں پر انحصار کرتے ہوئے مجوزین حضرات اس نظام کی کامیابی کے لئے سعیِ جمیل فرمارہے ہیں، اس حوالہ سے ماضی کے تلخ تجربات اور مستقبل کے خدشات کو بھی سامنے رکھ لینا چاہئے۔ ہمارے ساتھ تاریخ کا ناروا سلوک ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جب بھی کوئی انقلابی قدم اٹھایا، ان کے ہم نواؤں میں ایسے خودغرض دنیادار لوگ بھی شامل ہوتے رہے جنہوں نے ہمارے بزرگوں کے نام پر اپنے مقاصد حاصل کئے اور ان کے پورے پروگرام کو بالآخر یرغمال بنالیا، اور ہمارے بزرگوں کی فراہم کردہ بنیادیں، پیش کردہ قراردادیں اور سفارشات دھری کی دھری رہ گئیں اور ہمارے بزرگوں کے پاس ناراضگی' اظہار برأت یا شکوے شکایات کے بجز کچھ نہ بچا۔ ان مثالوں سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے، قرارداد مقاصد سے لے کر ۱۹۷۳ء سے ہوتے ہوئے پی-ایل-ایس۔این۔ آئی ٹی یونٹس، غیرسودی بینکاری کے لئے نظریاتی کونسل کی سفارشات اور شریعت اپیلنٹ بنچ کے فیصلوں تک کی ایک ایک مثال

ایک طویل داستان ہے۔

بالخصوص جن معاملات کے جواز کے لئے ہمارے بزرگوں کے نام اور فتوے استعمال ہوئے اور پھر معاملے کو بازاری طریقۂ کار کے مطابق ہی چلایا جاتا رہا، پھر ہمارے بزرگوں کو اپنے فتوؤں سے رجوع کرنا پڑا یا مروجہ کاروبار سے برأت کا اعلان کرنا پڑا، یہی صورتحال اب اسٹاک مارکیٹ میں شیئرز کے کاروبار کی ہے، وہاں جواز بتانے کے لئے ہمارے فتوے تو دکھائے جارہے ہیں مگر عملی صورتحال کا صورت مسئلہ سے کوئی جوڑ دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے مجموعی لحاظ سے شیئرز کے مروجہ کاغذی وفرضی کاروبار کو ناجائز کہنے اور وہاں کے کاروبار سے لاتعلقی اور برأت کا اظہار واعلان کرنے کی نوبت بھی بظاہر قریب آچکی ہے۔ اس لئے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے دیانتدار واہلِ تقویٰ حامی حضرات مستقبل قریب میں مروجہ اسلامی بینکاری سے بھی لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے ناجائز قرار دیں گے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں ہم اسلامی غیرسودی بینکاری کی کوششوں کے قطعاً مخالف نہیں ہے، بلکہ ازراہِ خیرخواہی ہمارا مدعا صرف یہ تین باتیں ہیں:

۱- اسلامی غیرسودی بینکاری کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ماضی کے تلخ تجربے، سرمایہ دار اور سرکار کے مزاج ومذاق سے بھی باخبر اور ہوشیار رہیں کہ کہیں ہمارا بنایا ہوا نظام ان کے دھوکہ وفریب کا شکار تو نہیں ہورہا۔

۲- آپ کے بتائے ہوئے نازک حیلے، سودی معاشرے کے مسلمان حضرات کے لئے سونے کی دودھاری چھری نہ بن جائیں، جوان کے پیٹوں کو اسلام کے نام پر چیرتی رہے اور اسلام کے نام پر ان کے اعمال وایمان بھی خراب ہوتے رہیں۔

۳- اگر آپ کے رفقاءِ کار اور بینکار آپ کے بتائے ہوئے نظام کے مطابق

چلنے کی بجائے روایتی سودی طریقوں پر عمل پیرا ہیں اور آپ کا نام اور فتویٰ محض اپنے غیر شرعی مقاصد کے لئے استعمال کررہے ہیں، تو ایسے لوگوں کو اپنا کاندھا استعمال کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے، بلکہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے الفاظ میں ان پر صاف واضح کردینا چاہئے کہ:

''بھائی! ہم مسئلہ کشف کر چکے، اب جس کو جہنم میں جانا ہو چلا جائے لیکن ہماری گردنوں کو پل نہ بنائے''۔

ساتواں اشکال:۔اسلامی بینکاری اور ''أھون البلیتین'' کا ضابطہ

ہم یہ نہیں کہتے کہ مروجہ اسلامی بینکاری خالص غیر سودی ہے اور اس کے سارے معاملات شریعت کے مطابق ہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ روایتی بینکاری خالص سودی بینکاری ہے جبکہ اسلامی بینکاری میں زیادہ تر حلال طریقوں پر سرمایہ کاری ہوتی ہے اور کچھ غیر شرعی معاملات بھی ہیں جن سے چھٹکارے کا ہم عزم رکھتے ہیں، اس لئے جب تک اسلامی بینکاری اپنی بنیادوں اور حقیقی منزل تک نہیں پہنچ پاتی تب تک ''أھون البلیتین'' (دو مصیبتوں میں سے ہلکی اور کم درجہ کی مصیبت) کے ضابطے کے مطابق روایتی بینک کے مقابلے میں کم خرابیوں والے اسلامی بینک کے معاملات میں حصہ دار بننے کی بہرحال گنجائش ہے۔

جواب:

روایتی بینک کے مقابلے میں اسلامی بینک کی خرابیاں ''اہون'' یعنی کم درجہ کی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں، کیونکہ روایتی بینکاری کے فاسد اور سودی معاملات سے

وابستہ مسلمان گناہ اور معصیت سمجھتے ہوئے اور سودی معاملات کو حرام جانتے ہوئے جاتا ہے اور اسی فکرِ گناہ کی موجودگی میں معاملہ کرتا ہے۔

جبکہ اسلامی بینک کا گاہک بلاتفریق اس کے خلافِ شرع اور فاسد معاملات کو اسلامی معاملات سمجھتا اور کہتا ہے مزید یہ کہ وہ اسے کارِثواب اور رزقِ حلال سمجھتے ہوئے حصہ دار بنتا ہے، اپنے اس عمل میں وہ بڑھتا ہی جاتا ہے:

ومن المحتم أن قليل المحظور يدعو إلى كثيره.(۱)

شرعی اصولوں کی رو سے کسی ناجائز اور حرام کو ناجائز وحرام سمجھتے ہوئے اختیار کرنا ''اہون'' یعنی کم درجہ کا جرم ہے، جبکہ کسی حرام وناجائز کو جائز سمجھتے ہوئے کرنا ''اعظم'' یعنی بڑے درجہ کا جرم ہے، خواہ وہ گناہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر ایسے ناجائز کے ارتکاب کے ساتھ ''ثواب'' کی نیت بھی شامل ہو جائے تو عاقبت کے اعتبار سے وبالِ عظیم بن جاتا ہے۔ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

وفی الفتاویٰ الشامية: لكن فی شرح العقائد النسفية: استحلال المعصية كفر إذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي، وعلى هٰذا تفرع ما ذكر فی الفتاویٰ من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حرمته لعينه و قد ثبت بدليل قطعي يكفر، وإلا فلا، بأن تكون حرمته لغيره أو ثبت بدليل ظني وبعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه و لغيره وقال من استحل حراماً قد علم

---

(۱) كذا فی حجة الله البالغة: ۱۹۳/۲ ط: دار الكتب العلميه بيروت.

فی دین النبی علیه الصلوٰة والسلام تحریمه ، کنکاح المحارم فکافر ......(۱)

اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا سود اور دیگر فاسد معاملات روایتی سودی بینکوں کے مقابلے میں ''اہون'' (آسان سود) نہیں بلکہ اصولاً ''اعظم'' (زیادہ بڑھ کر) ہیں، لہٰذا یہ کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ فکرِ گناہ کے ساتھ روایتی بینکاری کا حصہ بننے والا مسلمان کم درجہ کا گناہ گار ہے، جبکہ گناہ کی فکر سے آزاد ہو کر نیتِ ثواب کے ساتھ مروجہ اسلامی بینکاری کے فاسد اور خلافِ شرع معاملات کا حصہ بننے والا بڑے خطرناک درجہ کا گناہ گار ہے، کیونکہ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرنا قابل معافی گناہوں میں شمار ہوتا ہے، جبکہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا مسلمان کو ''مجاهرین'' کے زمرے میں دھکیل دیتا ہے جہاں توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

کل أمتی معافی إلّا المجاهرون .متفق علیه.(۲)

ترجمہ:۔میری ساری امت قابلِ معافی ہے علاوہ ان لوگوں کے جو اپنے عیوب اور گناہوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ (۳)

اس اشکال کے جواب کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل ارشاد گرامی بھی کافی ہے:

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال من اشتریٰ ثوبا بعشرة دراهم وفیه درهم حرام لم یقبل اللّٰه له صلوة مادام علیه ثم أدخل اصبعیه فی أذنیه وقال صمّتا إن لم یکن

(۱) رد المحتار: ۲۹۲/۲ ،مطلب استحلال المعصیة القطعیه کفر ط: سعید کراچی.

(۲) کما فی المشکوٰة ص: ٤٢٦ باب حفظ اللسان والغیبة والشتم ط:قدیمی کراچی.

(۳) ترجمہ مفتی رشید احمد صاحب۔

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقولہ .رواہ أحمد والبیھقی فی شعب الإیمان.(۱)

ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص مثلا ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں بھی ایک درہم حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز نہیں قبول کرے گا جب تک آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا۔اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی (شہادت کی) دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

عن الشعبی قال، قال عمر: ترکنا تسعة أعشار الحلال مخافة الربا .

ترجمہ:۔حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نوے فیصد حلال کو ربا کے خوف سے چھوڑ رکھا ہے۔(۳)

آٹھواں اشکال: معاملات میں ”توسع“ اور اسلامی بینکاری کی ضرورت؟

مروجہ اسلامی بینکاری کے حامی حضرات فرماتے ہیں کہ بینکاری کی عصری

(۱) مشکوٰة المصابیح: ص۲۴۳.ط: قدیمی کتب خانہ کراچی.

(۲) مظاہر حق:۵۳/۳ ،ط: دارالاشاعت کراچی۔

(۳) بحوالہ جواہر الفقہ :۱۱۵/۳۔ط: مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند۔

ضرورتوں کی بناء پر معاملات میں ''توسع'' اختیار کرنا چاہئے اور اسے اسلاف کا طرز عمل قرار دیتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہم کے فتاویٰ سے چند مثالیں بھی پیش کی جاتی ہیں جن کی بناء پر یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کو معاملات میں اپنے مسلک پر عمل کرتے ہوئے دشواری اور تنگی محسوس ہو رہی ہو تو کسی سہولت والے مسلک کا رخ کرنا بھی آپ کے لئے جائز ہے۔

جواب:

اس سوال کے قابل غور اجزاء دو ہیں: ۱- **افتاء بمذهب الغير**، ۲- حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نظریہ توسع۔ ''**افتاء بمذهب الغير**'' اور معاملات میں توسع کی قدرے تفصیلی بحث پہلے گذر چکی ہے، یہاں **افتاء بمذهب الغير** کی بابت صرف اتنی یاددہانی کافی ہے کہ کسی خاص مذہب کی پیروی اور تقلید کو لازمی قرار دینے کی حکمت کیا تھی؟ اس حکمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے ورنہ دین متین بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔(۱)

رہا حضرت تھانویؒ کا یہ نظریہ و عمل کہ معاملات میں ''توسع'' ہونا چاہئے، ہمارے خیال میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طرف اس نظریہ و عمل کو اجمال کے ساتھ متعلقہ تفصیل کے بغیر منسوب کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ جس قسم کے ''توسع'' کے قائل تھے اس کے لئے انہوں نے ''**ابتلاء شديد**'' کی قید بھی لگائی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے معاملات سے ''تحرز'' یعنی بچنا احوط اور بہتر ہے۔ **كما في قوله هٰذا:**

''دفع بقرہ بر نصف نماء..... پس حنفیہ کے قواعد پر تو یہ عقد

---

(۱) **كما يقول الإمام المحدث الدهلويؒ في كتابه الشهير ''حجة الله البالغة''، وكذا في الموافقات للشاطبي: ۲۰۵/۴-۲۰۴، ط: دار إحياء التراث العربي.**

ناجائز ہے، **کما نقل فی السؤال عن العالمکیریہ**، لیکن بنا برنقل بعض اصحاب امام احمدؒ کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے اور جہاں ابتلاء شدید ہو تو توسع کیا جاسکتا ہے۔(۱)

اس وجہ سے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر دوسری تیسری صدی میں دین کو تلعّب اور تلّہی سے بچانے کے لئے کسی ایک مذہب پر کاربند رہنے کا لزوم اور وجوب مسلمانوں کی ضرورت شدیدہ تھی، تو اس دور میں بطریقہ اولیٰ ضرورت ہے، کیونکہ آج کی ہویٰ پرستی اور نفسانیت وہوسِ زرومال پہلے کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے، اس طرح تو مسلمان صرف سہولیات کو دین کہیں گے اور بس!

چنانچہ حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''مذاہبِ مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر، مذاہبِ فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔''(۲)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان جو نمایاں فرق ہے اسے ملحوظ رکھنا چاہئے ایک بھوکا ننگا فاقہ کش ہے، جسے قوت لایموت بھی میسر نہیں اور ایک وہ امیر کبیر ہے جس کا گھر طرح طرح کے اسبابِ تنعّم

(۱) امداد الفتاویٰ حضرت تھانوی: ۳/۳۴۲-۳۴۳، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی۔

(۲) مقدمہ فتاویٰ بینات: ۱/۶۰۔ط: مکتبہ بینات کراچی۔

سے پٹا پڑا ہے، مگر اس کی حرص کی جہنم کو صبر نہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ دونوں کا حکم یکساں قرار دیا جائے، پہلی صورت اضطرار کی ہے (جس میں سدّ رمق تک مردار کھانے کی بھی اجازت ہے) اور دوسری اسراف وتبذیر کی (جس کے لئے مجبوری کا بہانہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے) اور کم فہمی (اسی طرح کے) مضحکہ خیز لطیفوں بلکہ ماتم انگیزیوں کو جنم دیا کرتی ہے۔"(۱)

اسی طرح روایتی بینکاری کی کثرت اور بہتات اپنی جگہ، لیکن یہ کہنا بالخصوص پاکستان میں کہ ہر مسلمان کے معاملات بینک سے مربوط اور جڑے ہوئے ہیں اور بینک ہر انسان کی ضرورت ہے، اس کے بغیر مسلمان ضررِ شدید اور حرجِ عظیم میں مبتلاء رہیں گے، ہمارے خیال میں کوئی مسلمان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا، کیونکہ ہم جس بینک کی شرعی حیثیت معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ تمویلی اور تجارتی بینک ہے، ہمارے ملک کی ۸۰رفیصد آبادی بنک کے ذریعہ تمویل اور تجارت (Trade & Financing) سے لاتعلق ہے، "تمویلی" یا "تجارتی" بینک یا تو حکومتِ وقت کی ضرورت ہے یا پھر ۲۰/۱۵ فیصد سرمایہ دار طبقے کی ظاہری ضرورت ہے، ان دونوں کی یہ مجبوری کسی حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ بینک کے بغیر اپنے معاملات انجام نہیں دے سکتے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، اس کے حق میں بینک کی ضرورت کو عالمی شکنجوں کی گرفت کی وجہ سے ابتلاءِ عام کہا جاسکتا ہے، رہا سرمایہ دار طبقہ، تو اس کی مالی بڑھوتری کی سرمایہ دارانہ ضرورتوں کو ہم پوری قوم کی ضرورت تسلیم نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسے ضرورت اور ابتلاء عام کہہ کر ان کے لئے حیلوں پر مبنی کوئی نظام مہیا کر سکتے ہیں۔

(۱) مقدمہ فتاویٰ بینات: ۱/۶۰-۶۱۔ ط: مکتبہ بینات۔

کیونکہ مال کی بڑھوتری اور تجارت کی وسعت یہ انسان کی ضروریات میں شامل نہیں ہے، بلکہ فقہاء کرام کے بقول انسانی خواہشات کے آخری درجے ''درجۂ فضول'' میں شامل ہے۔ ''شرح الحموی علی الأشباہ'' میں ہے:

''هٰهنا خمس مراتب: ضرورةٌ وحاجةٌ ومنفعةٌ وزينةٌ وفضولٌ.

فالضرورة: بلوغهٗ حدّاً إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب. وهٰذا يبيح تناول الحرام.

والحاجة: كالجائع الذی لو لم يجد ما يأكلهٗ لم يهلك، غير أنهٗ يكون فی جهد ومشقة. وهٰذا لايبيح الحرام ويبيح الفطرفی الصوم.

والمنفعة: كالذی يشتهی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسن.

والزينة: كالمشتهی بحلویٰ والسكر.

والفضول: التوسع بأكل الحرام والشبهة. (۱)

لہٰذا ایسی ضرورت و حاجت اور ابتلاء کو نہ شرعی و اصطلاحی ضرورت کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی پاکستانی قوم کی ضروت اور ابتلاءِ شدید سے تعبیر کرسکتے ہیں، کیونکہ جس قوم کی ۷۰ فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہی ہو، وہ بینک کے ذریعہ تجارت وتمویل تو درکنار، بینک میں اپنا خاطر خواہ اکاؤنٹ بھی نہیں رکھتی۔

---

(۱) شرح الحموی علی الأشباہ: ۲۵۲/۱. ط: إدارة القرآن كراتشی.

افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہم مضطر کے احکام لیکر سرمایہ داروں اور مالداروں کے مسائل حل کرنے بیٹھ جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بقول مسائل حل نہیں ہونگے، بلکہ ماتم انگیز فتنے ہی جنم لیا کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عوام ہمارے فتوؤں کو فتنوں سے تعبیر کررہے ہیں۔ **فهداهم الله وإيّانا!**

پس اگر ہم نے مسلمانوں کی ضروریات اور خواہشات کے درمیان فرق ملحوظ رکھے بغیر ''ابتلاءِ شدید'' کا عذر تسلیم کرلیا اور ''توسع'' کے نظریہ کو بھی عام کردیا، تو امت مسلمہ کی تمام بداعمالیوں کو ''ابتلاءِ شدید'' کا نتیجہ تسلیم کرنا ہوگا اور پھر نظریۂ توسع اور ضرورت کے تحت مختلف جگہوں سے متفرق جزئیات چن چن کر اسلامی بنیادیں فراہم کرنا بھی ہمارا فرض منصبی بن جائے گا۔ اس کی مثال جیسے ہم نے عرض کیا کہ اس وقت ''سودخوری'' کے بعد دوسرا بڑا ابتلاء ''زنا'' ہے، زنا کا شرعی متبادل بتانے کے لئے بعض عرب علماء کچھ دلائل اور متفرق جزئیات پر مبنی خاکہ بھی پیش فرماچکے ہیں، آپ کے تسلیم کردہ ''ابتلاءِ شدید''، ''فکرِ ضرورت'' اور ''نظریۂ توسع'' کی رو سے اس خاکے (نکاح مسیار) میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، مگر تمام علماءِ شریعت نکاح متعہ وغیرہ کی طرح اسے بھی زنا ہی کہتے ہیں نہ کہ نکاح۔

اگر یہ سلسلہ چلتا رہا اور اسے تسلیم کیا جاتا رہا تو اس طرزِ فکر وعمل سے حالیہ اور آئندہ تمام ابتلاءات کو جائز کہنے کے لئے مزید کسی تگ و دو کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ والعياذ بالله العظيم

نواں اشکال: کیا مروجہ اسلامی بینکاری کی مخالفت کی وجہ حسد اور لاعلمی ہے؟

مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض حامی لوگوں سے یہ بھی سننے میں آیا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی مخالفت کرنے والے دنیادار اور بینکار حضرات' حسد کی بنیاد پر مخالفت کرتے ہیں اور روایتی سودی بینکوں کے ایجنٹ ہیں، اور علماء طبقہ میں سے اعتراض کرنے والے نظام سے لاعلم ہیں' اس لئے دونوں کے اعتراضات کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

جواب:

الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ بحث پہلے بھی آ چکی ہے، یہاں مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ سارے انسان برابر نہیں، اسلامی بینکوں پر اعتراض کرنے والے سارے اقتصادی ماہرین سودی بینکوں کے ایجنٹ اور کرایہ دار ترجمان نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اسلامی بینکوں کے سارے حامی اور طرفدار' سرمایہ داروں کے ملازم اور ایجنٹ' دونوں آراء فی الجملہ غلط ہیں، راہِ اعتدال پر رہنے کی ضرورت ہے۔

باقی رہے معترض علماء کرام تو وہ گھر کی بات ہے، بازار کی بات نہیں بنانا چاہئے انہیں آپ بینکاری نظام سے لاعلمی کا فی الجملہ طعنہ دینا چاہیں تو وہ بھی آپ کے بھائی ہیں کوئی بڑی بات نہیں، اگر بینکنگ کو آپ نے سمجھا ہے تو انہوں نے بھی سمجھ لیا ہے۔

لیکن آپ کے بتائے اور سمجھے ہوئے بینکاری نظام کے ساتھ آپ کی فقہی تطبیق اور آپ کے فقہی دلائل تو ان علماء کی استعداد اور دسترس سے باہر نہیں، آپ کے سمجھائے

ہوئے نظام اور فقہی تطبیق وتشریح کی حد تک ان علماء کو لاعلم نہیں کہا جا سکتا، علماء کے اس طبقے کے تمام حضرات کو بغض وعناد کا طعنہ بھی نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی ان سے اپنی اقتداء کے لئے اصرار کیا جا سکتا ہے، ورنہ زیادتی ہوگی۔ اس اشکال کے مکرر سہ کرر ہونے کی وجہ سے اس کا جواب آگے بھی آئے گا۔ اِن شاءاللہ۔

دسواں اشکال: مروجہ اسلامی بینکاری کے نظام کے بارے میں اب تک علماء کی خاموشی کی وجہ؟

پاکستان میں اسلامی بینکاری شروع ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں، مروجہ اسلامی بینکاری کو متعارف کرانے والے بڑے ذمہ داروں کی خدمت میں آج تک کسی صاحبِ علم نے کوئی زبانی یا تحریری اعتراض نہیں بھیجا، بلکہ خاموش رہے، جس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ یا تو یہ علماء متعارف کرائے گئے نظام سے متفق تھے یا لاعلم تھے، اب اچانک بعض بزرگوں کی طرف سے اعتراضات والزامات کا سلسلہ اور محاذ آرائی کا میدان کیسے اور کیوں گرم ہو گیا؟

جواب:

گذشتہ جواب کی رو سے ''کیسے اور کیوں'' کا سوال کسی منفی رخ پر نہیں ڈالا جاسکتا، ہم بینکاری پر اعتراض کرنے والے بزرگوں کی طرف سے ''عذر'' کی تفصیل یوں عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی ابتدائی مجلس سے لے کر تا حال گاہے بگاہے مختلف اہلِ علم کے اعتراضات اور تحفظات بھی با قاعدہ ریکارڈ پر ہیں، اس

لئے ذمہ داری کے ساتھ اس کا انکار از حد مشکل ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اعتراضات اور تحفظات اسلامی بینکاری کے بڑے ذمہ داروں کی خدمتِ عالیہ میں براہِ راست نہ پہنچ سکے ہوں، بڑوں کے ماوراء ہی ایسے اعتراضات اور تحفظات ناقابلِ توجہ قرار دیئے گئے ہوں، اور یہ امکان مسترد نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری بات یہ کہ ان مجوزین حضرات کی طرح ہمارے یہ بزرگ (معترضین) بھی دیرینہ خواہش رکھتے ہیں کہ ملکِ خداداد سودی آلائشوں سے پاک ہو، سود کی جڑ بینک ہے، کسی طرح بینکنگ کا نظام شرعی بنیادوں پر استوار ہوجائے، اس نیک مقصد کے لئے پہلے پہل جن بزرگوں نے اپنی خدمات، نیک جذبات کے ساتھ پیش فرمائیں، نیک توقعات کے ساتھ ان پر اعتماد کیا جاتا رہا، ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی طرح یہ (معترضین) بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے شرعی بنیادوں پر استوار ہونے کے آرزومند تھے، اور کسی حد تک خوش فہمی میں تھے، اسی نیک جذبے کے تحت اسلامی بینکاری کی ابتدائی تطبیقی دشواریوں کے پیش نظر کسی اعتراض اور تحفظ کے برملا اظہار کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ ہی مناسب ومفید جانا، اور مجوزین کے کام کو اپنا کام سمجھا۔ اور اپنے عدمِ اطمینان کے ساتھ ساتھ مستفتی حضرات کو ان پر اعتماد اور آپ سے رجوع کا مشورہ بھی دیتے رہے۔

مگر ایک عرصہ سے علماء، اقتصادی ماہرین اور عوام الناس کی طرف سے بے چینی اور اضطراب کا بکثرت اظہار ہونے لگا اور اکابرین جہاں بھی جاتے ان سے مروجہ اسلامی بینکاری کی ابتری اور غیر شرعی وغیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی شکایات آنے لگیں، اور ان بینکوں کے معاملات کی بابت جائز وناجائز کے سوالات کا سلسلہ بڑھتا محسوس ہوا، جس کی وجہ سے اہلِ علم کے ان خدشات اور تحفظات کو تقویت پہنچی، جو وہ اسلامی بینکاری کے آغاز ہی سے محسوس فرمارہے تھے، یعنی اسلامی بینکاری کو ایسی شرعی بنیادوں پر قائم ہونا چاہیئے کہ اسے اپنے

اہداف ومقاصد سے دور کرنا اور غیر شرعی بنیادوں کی طرف دھکیلنا کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔

ان خدشات کو مزید تقویت بلکہ معتبر شہادت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ان حقیقت پسندانہ جائزوں، شکووں اور مایوسیوں سے بھی ملنے لگی، جن کا اظہار وہ اپنی مجالس میں فرمانے پر مجبور ہوئے۔

اس صورتحال سے اہلِ علم یہ سوچنے اور اجتماعی غور وفکر کرنے پر مجبور ہوئے کہ جن نیک خواہشات کی تکمیل کے لئے ہم پُر اُمید تھے، ان خواہشات پر پانی پھرتا جارہا ہے اور جن خدشات کا ہمیں شروع سے ادراک واحساس تھا وہ خدشات حقیقت کی صورت میں ظاہر ہونے لگے ہیں۔

اس لئے انہوں نے ایک تو یہ محسوس کیا کہ مروجہ اسلامی بینکاری سے مزید توقعات باندھنا فضول ہے، دوسرے یہ کہ جن مصلحتوں کے تحت ابتدائی کمزوریوں کی بابت جمہور اہل علم اپنے تحفظات کا اظہار برملا نہیں کررہے تھے، اب وہ مصلحتیں اپنے تحفظات کے اظہار میں حائل نہیں ہونی چاہیں، تاکہ عوام الناس ہماری خاموشی کو مروجہ اسلامی بینکاری کی خاموش تائید نہ سمجھیں۔

واضح رہے کہ ہماری خاموشی مستقل طور پر سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی اور اب تو معاملہ ''بایں جارسید'' کہ جولوگ اس وقت مروجہ اسلامی بینکوں کی ترجمانی ترویج وتشہیر اور دفاع کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں، ان کے رویوں سے بھی صاف واضح ہونے لگا تھا کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے دوسری رائے کا وجود ہی نہیں، جس کے نتیجہ میں ان بینکوں کی طرف آنے والے عوام الناس اسلامی بینک کو بالاتفاق اسلامی بینک سمجھ کر معاملات کرنے لگتے ہیں، ایسے حالات میں اسلامی بینکوں کی مروجہ بنیادوں سے عدمِ اتفاق اور اسلام کے مطابق کارکردگی سے عدمِ اطمینان کرنے والے بزرگوں نے اپنا فرض منصبی سمجھا کہ وہ ایک تو اپنے متعلق پائی جانے والی عوام الناس کی غلط فہمی کا ازالہ کریں، اور دوسرے یہ کہ عوام الناس کو مروجہ اسلامی بینکاری کی صحیح صورتحال سے آگاہ کریں۔

چنانچہ انہوں نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے ملکی سطح پر ایک اجتماعی شورائی مجلس منعقد کی اور اس میں مندرجہ ذیل متفقہ فتویٰ جاری فرمایا۔

''گذشتہ چند سالوں سے اسلامی شرعی اصطلاحات کے حوالے سے رائج ہونے والی بینکاری کے معاملات کا قرآن وسنت کی روشنی میں ایک عرصے سے جائزہ لیا جارہا تھا اور ان بینکوں کے کاغذات، فارم اور اصولوں پر غور وخوض کے ساتھ ساتھ اکابر فقہاء کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا جاتا رہا تھا۔ بالآخر اس سلسلے میں حتمی فیصلے کے لئے ملک کے چاروں صوبوں کے اہل فتویٰ علمائے کرام کا ایک اجلاس مورخہ ۲۸/اگست ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۵/شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کے زیر صدارت جامعہ فاروقیہ کراچی میں منعقد ہوا۔

اجلاس میں شریک مفتیانِ عظام نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ اسلام کی طرف منسوب مروجہ بینکاری قطعی، غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے۔ لہٰذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی سمجھ کر جو معاملات کئے جاتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہیں اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہیں۔

اس اجلاس کے شرکاء نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ جدیدیت کی رو میں بہہ کر تصویر کی حرمت کا حکم نہیں بدلا جاسکتا ہے جاندار کی تصویر کی جتنی اور جو شکلیں اب تک متعارف ہوئی ہیں عرف وعادت لغت اور شرعی نصوص کی رو سے وہ سب تصویر کے حکم میں ہیں۔ آلاتِ صنعت وحرفت کے بدلنے سے تصویر کے شرعی احکام نہیں بدلتے، اس لئے جو حکم شریعت میں تصویر کا منقول ہے تصویر کی تمام شکلیں اس حکم کے تحت داخل ہیں۔ اس لئے تصویر کی اباحت اور جواز کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کسی قسم کے ٹی وی چینل کا اجراء یا علماء کرام کا ٹی وی پر آنا اور اسے تبلیغ دین کی ضرورت کہنا اور سمجھنا شریعت کی خلاف ورزی ہے اور جدیدیت واباحیت کی ناجائز پیروی ہے۔

مسلمانوں پر واجب اور لازم ہے کہ دیگر حرام اور خلاف شرع امور کی طرح ان سے بھی بچنے کا بھرپور اہتمام فرمائیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب
جامعہ فاروقیہ کراچی

مفتی حمید اللہ جان صاحب
جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب
مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی

مفتی محمد انعام الحق صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی محمد عبد المجید دین پوری صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی غلام قادر صاحب
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مفتی محمد مدنی صاحب
معہد الخلیل الاسلامی بہادر آباد کراچی

مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب
جامعہ فاروقیہ کراچی

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی شعیب عالم صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی عبد القیوم دین پوری صاحب
دار الافتاء مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی

مفتی احمد خان صاحب
جامعہ عمر کوٹ سندھ

مفتی قاضی سلیم اللہ صاحب
دار الہدیٰ ٹیری خیر پور سندھ

مفتی احتشام الحق آسیا آبادی صاحب
جامعہ رشیدیہ آسیا آباد تربت مکران بلوچستان

مفتی امداد اللہ صاحب
جامعہ ڈھورو نارو سندھ

مفتی روزی خان صاحب
دار الافتاء ربانیہ کوئٹہ بلوچستان

مفتی عاصم عبد اللہ صاحب
جامعہ حمادیہ کراچی

مفتی سمیع اللہ صاحب
جامعہ فاروقیہ کراچی

مولانا کلیم اللہ صاحب
جامعہ ڈھورو نارو سندھ

مفتی امان اللہ صاحب
جامعہ خلفاء راشدین کراچی

مفتی عبد الغفار صاحب
جامعہ اشرفیہ سکھر سندھ

مفتی حامد حسن صاحب
دار العلوم کبیر والا پنجاب

مفتی عبد اللہ صاحب
جامعہ خیر المدارس ملتان

مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب
جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

مفتی احمد خان صاحب
جامعہ فاروقیہ کراچی

مفتی نذیر احمد شاہ صاحب
جامعہ فاروق اعظم فیصل آباد

مفتی سعید اللہ صاحب
جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام کوئٹہ

مفتی احمد ممتاز صاحب
جامعہ خلفاء راشدین کراچی

مفتی گل حسن بولانی صاحب
جامعہ رحیمیہ سرکی روڈ کوئٹہ

مفتی زرولی خان صاحب
جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال

مفتی سعد الدین صاحب
جامعہ حلیمیہ درہ پیزو سرحد

مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحب
جامعہ معین الاسلام ہاٹہزاری بنگلہ دیش

نوٹ:۔ اس متفقہ فتویٰ کی تائید مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحب، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب، مفتی عیسیٰ صاحب، ڈاکٹر عبد الواحد صاحب اور مولانا عبد الغنی صاحب مدظلہم نے بھی فرمائی۔ اور دستخط کئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ اشکالات وجوابات

اشکال:۔ کیا متفقہ فتویٰ، یکطرفہ فیصلہ ہے؟

مروجہ اسلامی بینکاری کے خلافِ شرع ہونے پر علماء کرام کا متفقہ فتویٰ آنے کے بعد اسلامی بینکاری کے حامی بعض حضرات کی طرف سے پرزور انداز میں یہ کہا جانے لگا ہے کہ یہ یکطرفہ فیصلہ ہے، یہ صرف چند علماء کا فیصلہ ہے، اس اجلاس کے شرکاء کو ملک کا نمائندہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جواب:

اس اشکال میں نمائندگی کی عدمِ اہلیت کا طعنہ چھپا ہوا ہے، بینکوں کے حامی حضرات کی طرف سے اس قسم کے اشکالات سے ان خیالات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ حضرات اپنے علاوہ کسی اور کو ملک کے معاشی مسائل پر گفتگو کا اہل یا عوام الناس کی نمائندگی اور علماء کی ترجمانی کے قابل نہیں سمجھتے، ورنہ اس اجتماع میں ملک کے چاروں صوبوں کے وہ اہلِ فتویٰ جمع ہوئے تھے، جو ان کے **علی الرغم** عوام الناس کے ہاں درجۂ اعتماد واستناد پر فائز ہیں، کیا اس مجلس کے شرکاء اہلِ فتویٰ جدید اسلامی بینکاری کے حامی بعض ڈاکٹروں کے ہم پلہ نہیں ہیں؟ کیا ان اہلِ فتویٰ کے اتفاق کو اتفاق نہیں کہا جاسکتا؟ اگر یہ حضرات آپ کی تائید

کرتے تو کیا تب بھی آپ کے نزدیک ان کا وہی مقام ہوتا جو ابھی آپ انہیں دے رہے ہیں؟ یا ان کو اور بڑھا چڑھا کر بیان کرتے؟ بلکہ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ملک کے کوئی گمنام حضرات بھی آپ کے موقف سے اتفاق کا اظہار کرنے لگ جائیں تو انہیں بڑھا چڑھا کر پیش فرمائیں گے گو کہ وہ عالمِ دین آپ کے مذکورہ معیار پر پورا اترتا ہو یا نہ اترتا ہو؟ اس لئے ملک کے ان مشہور و معروف اہل فتویٰ کے موقف کو حیلوں اور تاویلوں سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ رہا یہ کہنا کہ یہ یکطرفہ فیصلہ ہے، اس کا کیا مطلب ہے کہ آپ چند حضرات اپنا وزن ملک کے دوسرے تمام حضرات سے زیادہ سمجھتے ہیں؟ کیا ایک پلڑے میں بقیہ حضرات اور ایک میں صرف آپ ہوں، تو توازن قائم ہوگا؟ بلکہ آپ کے یکطرفہ کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنا وزن بہت بھاری سمجھ رہے ہیں اور دوسروں کو بے وزن سمجھ رہے ہیں۔ ماضی میں اپنے آپ کو ''طرفِ کامل'' سمجھنے سے کئی لغزشوں نے جنم لیا ہے، اس لئے اس ''فکر'' پر فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اشکال:۔ مجوزین کو اعتماد میں نہیں لیا گیا!

بعض اہل علم دکھ اور اپنائیت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شکوہ فرماتے ہیں کہ اس فیصلے کے حوالے سے انہیں اعتماد میں نہیں لیا گیا، ان سے بات کرنا گوارا نہیں کیا گیا۔ اور یہ تو انہیں تنہا کرنے کی کوشش ہے۔ یہ تو علمی مسئلہ ہے، اسے بحث و مباحثہ کے ذریعے حل ہونا چاہئے۔

جواب:

اس اشکال کا جواب کسی مصلحت کے تحت تفصیل کے ساتھ تحریر میں نہیں لا یا جاسکتا۔ کیونکہ اس کے عوامل کچھ ایسے ہیں جو شرعی مسئلے سے زیادہ شکوؤں اور شکایات پر مبنی ہیں، علماء کا طبقہ ایک کنبہ ہونے کی وجہ سے یہ گھریلو مسائل ہیں، شرعی مسائل نہیں ہیں۔ ہماری کوشش اور ہمارا مدعا یہ ہے کہ ہم مروجہ اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت کو دینی مسئلہ کی حیثیت سے بیان کریں، ذکر کردہ نوعیت کے شکوؤں کے جوابات سے ذاتی رنگ اُبھرے گا جو کہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ ہاں! ان شکوؤں کا مدلل با حوالہ جواب بالمشافہ یا خصوصی خط وکتابت کے ذریعہ دیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کے لئے یہ شرط بھی لگائی جاسکتی ہے کہ ہمارے محترم بزرگ اور دوست احباب ہمیں اس بات کی اجازت بھی دیں اور ناگوار گزرنے کی صورت میں ہماری پیشگی معذرت بھی قبول فرمائیں۔

البتہ آپ کا یہ ارشاد کہ یہ علمی مسائل ہیں، بحث ومباحثہ کے ذریعہ حل ہونے چاہئیں، بالکل درست اور بجاہے، ہم بھی اس کے لئے تیار ہیں۔مگر اس کے لئے چند مختصر شرطیں ہیں۔پہلی شرط یہ ہے کہ: جن علماء کرام کو بحث ومباحثہ کے لئے بلایا جائے ان کے علم،تقویٰ اور دیانت پر اعتماد کیا جائے اور اظہار واعتراف بھی کیا جائے۔دوسری شرط یہ ہے کہ: بحث ومباحثہ سے قبل اس کے اصول وآداب اور طریق کار طے ہوجائیں،جن کی پاسداری سب پر لازم ہو۔تیسری شرط یہ: کہ مجلس کی اکثریتی رائے کا احترام کرتے ہوئے اسے تسلیم کیا جائے۔ چوتھی شرط یہ کہ: مجلس کا اعلامیہ مجلس ختم ہونے سے قبل تیار ہو،اس پر سب کے دستخط اسی وقت لئے جائیں۔ پانچویں شرط یہ کہ: تفردات وشذوذ کا دروازہ ایسا بند رکھا جائے کہ کسی کی تنہا پرواز عوام الناس میں کسی قسم کی تشویش اور فتنہ کا باعث نہ بنے۔اور جو

اس بند دروازہ کو توڑے، فتنے اور تشویش کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا جائے، اور وہ علماء اور عوام دونوں کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ چھٹی شرط یہ کہ: آج تک جس کا فتویٰ تفرد اور شذوذ پر مبنی ثابت ہوا ہے، اس سے علی الاعلان رجوع کیا جائے۔ ساتویں شرط یہ کہ: اسلامی بینکاری کی اصلاح کے لئے حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کی تحریر میں جو نکات پیش کئے گئے ہیں، ان کی روشنی میں اسلامی بینکاری کی اصلاح کے لئے ذمہ داری و دیانتداری کے ساتھ کوششیں کی جائیں۔

اشکال:۔ میزان بینک کی وضاحت اور اس کا جواب

مروجہ اسلامی بینکاری کے غیر اسلامی ہونے کا فتویٰ شائع ہونے کے بعد جدید اسلامی بینکوں میں کافی حد تک کھلبلی مچی اور ان بینکوں کے لئے اپنے صارفین کو مطمئن کرنا مشکل ہونے لگا تو بینکوں کے شرعی مشیروں کی مدد سے ذمہ داروں نے اپنے صارفین کی تسلی کے لئے کچھ باتیں تحریر کیں، ہمارے سامنے میزان بینک والوں کی تحریر ہے، جس میں ''میزان بینک'' کو مکمل طور پر اسلامی طریقوں کی پاسدار قرار دیتے ہوئے جو وضاحت فرمائی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱......عدجواز کا فتویٰ بلا دلیل ہے ۲...... یہ چند علماء کا بیان ہے۔

۳......عدم جواز کے فتویٰ کو مختلف بینکوں سے گفتگو اور معلومات کرنے کے بعد شائع کرنے کا تأثر غلط ہے، ان کے بقول ''میزان'' کے ترازو میں کوئی نہیں تُلا۔

۴......اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اسی لئے علماء نے سودی نظام کے متبادل بلکہ نعم البدل کے طور پر اسلامی بینکنگ کا نظام متعارف کروایا ہے۔

۵......میزان بینک اسلامی اصولوں کی مکمل پاسداری کرتا ہے۔

۶......شریعہ بورڈ کے چیئر مین حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، ابو غدہ صاحب، شیخ عصام، ایم اسحاق، اسے جائز کہتے ہیں۔ مستقل نگرانی کی خدمات عمران اشرف انجام دے رہے ہیں۔

۷......فقہ اکیڈمی جدہ اور شریعہ بورڈ نے جائز کہا ہے جس میں تمام دنیا کے علماء شامل ہیں۔

۸......میزان بینک میں استعمال ہونے والے پروڈکٹس مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ اور اجارہ وغیرہ انوکھے اور نئے نہیں، واضح طور پر کتابوں میں موجود ہیں۔

۹...... پاکستان سمیت پوری دنیا کے ستر ممالک میں اسلامی بینک کام کر رہے ہیں، اور وہاں یہ استعمال ہو رہے ہیں۔

۱۰......اسلامک بینکنگ کی حالیہ کوششوں کا باقی رہنا ضروری ہے ورنہ اسلامی بینکوں کے کرنٹ ڈپازٹ سودی بینکوں میں منتقل ہو جائیں گے، جو ہمارے مقصد کی ہار ہوگی اور اب تک کی گئی کوششیں رائیگاں ہو جائیں گی۔ (از صدر میزان بینک، شریعہ ایڈوائزر)

جواب:

یہ اکثر سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات تقریباً مقالے میں آچکے ہیں، تاہم اختصار کے ساتھ مختصر مختصر تبصرہ پیش خدمت ہے:

۱......عدمِ جواز کے فتویٰ کو بلا دلیل کہنے اور جواز کے فتویٰ کو تحقیق پر مبنی قرار دینے سے قبل ایک مسلمان کی حیثیت سے تحقیق، تحریف اور تاویلِ باطل کے درمیان فرق جاننا ضروری ہے، اس کا کچھ اندازہ امید ہے تفصیلی مقالہ پڑھنے والے کو ہو جائے گا۔ دوسری بات

یہ کہ متفقہ فتویٰ کے بلا دلیل شائع ہونے پر اہلِ علم اور اصحابِ فتویٰ کو اشکال نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہمارے اسلاف سے فتویٰ کے اصولوں میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ عوام کے لئے جو فتویٰ دیا جائے وہ دلائل کے الجھاؤ کے بغیر ہونا چاہئے، اسی اصول پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے لے کر آج تک کے ہمارے اکابر اہلِ فتویٰ کا عمل چلا آرہا ہے۔ اکابر کے اسی اصول کی رعایت کرتے ہوئے متفقہ فتویٰ بلا دلیل شائع کیا گیا تھا۔ دلائل کا تعلق چونکہ اہلِ علم کے ساتھ ہے اس واسطے اہلِ علم کے لئے دلائل پر مبنی تفصیلی مؤقف الگ سے شائع کیا جارہا ہے۔

۲......عدمِ جواز کے فتویٰ پر ابتدائی طور پر تقریباً تیس سے زائد علماء نے دستخط کئے ہیں، اس کے مقابلہ میں آپ نے جواز پر صرف تین علماء کے نام بطور دلیل پیش فرمائے ہیں، آپ ہی انصاف فرمائیں کہ 3 اور 30 کے درمیاں کیا نسبت ہے؟

۳...... یہ کہنا کہ میزان بینک کے پاس کبھی کوئی نہیں آیا آنجناب نے اس ضمن میں جو کچھ فرمایا ہے وہ جاری شدہ فتویٰ کی عبارت ہرگز نہیں ہے، اگر ہو بھی تو آپ اس حقیقت کو عوام سے نہیں چھپا سکتے کہ معلومات اور گفتگو کے لئے آنے والے بعض مفتیانِ کرام کو تین تین گھنٹے انتظار کروا کر محض بروشر تھما دینے پر اکتفاء کیا جاتا رہا ہے، بعض کو صرف یہ کہہ کر واپس کیا جاتا رہا ہے کہ ہمارے پاس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا فتویٰ ہے، آپ ان پر اعتماد کریں، بعض کو یہ جواب بھی ملتا رہا کہ بینک کے ایگریمنٹس اور دیگر معلومات ہمارے پاس امانت ہیں، ہمیں سختی سے منع کیا گیا ہے کہ کسی طلبگار کو فراہم نہ کی جائیں۔ جہاں آپ ملاقات نہ کرنے کا شکوہ کررہے ہیں وہاں اس حسنِ استقبال کا تذکرہ بھی تو فرمائیں، کیونکہ آپ تو مکمل طور پر اسلامی طریقوں کی پاسداری کے علمبردار ہیں۔

۴......آپ کا یہ ارشاد کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے........اگر آپ کا حقیقت میں یہی عقیدہ ہے تو پھر اسلامی بینکاری کی فراہم کردہ اصلی بنیادوں کی بجائے سودی حیلے

کیوں اختیار کیے گئے؟ اور پھر ان پر جم کر کیوں بیٹھ چکے ہیں؟ یہ حیلے تو ابتدائی طبی امداد (First Aid) ہیں، یہ تو ضدی مریض کا وطیرہ ہے کہ وہ فرسٹ ایڈ کے بعد والی اصل دوا سے جی چرائے۔

۵......میزان بینک کی طرف سے اسلامی اصولوں کی مکمل پاسداری کا دعویٰ محض دھوکہ اور فریب ہے، مولانا مدظلہم کی تحریرات اور بیانات کے مطابق یہ ''اھون سود'' ہے، سود کے عنصر سے خالی نہیں، مادی طور پر وہ ہی ہورہا ہے جو روایتی بینکوں میں ہورہا ہے، اسلامی بینکاری خطرناک طریقوں پر چل پڑی ہے۔ مولانا کے بقول اسلامی بینکاران کی ہدایات اور مشوروں پر عمل نہیں کررہے۔

سوال یہ ہے کہ جن راستوں کو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم خطرناک راستے قرار دے رہے ہوں اور وہ مطمئن نہ ہوں، آپ ان طریقوں پر چلنے کو اسلامی اصولوں کی پاسداری کیسے فرمارہے ہیں؟ ہم میزان بینک کے صدر صاحب وغیرہ کے بجائے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو زیادہ وزنی حجت سمجھتے ہوئے مروجہ اسلامی بینکوں کو روایتی بینکوں کے ڈھب پر رواں قرار دیتے ہیں ، اور صدر صاحب وغیرہ کے کردار اور دعووں کو ان کے پیش رو محمد احمد صاحب کے کردار اور دعووں کی پیروی سمجھتے ہیں۔

۶......حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور ان کے ساتھ دوسرے دو علماء کرام کا ذاتی احترام، جلالتِ قدر اور رفعتِ شان اپنی جگہ مگر وہ حجت شرعی ہرگز نہیں، ان کی راہ اور رائے سے اختلاف کرنے کی شرعاً بہت زیادہ گنجائش ہے۔ بلکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ جس میدان میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ سے اختلاف وانحراف کا سلسلہ قائم ہو وہاں ان بزرگوں کو بطورِ دلیل پیش کرنے سے متعلقہ حضرات کو خود ہی اعراض فرمانا چاہیے۔

٧......فقہ اکیڈمی جدہ کا مقام، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس فقہی کا ہرگز نہیں، ملک کے حنفی علماء اور عوام کو اس مجلس کی حجیت پر قائل کرنے کا اصرار بالکل بے محل ہے، دوسرے یہ ہے اس اکیڈمی کے معدود شرکاء کو پوری دنیا کا نمائندہ کہنا بھی دیانت کے خلاف ہے، کیونکہ اس اکیڈمی میں علمی اعتبار سے سب سے نمایاں مقام ومرتبہ بلا شبہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو حاصل ہے، اور حضرت کو اپنے ملک کے علماء کے درمیان عزت واحترام اور قد آور شناخت کا جو اعلیٰ مقام حاصل ہے وہ اس مجلس کے کسی اور شریک کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ اس مجلس کے اس فردِ اعلیٰ کے تمام اوصاف و کمالات کے باوجود اپنے ملک کے تمام علماء کی ترجمانی اور نمائندگی کی نسبت ان کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رائے پورے ملک کی رائے ہے۔ کیونکہ بینکنگ کے حوالے سے آپ کے ادارے اور آپ کے چند تلامذہ کے علاوہ تقریباً کوئی مشہور و معروف عالمِ دین آپ سے متفق نہیں ہے۔ اگر جدہ اکیڈمی کے اس فردِ اعلیٰ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے تو دیگر شرکاء کے اپنے ملک اور حلقے میں مقام ومرتبے کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ الغرض جدہ اکیڈمی کے چند معزز مہمانوں کو پوری دنیا کا نمائندہ کہنا دیانت اور انصاف کے خلاف ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ''میزان'' کا میزان اتنا جھکتا ہوا تو نہ تولے، کیونکہ وہ اسلامی اصولوں کی مکمل پاسداری کا علم بردار ہے، اسلامی چھتری کے نیچے اسلامی انصاف کی یہ تصویر ہرگز اسلام کی ترجمانی نہیں کرسکتی۔

٨......میزان کے پروڈکٹس مشارکہ، مضاربہ وغیرہ ہرگز نئے اور انوکھے نہیں ہیں۔ ہمارا موقف بھی بالکل یہی ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ مشارکہ اور مضاربہ کی جو شکلیں اسلامی قوانین کی کتابوں میں لکھی ہیں ان کے مطابق کام کریں، اور ان شکلوں میں قطع و برید نہ کریں، اور مرابحہ واجارہ کو ان کی اپنی حیثیت میں استعمال کریں، مستقل تمویلی طریقہ نہ

بنائیں، کیونکہ مرابحہ واجارہ کو تمویلی طریقے کے طور پر اختیار کرنے سے اسلامی اور سودی بینکوں کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ اور نتیجہ مادی طور پر سودی نکلتا ہے، مگر آپ اس پر رضامند نہیں ہیں، آپ کو مرابحہ واجارہ سودی حیلہ ہونے کے باوجود مشارکہ ومضاربہ سے زیادہ عزیز ہے اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ اصطلاحیں انوکھی نہیں، آپ کا طریقۂ استعمال اور آپ کے بعض پشتیبانوں کا طریقۂ تشریح بہرحال انوکھا ہے۔ اور یہ دین اسلام کا اعجاز ہے کہ جب بھی اس میں تمدنِ جدید سے ہم آہنگی کے لئے انوکھے طریقے اور انوکھی تشریحات کا سلسلہ شروع ہوا تو درویشان اسلام نے اس کی بھرپور مزاحمت کی۔

۹...... دنیا کے جن ستر ممالک میں اسلامی بینک کام کررہے ہیں ان کی تفصیل آپ لوگوں کو مزید کھل کر بتائیں! یا ہمیں اجازت دیں کہ ہم لوگوں کو دعوت فکر دیں کہ انڈونیشیا مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے، وہاں اسلامی بینکوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور سنگاپور جیسا مختصر ترین خطہ جو عیسائی ملک ہے وہاں کتنے اسلامی بینک ہیں؟ اور یہ کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے مراکز، سعودیہ اور پاکستان کی بجائے سوئزرلینڈ اور لندن میں کیوں ہیں؟ حالانکہ ان کو مسلم ممالک کے تجارتی شہروں میں ہونا چاہئے تھا؟ کیا غیر مسلم ہمارے کسی پروڈکٹ کو اپنے ہاں رواج دینا شروع کردیں تو ہم غیر مسلموں کو اسلام کا مخلص سمجھ کر اپنے لئے دلیل بنا سکتے ہیں؟

۱۰...... ''کرنٹ ڈپازٹ'' ہی اصل مسئلہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ واحد ذریعہ ہے جس کا پورا منافع بینک کو حاصل ہوتا ہے، اگر آپ اسلام کے ساتھ مخلص ہیں تو آپ کو یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ اسلامی احکام کو مغربی سرمایہ داری نظام کے سانچوں میں فٹ کرنے کی ناکام کوششیں مزید نہیں ہونی چاہئیں۔ اور اپنے ایمان واسلام کی بقاء کے لئے اسلام کے نام پر غیر اسلامی کوششوں سے الگ ہونا چاہئے۔ اور اس میں عار بھی محسوس نہیں ہونی چاہئے،

کیونکہ اس سے پہلے کی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جس کی تفصیل اس مقالے کے شروع میں ''اسلامی بینکاری کا آئینہ ادوار'' کے زیرِ عنوان آچکی ہے۔ ''فیصل بینک'' کے اسلامی اور پھر غیر اسلامی ہونے کی داستان آپ سے ہرگز مخفی نہیں ہوگی، اس نوعیت کی کوششوں کی کچھ تفصیل حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے احسن الفتاویٰ ج:۷ میں ''آئینہ ادوار'' کے زیرِ عنوان ذکر فرمائی ہے۔ حضرت کا ارشاد ہے:

''علماء انفراداً واجتماعاً تمام سودی اداروں کو متبادل سود سے پاک جائز طریقے مسلسل بتاتے چلے آرہے ہیں، ان اداروں کے ذمہ دار خوب تشہیر بھی کرتے رہتے ہیں:

''ہم نے سودی نظام کو علماء کرام کی تجاویز کے مطابق خالص شرعی نظام میں تبدیل کردیا ہے''۔

مگر بعد میں یہ معلوم کرکے سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بدستور سودی نظام ہی چلا رہے ہیں اور علماء کرام کی تجاویز کو قبول کرنے کی تشہیر صرف عوام کو فریب دینے کے لئے کررہے ہیں''

واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے یہ تبصرہ پاکستان میں مروجہ اسلامی بینکاری کی کوششوں کے آغاز پر فرمایا تھا، ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مروجہ اسلامی بینک بشمول آپ کے جھکتے ہوئے ''میزان'' کے اس اسٹیج پر کافی پہلے سے پہنچ چکے ہیں، اگر آپ دیانتداری کے ساتھ ان سودی کوششوں سے الگ ہونا چاہیں تو صرف آپ کے مقصد کی روایتی ہار ہوگی، ایمان وعمل کی ہار ان شاء اللہ ہرگز نہیں ہوگی۔

اشکال:۔ بینک اسلامی کی طرف سے وضاحت اوراس کا جواب:

بینک اسلامی کے شرعی مشیر نے بھی اپنے صارفین کے اطمینان کے لئے کچھ ارشادفرمائے ہیں ان میں سے کچھ کا جواب تو میزان بینک کے وضاحتی بیان کے جواب میں آچکا ہے، چندایک اشکالات یہ ہیں:

۱......اسلامی بینک کے تمام معاملات کے شرعی ہونے کی دلیل اس کا اپنا شریعہ بورڈ ہے جس میں مولانا تقی صاحب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور بقول شرعی مشیر صاحب کے''شریعہ بورڈ کا تیسرارکن میں خود ہوں اور میں نے جامعہ بنوری ٹاون سے سندِ عالم دین اوردارالعلوم کراچی سے سندفتویٰ نویسی حاصل کی ہے۔''

۲......اسلامی بینک کے معاملات کو''مجمع الفقہ الاسلامی'' کےممبر علماء بالخصوص قطراورمصر کے مفتی اعظم حضرات نے موافق شرع قراردیاہے۔ یہ پاکستان میں نیا تجربہ نہیں ہے۔

۳......عدم جواز کے فتویٰ میں ملک کے تمام علماء کا فتویٰ قراردیا گیا ہے یہ خلافِ حقیقت ہے۔

۴......اسلامی بینکوں کے معاملات کو ناجائز کہنے والے علماء دنیا کے رائج الوقت نظامِ معیشت اورموجودہ اسلامی بینکاری کے نظام سے ناواقف ہیں،ان کے اعتراضات بالکل ابتدائی نوعیت کے ہوتے ہیں،جن کا جواب بہت ساری تحریروں میں دیا بھی جاچکاہے۔

جواب:

بینک اسلامی کے معاملات کے شرعی ہونے پر پہلی دوشخصی دلیلوں سے بحث کی

ضرورت یہاں نہیں ہے ،صرف تیسری بھاری دلیل ''تیسرا رکن میں خود ہوں'' پر تبصرہ ملاحظہ ہو:

الف:۔ ہم موصوف کو شرعی دلیل نہیں مانتے، کیونکہ وہ بینک (شخص قانونی) کے ملازم ہیں، ان کا اپنے مالک کے ساتھ مفاداتی تعلق ہے، اس لئے مالک کے حق میں ملازم کی رائے اور حمایت موضع تہمت ہونے کی بناء پر شرعاً معتبر نہیں۔

ب:۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے آج تک بے شمار لوگ مستفید ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں۔ موصوف نے بھی یہاں پڑھا ہوگا، لیکن انہیں معلوم ہے اور عوام کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ موصوف کے بینکاری نظریئے کا جامعہ بنوری ٹاؤن سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اس نظریہ میں بنوری ٹاؤن کے نظریہ اور مؤقف کی رعایت کئے بغیر بنوری ٹاؤن کا نام استعمال فرمارہے ہیں۔

اگر موصوف دارالعلوم کراچی کی طرف نسبت کرتے ہیں تو ہم مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ ۱۹۸۱ء کی بلاسود بینکاری کے حوالے سے مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا فقہی مقالہ ضرور پڑھیں ،اگر اس مقالے کے دیانتدارانہ اور حق جویانہ مطالعہ کے بعد انہیں اپنے اسلامی بینک کا جواز معلوم ہوتا ہے تو وہ دارالعلوم کراچی کی طرف نسبت کرسکتے ہیں۔

لیکن جامعہ بنوری ٹاؤن کی طرف نسبت کرنے کا حق صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ موصوف اس نسبت کے بیان کے ساتھ ساتھ مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات کے متعلق عوام الناس، اپنے سرپرستوں اور صارفین کے سامنے بنوری ٹاون کا نظریہ اور فتویٰ بھی بیان کریں، ورنہ شرعی خرابیاں لازم آئیں گی۔

۲......مجمع الفقہ الاسلامی کو تمام ممالک کے علماء کی نمائندہ تنظیم کہنے کی حقیقت اوپر بیان ہوچکی ہے۔ یہاں پر بطور خاص یہ دلیل دی گئی ہے کہ اس اکیڈیمی میں مصر اور قطر کے

مفتی اعظم حضرات بھی شامل ہیں جو ''اسلامی بینک'' کو جائز کہتے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ اس اکیڈمی کے تمام شرکاء کی مجموعی حیثیت آئمہ مجتہدین کی فقہی مجالس اور یہ حضرات ان آئمہ کے اصحاب وتلامذہ کے برابر تو ہرگز نہیں ہوسکتے، اگر کسی معاملہ میں ان آئمہ مجتہدین کے اجتہادات کی روشنی میں رہنمائی مل سکتی ہے تو مجمع الفقہ الاسلامی کے اجتہادات کی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رہتی اور نہ ہی ان کا ماننا ضروری ہوتا ہے۔

ہمارے خیال میں حقیقی اسلامی تمویلی طریقے ''شرکت ومضاربت'' کے واضح احکام فقہی ذخیرہ میں موجود ہیں، اس لئے ''مجمع'' کے تراشیدہ سودی حیلوں کو ماننا آئمہ مجتہدین کے پیروں کاروں کی ضرورت ہے نہ ہی اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اگر آپ مصر اور قطر کے مفتی اعظم حضرات کو مقیاسِ حجت سمجھتے ہیں تو پھر آپ کو ان کے دیگر ایسے فتاویٰ پر بھی عمل کرنا ہوگا جن کو تا حال آپ بھی جائز نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً مصری علماء نے یہ فتویٰ بھی دیدیا ہے کہ بینکوں کا سود، سود ہی نہیں ہے۔ روایتی بینکوں کے معاملات مشارکہ ومضاربہ کے زمرے میں آتے ہیں، آپ چاہیں تو ان کے اس فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے کھلے عام بینکاری کریں۔ لفظ ''اسلامی'' کے تکلف کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ کیونکہ ان کے بقول بینکاری نظام ہی جائز ہے، اور یہ کوشش پاکستان میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب بھی کر چکے ہیں ان کے تراشیدہ دلائل بھی ''ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد'' سے عوام کو دکھانے کے لئے آپ کو مل جائیں گے آپ کو جامعہ ابن مسعود کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا نام بطور حجت پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ اسی طرح قطر اور امارات والوں نے ''بیع عینہ'' کو نام بدل کر ''تورّق'' کے نام سے حلال قرار دیا ہے۔ اب آپ کو عوام کے سامنے مرابحہ اور اجارہ کے حیلوں کے جواز پر دلائل کی ضرورت بھی نہیں ہونی چاہئے، قطر اور مصر والوں کی اقتداء امام اعظم اور ان کے تلامذہ کی پیروکاری سے مستغنی کرسکتی ہے۔

گرامی قدر! حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ نے عصری یونیورسٹیوں کے پروفیسرز حضرات کو مقامِ حجیت پر فائز مان لیا تو پھر آپ کو اپنے ہم وطن پروفیسرز، ڈاکٹرز اور کیپٹنز اور علاّموں کے اختراعات بھی ماننے ہوں گے، کیونکہ جب آپ نے عصری جامعات کے تعلیم یافتہ حضرات کو اسلامی احکام کی جراحی کا اہل قرار دیا تو یہ طرزِ عمل پاکستان میں بھی جائز قرار دینا ہوگا، اور پھر مستشرقین کی علمی کاوشیں بھی کل کو آپ کے مطابق حجت ٹھہریں گے۔

رہا آپ کا یہ ارشاد کہ ''بینک اسلامی'' کا پاکستان میں تجربہ نیا نہیں ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں بلکہ مزید وضاحت کیساتھ کہتے ہیں کہ یہ تجربہ پہلے بھی ہوا ہے محمد احمد نامی بینکار نے کیا تھا مگر ان کی شوئی قسمت تھی کہ انہیں شریعہ بورڈ کے لئے علماء طبقہ میں سے کچھ لوگ میسر نہیں آسکے تھے، ورنہ اسلام کے نام پر بینکاری، روایتی بینکاری کو پیچھے چھوڑ جاتی۔

۳......عدمِ جواز کے فتویٰ کو ملک کے جمہور علماء کا فتویٰ قرار دینا خلاف حقیقت نہیں بلکہ آپ کا بیان حقیقتِ حال کے برخلاف ہے، آپ ہی انصاف کے ساتھ بتائیں کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے ساتھ مفاداتی تعلق رکھنے والے حضرات کو چھوڑ کر ملک کے کتنے مشہور ومعروف ادارے اور شخصیات ہیں جو جواز کے قائل ہوں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور ان کے چند تلامذہ کے علاوہ پاکستان کے علماء مروجہ اسلامی بینکاری کو خلاف شرع قرار دیتے ہیں تو یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا۔ پھر آپ کے بھی وہی تلامذہ جن کا ان بینکوں کیساتھ مفادات یا ملازمت کا تعلق ہے اور بس!

یہاں پھر وہی سوال ہوگا کہ نام نہاد اسلامی بینکاری کو خلافِ شرع قرار دینے والے علماء اور ادارے اگر آپ کی رائے سے متفق ہوتے تو کیا آپ ان کو یہ حق دیتے یا نہیں؟

۴......بینک اسلامی کے مشیر صاحب فرماتے ہیں کہ نام نہاد اسلامی بینکوں کو

ناجائز کہنے والے حضرات دنیا کے رائج الوقت نظام معیشت اور موجودہ اسلامی بینکاری کے نظام سے ناواقف ہیں، اس لئے ناجائز کہہ رہے ہیں۔ اس اشکال کا جواب پہلے بھی آچکا ہے یہاں پر اختصار کے ساتھ مزید واضح الفاظ میں عرض کرتے ہیں کہ بخدا! اگر دنیا میں رائج الوقت سرمایہ داری نظام معیشت اور اس کی حقیقت، اور اس کے مغربی فکر وفلسفہ کا آپ نے قدرے مطالعہ فرمایا ہوتا تو یقیناً آپ اتنے جزم کے ساتھ عوام کو قائل نہ کرسکتے کہ ''اسلامی بینکاری'' کے امکانات روشن ہیں کیونکہ اس وقت دنیا کا معاشی نظام خالص مغربی سرمایہ داری فکر وفلسفہ کی اکائیوں پر مبنی ہے اور بینکاری نظام اس کا ایک جزء ہے اور آپ نے اس جزء کا ذیلی جزء نکالا ہے جسے ''اسلامی'' کے لاحقے اور سابقے کے ساتھ مسلمانوں کے درمیان مشتہر کررہے ہیں۔

بلکہ رائج الوقت معاشی نظام کی بالادستی میں چلنے والی بینکاری کے زیر اثر اسلامی بینکاری کا دعویٰ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے مردار کی کھال سے بنے ہوئے مشکیزے کو شراب سے بھر دیا جائے اور اس کے منہ پر شہد کی تہہ بنا کر مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ اسے استعمال کرسکتے ہیں، کیونکہ آپ کا منہ تو ابتدائی طور پر شہد پر لگ رہا ہے اور یہ دلیل بھی دیں کہ شہد کے حلال اور شفاء ہونے میں کس کا اختلاف ہے؟ اگر اس صحیح دلیل سے اس شراب کی حلت ثابت کی جاسکتی ہے تو شرعی دلائل کے ذریعہ آپ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے ایک جزء کو بھی اسلامی ثابت کرسکتے ہیں، ورنہ ہرگز نہیں!

اگر آپ کسی صورتِ واقعہ کے بیان کے لئے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو ہر حال میں ضرور سمجھتے ہیں تو پھر آپ کے شہر میں آپ سے کہیں زیادہ معلومات رکھنے والے پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات موجود ہیں، پھر اس سلسلے میں آپ سے زیادہ ان کی رائے معتبر ہوگی اور مغربی نظام معیشت کی بالادستی میں بینکاری کے حوالے سے ان کا نقطۂ نظر بیان کردہ

تفصیل سے سرمومختلف نہیں، بلکہ وہ تو کھل کر یہ بھی کہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری اسلام کے نام پر عوام کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ بقول ان کے اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے ماہرین سرمایہ داری، مغربی فکر و فلسفے، اور اس فلسفے کی دو اہم شاخوں سائنس اور سوشل سائنسز کی مابعد الطبعیات، الٰہیات، کونیات کی علمیت سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا وہ اس ایمان و یقین کے ساتھ اپنے علمی سفر اور افتاء کا آغاز کرتے ہیں کہ اکنامکس ایک معروضی، غیر اقداری آفاقی علم ہے، یہ پانی کی طرح ہے کہ جس برتن میں ڈالو اس کا روپ اختیار کرے گا جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اگر مروجہ اسلامی بینکاری کی حقیقت حال کا حکم بیان کرنے کا مدار مغربی فکر و فلسفے کی معرفت پر ہے تو اس میدان کے ماہرین اسے خلاف اسلام قرار دیتے ہیں، چلئے انہی کے فتوؤں کو مان لیجئے!

جہاں تک اسلامی بینکاری نظام سے ناواقفیت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اسلامی بینکاری کی معرفتِ خاصہ کے دعویداروں سے ہم دو سوال کرتے ہیں:

ایک تو یہ کہ بینکاری نظام سے عدم واقفیت کا کیا مطلب؟ کیا اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے تمام جزئیات کا علم ضروری ہے یا کلیات اور بنیادوں کا علم بھی کافی ہے؟ اگر تمام جزئیات کا علم ضروری ہے تو یہ دعویٰ آپ بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ خلاف واقعہ ہوگا۔ اور اگر کلیات اور بنیادوں کا علم کافی ہے تو کسی بھی عالم دین (بالخصوص جو کسی دار الافتاء میں فتویٰ نویسی سے وابستہ ہو) کو اس سے لاعلم ہونے کا طعنہ دینا اس کی علمی کمزوری سے زیادہ آپ کے کبر و غرور کا غماز ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ''جزئیات و کلیات کا علم ضروری ہے تو پھر اس فن کے ماہرین جن کی پوری پوری زندگیاں بینکاری میں گزری ہیں ان کی رائے کے مقابلے میں آپ کی رائے کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ اپنے علم، تجربہ اور معلومات کا

ان ماہرین کے ساتھ موازنہ ہرگز نہیں کر سکتے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جس اسلامی بینکاری اور اسلامی معیشت کی معرفتِ تامہ کے آپ علمبردار اور دعویدار ہیں وہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی سے برآمد کی گئی ہے یا مغربی نظامِ معیشت سے مستعار لائے ہیں؟ اگر وہاں سے لائے ہیں تو پھر آپ روایت پسند علماء کرام کو لاعلمی اور ناواقفیت کا طعنہ دے سکتے ہیں۔ اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی بینکاری اور اسلامی معیشت، فقہ المعاملات ہی سے ماخوذ ہے تو قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے معاملاتی حصے کا علم، تعارف اور واقفیت آپ کے ناقد علمائے کرام کو بھی حاصل ہے۔ اس لئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے علماء کو ''بے وقوف'' (غیر مطلع) قرار نہ دیں۔

ہاں اگر آپ یہ کہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری اور اسلامی معیشت، اسلامی احکام کو مغربی سرمایہ داری نظام کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی بینکاری پر فٹ کرنے کا نام ہے، تو ملک کے دیگر علماء کرام کو اپنی اس کمزوری کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ وہ ایسا نہ کر سکے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔ اس کمال میں آپ یکتا ہیں۔

اسی اشکال کے ضمن میں بینک اسلامی کے مشیر صاحب فرماتے ہیں کہ عدمِ جواز کے قائل علماء کرام کے اعتراضات ابتدائی نوعیت کے ہیں'' جن کا جواب بہت ساری تحریروں میں دیا جا چکا ہے''۔ سوال یہ ہے کہ ایک طرف آپ فرماتے ہیں کہ آپ تک کوئی اعتراض یا معلومات لینے والا کوئی شخص نہیں آیا۔ دوسری طرف فرما رہے ہیں کہ بہت ساری تحریروں میں اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اگر آپ تک کوئی فرد یا کسی کے اعتراضات پہنچے نہیں تو آپ نے ''بہت ساری تحریروں'' کے ذریعے ان کا جواب کیسے دیا؟

اشکال:۔ کیا متفقہ فتویٰ ذاتیات کا شاخسانہ ہے؟

بعض حضرات کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ہماری مخالفت کرر ہے ہیں، ہمارے اچھے کام کو روکنے کے لئے ہمارے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں اور ہماری ساکھ کو خراب کرنا چاہتے ہیں، عدم جواز کا فتویٰ، شرعی فتویٰ نہیں بلکہ ذاتیات کا شاخسانہ ہے۔

جواب:

مروجہ اسلامی بینکاری کا جائز یا ناجائز ہونا ہمارے خیال میں خالصۃً شرعی مسئلہ ہے، اس کا کسی کی ذات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے اس فتویٰ کو کسی کی ذاتی مخالفت پر محمول کرنا سراسر غلط ہے، اور آج تک کی اسلامی تاریخ میں کسی صاحب علم کی رائے کے خلاف دوسرے اہل علم کی رائے کو پہلے صاحب کی ساکھ کی خرابی سے کسی نے تعبیر نہیں کیا، ورنہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ آئمہ متبوعین میں سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سارے آئمہ مجتہدین پر اخلاقی پابندیاں عائد کی جاتیں۔

اس لئے مروجہ اسلامی بینکاری کے خلاف شرعی فتویٰ کو اپنی ذات کی مخالفت یا ذاتیات کا نتیجہ کہنا سراسر غلط اور خلاف حقیقت ہوگا، ورنہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ آپ مروجہ اسلامی بینکوں کو اپنا ذاتی مسئلہ سمجھتے ہیں، جبکہ ہم اس کو آپ کا ذاتی گھریلو مسئلہ سمجھنے کی بجائے شرعی مسئلہ سمجھ رہے ہیں اس کو اپنی ذات سے نہیں جوڑنا چاہیئے، ورنہ کسی بھی مسلمان کو جب اس کی کسی غلطی پر ٹوکا جائے، ملامت کیا جائے اور اس کے خلاف شرع عمل کو بُرا کہا جائے تو وہ بحیثیت مسلمان یہ کہہ سکے گا کہ لوگ مجھے نہیں اسلام کو بُرا کہہ رہے ہیں، یعنی وہ اپنی ذات کو اسلام اور اسلام کو اپنی ذات سے تعبیر کر سکے گا۔

اشکال:۔متفقہ فتویٰ اور فتنہ انگیزی:

بعض حضرات عدم جواز کے فتویٰ کو فتنہ انگیز، یا فتنہ انگیزی کا سبب قرار دیتے ہیں اوران کی طرف سے مختلف انداز سے یہ مشورے اور ترغیبات دی جاتی ہیں کہ اس فتویٰ کی تفصیلات منظرِ عام پر نہ لائی جائیں، ورنہ فتنہ ہوگا اور دینی نقصان ہوگا۔

جواب:

جب جواز کا فتویٰ جاری ہورہا تھا تو اس وقت اس کا خیال کیوں نہیں آیا؟ بن پوچھے جواز کا فتویٰ ''عمل'' ہے اور عدم جواز کا فتویٰ اس کا ''ردعمل'' ہے، فتنے کا اصل سبب عمل ہوتا ہے نہ کہ ردعمل ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فتنہ انگیزی تو فتنے کے اسباب اختیار کرنا ہے اور اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہوتے ہیں جو ان اسباب کا ارتکاب پہلے کر چکے ہیں۔قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

ومنهم من يقول ائذن لي ولا تفتني ألا في الفتنة سقطوا وإنّ جهنم لمحيطة بالكٰفرين. (۱)

اگر اسلاف کا قول وعمل حجت بن سکتا ہو تو فتنہ اور فتنہ انگیزی کا سبب حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بقول یہ ہے کہ الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان نمایاں فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔جبکہ دونوں کا حکم یکساں نہیں۔یعنی مضطر کے احکام کو لے کر امیر کے مسائل حل کرنے بیٹھ جائیں تو اس روش سے ماتم انگیز حادثے ہی جنم لیا کریں گے۔(۲)

(۱) التوبة:الآية: ۴۹ .

(۲) بینات محرم الحرام ۱۳۸۸ھ۔

اشکال:۔ دونوں قسم کے بینکوں کی ظاہری یکسانیت پر اشکال وجواب کی وضاحت

مروجہ اسلامی بینکاری کے عدمِ جواز کی وجوہات میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے معاملات بالکل روایتی بینکوں کی طرح ہیں، دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی بینکوں نے اپنی ترقی کا معیار یہ بنا رکھا ہے کہ روایتی بینک جس قسم کے پروڈکٹس (Products) متعارف کروائیں گے، نام نہاد اسلامی بینک بھی ان جیسے پروڈکٹس متعارف کروائیں گے۔ اس طرزِ عمل سے دونوں بینکوں کے درمیان بینکاری اور کاروباری دوڑ میں مقابلہ تو نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ مگر کوئی اسلامی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کے جواب میں بعض جدید اسلامی بینکار فرماتے ہیں کہ پروڈکٹس کی ظاہری شکل وصورت کی یکسانیت سے کیا فرق پڑتا ہے؟ دونوں میں وجۂ فرق اسلامی طریقے پر ''عقد'' ہے، اس کی مثال میں نکاح اور زنا اور مردار گوشت اور حلال گوشت کو پیش فرماتے ہیں کہ ظاہری اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، لیکن نکاح اور زنا میں عقد کا فرق ہے۔ دونوں کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہو تو نتیجہ ایک جیسا ہونے کے باوجود حکم میں یکساں نہیں ہیں۔ اسی طرح مردار گوشت غیر شرعی ذبح کی وجہ سے کھانے کی قابل نہیں اور حلال طریقے پر ذبح شدہ گوشت ''بسم اللہ'' کی وجہ سے حلال ہو جاتا ہے۔

جواب:

روایتی اور مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات کی مثال دینے کے لئے '' نکاح

اور زنا'' کی مثال دینا درست نہیں، بلکہ زنا اور متعہ کی مثال دینی چاہیئے، کیونکہ شریعت کی رو سے متعہ ایک عقد ہونے کے باوجود'' زنا'' کا حکم رکھتا ہے۔اس عقد کی نکاح کے ساتھ مشابہت کو نظر انداز کرتے ہوئے'' زنا'' کے حکم میں داخل کیا جاتا ہے۔ جو فرق'' زنا'' اور'' متعہ'' میں ممکن ہے وہی فرق مروجہ اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری میں کیا جاسکتا ہے! اور مشابہت کے لحاظ سے متعہ نکاح کی بجائے زنا کے حکم میں شامل کیا جاتا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ امت کے ایک گمراہ فرقے کے علاوہ دونوں کے حکم میں کوئی بھی مسلمان یکسانیت کا قائل نہیں۔ ہاں! اب بعض لوگ ضرور پیدا ہورہے ہیں جو بزعمِ خود زنا کے اسلامی متبادل کے طور پر'' نکاح المسیار'' کے نام سے شہوت پرست مسلمانوں کو اسلامی پناہ دینے کے لئے کوشاں ہیں۔اگر اسلامی بینکوں کے حامی حضرات نکاح متعہ اور نکاح المسیار کو شرعاً ناجائز ہی سمجھتے ہوں،تو پھر ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہیئے کہ محض اسلام کے نام پر کوئی معاہدہ ہوجانے سے کسی معاملے پر جواز کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ بلکہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق پرکھنا ہوتا ہے کہ آیا وہ معاملہ اسلام کے قریب ہے یا غیر اسلام کے زیادہ قریب ہے؟ چنانچہ جس طرح متعہ کو معاہدہ اور عقد ہونے کے باوجود زنا کے مماثل قرار دیا جاتا ہے،نکاح کے ساتھ اس کی مشابہت کی پرواہ نہیں کی جاتی،اسی طرح مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات کو نام نہاد اسلامی عقود اور اصطلاحوں کے استعمال کے باوجود روایتی بینکاری کے مشابہ اور مماثل قرار دیا جائے اور یہی کہا جائے کہ مروجہ اسلامی بینک کے معاملات کی گہری مناسبت سودی معاملات کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہ روایتی سودی بینک ہی کہلائیں گے نہ کہ اسلامی اور شرعی!

اسی طرح حلال اور مردار گوشت کی مثال دینا بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ اصل میں اس کی مثال یہ بنتی ہے کہ ایک طرف مردار گوشت ہو اور دوسری طرف ایک ایسا گوشت ہو، جو

تکبیر پڑھ کر کسی حیوان کا گلا گھونٹ کر مار دینے کے نتیجہ میں تیار کیا گیا ہو۔ دونوں کے گوشت کا حکم ایک جیسا ہوگا، گوکہ ایک پر تکبیر بھی پڑھی گئی ہے، اس تکبیر کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ دوسرے طریقے میں تکبیر تو ہے مگر تکبیر کے تقاضے پورے نہیں ہوئے۔ جس طرح کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں اسلامی عقود اور فقہی اصطلاحوں کو استعمال تو کیا جاتا ہے، مگر ان عقود کے شرعی آداب کا گلا گھونٹ کر مطلوبہ نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس دوسرے گوشت کی مثال بالکل خالص مردار کی ہوگی، یہاں خالص مردار اور جھٹکے کا تقابل ہوتو مثال درست ہوگی ورنہ نہیں۔

اشکال:۔ کیا شرعی تبصرہ اور فتویٰ کے لئے انگلش ضروری ہے؟

مروجہ اسلامی بینکاری کے حامی حضرات، مغرب زدہ معاشرے میں وزنی دلیل کے طور پر ارشاد فرماتے رہتے ہیں کہ جناب! بینکنگ سسٹم (Banking system) سمجھنے، اس کا حکم بیان کرنے اور بینکنگ کے بارے میں رائے دینے کیلئے انگلش کا جاننا ضروری ہے، جو علماء اس سسٹم کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں وہ انگلش ہی نہیں جانتے تو بینکاری کو کیا سمجھیں گے؟ جب بینکنگ کو سمجھے بغیر فتویٰ دیں گے تو ان کے فتویٰ کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟

بینکوں کے حامی حضرات طنز وتحدی (Challenge) کے انداز میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ بینکنگ کے خلاف فتویٰ دینے والے حضرات کے ہاں ''بینک'' سے متعلق کوئی دستاویز لے جا کر رکھی جائے تو اس کے سمجھنے پر تو کجا پڑھنے پر بھی قادر نہیں ہوسکتے۔ اگر یہ لوگ بینکوں کے بارے میں رائے قائم کریں تو کیسے قائم کر سکتے ہیں، اگر کوئی رائے قائم کریں تو اس کی پوزیشن کیا ہوگی؟

جواب:

جہاں تک انگلش سیکھنے، سکھانے اور سمجھنے کا تعلق ہے، یہ اچھی بات ہے، بلکہ تبلیغِ دین کے نقطۂ نظر سے ضروری بھی ہے اس لئے کہ اس وقت امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جس سے رابطے کی زبان انگلش ہے۔ اگر اس نقطۂ نظر سے کوئی مسلمان انگریزی یا کسی بھی اجنبی زبان کے جاننے کو ضروری سمجھتا ہو تو یہ بالکل بجا ہے، بلکہ سنت نبوی کے مطابق بھی ہوگا، اس حد تک انگلش کے ضروری ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ بینکنگ کا شرعی حکم بتانے اور بیان کرنے کے لئے واقعۃً انگلش پر عبور ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کس حد تک ضروری ہے؟ اگر ضروری نہیں تو پھر بینکوں کے حامی حضرات کی طرف سے اتنی شدّ ومدّ کے ساتھ اس واویلے کا کیا مقصد؟ اور باعث کیا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکوں کو ناجائز کہنے والے علماء حضرات انگریزی نہیں جانتے، اس لئے ان کے فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ بینکنگ کا طریقۂ کار اور دستور (Prospectus) انگلش میں ہوتا ہے؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی بھی شرعی حکم بتانے اور بیان کرنے کا مدار کسی خاص زبان پر شریعت نے بطور خاص نہیں رکھا، کسی اجنبی قوم یا نظام سے متعلق شرعی احکام کا بیان واظہار اس قوم اور نظام کی ''زبان'' کی معرفتِ تامّہ پر ہرگز موقوف نہیں ہے، ورنہ روزِ اول سے تاحال یہ لازمی قرار دیا جاتا کہ کوئی داعی یا حاکم یا مفتی کسی قوم یا نظام پر شرعی تبصرہ اسی وقت کرسکتا ہے جب وہ اس قوم اور نظام کی زبان سے ذاتی طور پر واقف ہو، ورنہ اس داعی کی دعوت، حاکم کے حکم اور مفتی کے فتویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مآخذِ دینیہ (قرآن، سنت اور فقہ) کی زبان عربی ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر خلفائے راشدین، آئمۂ مجتہدین اور خلافتِ اسلامیہ کے اواخر تک دینی دعوت، سرکاری حکم اور شرعی فتویٰ بالعموم عربی زبان میں صادر ہوتا رہا ہے۔ جبکہ عربی زبان والوں کے مقابلے میں عجمیوں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی اور دین اسلام عرب وعجم سب کا دین تھا۔ اوران شرعی مناصب کے بڑے ذمہ داروں میں سے کسی کے بارے میں یہ روایت نہیں ملتی کہ اجنبی قوم سے مخاطب ہونے یا ان کے فرسودہ نظام کو رد کرنے سے قبل انہوں نے اس قوم اور نظام کی زبان پر عبور حاصل کیا ہو، حتیٰ کہ خود نبی اکرم رسول عربی ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ہم عصر بادشاہوں اور رؤساء کو پیغامِ الٰہی پہنچانے اور آنے والے وفود سے گفتگو کرنے کے لئے ان کی زبانیں جاننے والے حضرات کو ترجمانی پر مامور فرما رکھا تھا، اوراسی ضرورت کے پیش نظر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم بھی فرمایا تھا۔(١) یہ سنت خلفائے راشدین کے دور میں بھی جاری رہی۔

اس سنتِ حسنہ کی روشنی میں یہ نقطہ بھی واضح ہوا کہ شرعی حکم بتانے اور بیان کرنے والے کسی بھی داعی، حاکم یا مفتی پر بذاتِ خود، مخاطب اوراس کے نظام کی زبان کی معرفت شرعی لحاظ سے ہرگز لازم نہیں۔ ورنہ سنتِ حسنہ یہ ہوتی کہ کسی کا نظام رد کرنے یا اپنا پروگرام سمجھانے سے قبل، پروگرام پیش کرنے والے کا ذاتی طور پر متعلقہ زبان کا سیکھنا ضروری ہوتا، مگر قابلِ اعتماد ترجمان پر اعتماد فرما لینے سے جہاں مؤخر الذکر نظریہ کا ''لغو'' ہونا معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قابلِ اعتماد ترجمان کی ترجمانی کو مدار اور معیار بنا کر شرعی حکم بیان کرنا، شرعی حکم بیان کرنے والے کی قابلِ ملامت کمزوری نہیں، بلکہ عین سنتِ نبوی بھی ہے اور ایسی سنت کہ جس پر ہر دور میں عمل ہوتا رہا ہے اور کسی نے اس پر اشکال نہیں کیا، یہاں تک کہ خود ہمارے اکابر انگریزی زبان سے نامانوس تھے، اس کے باوجود انہوں نے

---

(١) اسد الغابۃ: ٢/٣٤٧۔ ط: دار الکتب العلمیہ بیروت۔

انگریزی نظام کی کلیات اور جزئیات پر خوب بحثیں کیں اور تبصرے کیے۔ بالخصوص حضرت شیخ الہند، حضرت شیخ الاسلام، حضرت حکیم الأمت، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت بنوری، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہم اللہ، یہ تمام اکابر انگریز کی زبان سے ناواقف تھے، اس کے باوجود انہوں نے انگریزی نظام اور اس کے لوازمات سے متعلق فقہی احکام اور فتاویٰ کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے وہ دین خداوندی کا حصہ ہونے کی بناء پر ان شاء اللہ تاقیامت باقی رہے گا۔

بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان اکابر نے انگریزی نظام اور اس کے ذیلی اداروں کے بارے میں جو بھی رائے قائم فرمائی تھی اس رائے کو بذات خود، انگریزی زبان کی معرفتِ تامہ پر موقوف نہیں چھوڑا گیا تھا۔ بلکہ انہوں نے سنتِ نبویہ کے مطابق اپنے معتمد لوگوں کی ترجمانی کو مدار بنایا اور اسی پر اکتفاء کیا۔ اور یہ اس لئے بھی کافی تھا کہ کسی زبان کا (کسی حد تک بجز عربی کے) بذاتِ خود سیکھنا شرعاً لازم نہیں، بلکہ تبلیغِ دین کا وسیلہ ہونے کی بناء پر لازم ہے۔ اور یہ ضرورت قابل اعتماد ترجمان کے ذریعہ بھی پوری ہوسکتی ہے۔ **لأن الضرورة تتقدر بقدرها.**

اگر جدید بینکنگ پر تبصرہ کرنے اور اس کے معاملات کا شرعی حکم بیان کرنے کے لئے انگریزی زبان کی مہارتِ تامہ ضروری قرار دی گئی ہوتی یا شرعی حکم کا بیان اس پر موقوف ہوتا تو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو معاملات جدیدہ پر حکم لگانے اور فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہوتا، بالخصوص ”رافع الضنک عن منافع البنک“ کو نا قابل اشاعت اور نا قابل اعتماد قرار دیا ہوتا، مگر ہم سب اس پر اعتماد کرتے ہیں اور کثیر تعداد میں اس کی اشاعت بھی بار بار ہورہی ہے۔ اگر شرعی احکام بیان کرنے کے لئے یہ لازمی شرط پہلے کسی کی طرف سے عائد کی گئی ہوتی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہم جدید بینکنگ کو

رد کرتے ہوئے ''مسئلہ سود'' جیسے علمی ذخیرے سے ہمیں محروم فرماسکتے تھے۔اسی طرح بینکنگ کے سود کو تجارتِ شرعی قرار دینے کی سرکاری مہم کے خلاف حضرت بنوری، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہم اللہ کے قلمی وزبانی جہاد کو بے اثر قرار دیا جاتا۔اوراس کی کوئی قدر ومنزلت نہ ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان چند نفوس قدسیہ کو جابر حکومت کے مقابلے میں سرخرو فرمایا اور اسلامیان پاکستان بینک کے سود کو حلال سمجھ کر کھانے سے محفوظ رہے۔

اگر شرعی فتویٰ جاری کرنے کے لئے انگریزی زبان سے جوڑ، ناگزیر ہوتا تو حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی نہ صرف یہ کہ تحقیقاتِ جدیدہ مہمل قرار دی گئی ہوتیں، بلکہ ''بلا سود بینکاری'' کے لئے مجوزہ سفارشات اور بنیادیں بھی بے وقعت قرار دے کر ''احسن الفتاویٰ'' سے حذف کردی گئی ہوتیں۔کیونکہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نہ صرف یہ کہ انگریزی زبان کے ساتھ مہارتِ تامہ سے دور تھے، بلکہ ان کی محافل ومجالس میں انگریزی زبان تو کیا، عام استعمال کی انگریزی اصطلاحات کا استعمال بھی معیوب یا ممنوع ہوا کرتا تھا۔

لیکن اس کے باوجود احسن الفتاویٰ کا حصہ ''بلا سود بینکاری'' مروجہ اسلامی بینکاری کی اصل شرعی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔اگر بینکنگ کا شرعی حکم اوراس پر فقہی تبصرہ کرنے والے مفتی کے لئے انگریزی زبان پر ذاتی حیثیت میں معرفتِ تامہ ناگزیر قرار دی جائے تو پھر جدید بینکاری کے حامی لوگ اپنے معترضین کو چیلنج کرنے سے قبل مروجہ اسلامی بینکاری کی مجوزہ بنیادوں کو ناقابل عمل قرار دیں اور کلی طور پر مٹا کر اپنے خیال ونظریہ کے مطابق جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نئی بنیادیں تجویز کریں، انہیں یہ آزادی بھی ہوگی کہ وہ مغرب کو آئیڈیل بنائیں یا مشرق وسطیٰ کو، چاہیں تو مولانا ظفر علی خان مرحوم اوران کے ہم

نواؤں کا طرز اپنائیں، یا جعفر شاہ پھلواری صاحب کی تقلید کریں یا جامع جدیدیت و قدامت، پاکستانی مالیاتی نظام کے نبّاض جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی اقتدا کریں۔ کیونکہ ان حضرات میں وہ مطلوبہ شرائط اور کوائف موجود تھے جو جدید بینکنگ کے حامی حضرات اپنے خلاف فتویٰ دینے والے علماء کے لئے لازمی قرار دے رہے ہیں۔

اگر جدید بینکنگ کے حامی حضرات گرامی اپنے مقرر کردہ معیار کے مطابق اس راہ پر چل نکلے تو انہیں بزرگوں کی ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی مجوزہ قرادادیں اور حل کردہ فقہی مسائل کو پہلے پہل رد کرنا ہوگا۔

بایں ہمہ، ہمیں اطمینان ہے کہ اہلیانِ پاکستان نے جس طرح حضرت علامہ کشمیری، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت بنوری اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب نور اللہ مراقدہم پر اعتماد کیا اور دینی مسائل اور فقہی معاملات میں انہی کو حجت مانا، ان کے مقابلے میں مولانا ظفر علی خان کی قد آور شخصیت، پھلواری صاحب کے استدلالات اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی معلومات سے متاثر نہیں ہوئے، اسی طرح اب بھی اہلِ اسلام، انگریزی زبان کی مہارت اور معلومات عامہ (General Knowledge) کی فراوانی سے متاثر ہونے کی بجائے فقہی اور شرعی معاملات میں شریعت اور فقہ کے ماہرین پر ہی اعتماد کریں گے، کیونکہ جن اہل فقہ اور اصحاب فتویٰ نے مروجہ اسلامی بینکاری کو، روایتی بینکاری کی دوسری تصویر قرار دیا ہے یہ حضرات بینکوں میں ملازمت کرنے والے شریعہ ایڈوائزرز کے مقابلے میں فقہ و فتویٰ کے حوالے سے بدرجہا قابل اعتماد ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی مسئلہ پر فقہی رائے قائم کرنے کے لئے شریعتِ اسلامیہ کی مطلوبہ معرفت اور علمی رسوخ تو ضروری ہے مگر اس رائے کے قائم کرنے کے لئے شرعاً و اصولاً انگریزی زبان کی مہارت تامہ براہِ راست (Direct) ہرگز ضروری نہیں ہے۔

بلکہ خود ہمارا دین دار معاشرہ بھی اس کو ضروری نہیں سمجھتا، بلکہ شرعی معاملات میں شریعت میں مہارت ہی کو ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ جس مسئلہ کا شرعی حکم بیان کیا جارہا ہو اگر اس مسئلہ سے وابستہ لوگ اپنے ابتلاء، تجربہ اور علم کی بنیاد پر اس مسئلے کی حقیقت حال ماہرین شریعت کے سامنے واضح کردیں اور ماہرین شریعت اس صورت حال کی روشنی میں اس کو شرعی حکم بیان کریں تو یہ بیان شریعت اسلامیہ، سنتِ نبویہ اور تواتر امت کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ اس کو غلط قرار دینا یا ناقابل اعتماد کہنا بجائے خود غلط، بلکہ خطرناک بھی ہے۔

بنابریں اگر مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق ''متفقہ فتویٰ'' کو صرف اسی پہلو سے دیکھا جائے تو بھی انگریزی سے مرعوب دوستوں کو شرعاً واخلاقاً یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ بینکاری کو ناجائز کہنے والے علماء انگریزی نہیں جانتے، اس لئے ان کے فتویٰ کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ بالفرض والتسلیم یہ مان لیا جائے کہ اس متفقہ فتویٰ کے حامی تمام حضرات علمائے کرام بینکاری نظام کی زبان (Language of Banking System) سے بالکل ناواقف ہیں، مگر شریعت سے واقف تو ضرور ہیں۔ شریعت کی واقفیت کی حد تک ان کی بات معتبر ہے اور جدید بینکنگ نظام سے تعارف کے سلسلے میں ان لوگوں کی معلومات، تجربات و مشاہدات کو بنیاد بنایا گیا ہو، جن کی قیمتی آراء اور مفید و معتمد معلومات ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کے بنیادی لٹریچر میں بھی کارآمد رہی ہوں، یا ان جیسے دوسرے ماہرین معاشیات و بینکاری کی معلومات کو بنیاد بنایا گیا ہو اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی بیان کردہ معلومات کو بینکنگ کی صورت حال جاننے اور اس پر حکم لگانے کے لئے کافی قرار دیا گیا ہو، تو اس میں شرعی لحاظ سے کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

اس طویل تفصیل کے ذکر کرنے سے ہمارا یہ مقصد قطعاً نہیں ہے کہ ہم معترضین کے اعتراض کو درست سمجھتے ہوئے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کررہے ہیں اور متفقہ فتویٰ

صادر کرنے والے علماء کی انگلش سے ناواقفیت کے لئے شرعی جواز پیش کررہے ہیں۔ بلکہ ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ دینی مسئلہ، شرعی فتویٰ اور اسلامی حکم بیان کرنے کے لئے آج سے قبل انگریزی زبان کی شرط نہیں لگائی گئی اور نہ ہی یہ شرط لازمی ہے، بلکہ اس کے اسباب کچھ اور ہوسکتے ہیں۔

جبکہ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ایک تو ''متفقہ فتویٰ'' جاری کرنے والے علمائے کرام میں ایسے علماء کرام بھی شامل ہیں جو انگلش، بینکنگ، قانون اور فقہ اسلامی کی مہارت میں کسی طور پر بھی مروجہ اسلامی بینکوں کے شریعہ ایڈوائزرز سے کم نہیں، اگر کبر و غرور کا شائبہ نہ ہوتا تو زیادتی کا دعویٰ بھی بجا تھا۔

واضح رہے کہ اسلامک بینکنگ کے حوالے سے جہاں تک حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی مہارت اور ان کی مخلصانہ کاوشوں کا تعلق ہے، تو اس پر ہم کوئی تقابلی بحث نہیں کرتے کیونکہ حضرت، ہمارے ان قابل احترام بزرگوں میں سے ہیں کہ تقابل وموازنہ کے لئے جن کا نام لینا ہم گستاخی سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں ان کے استاد محترم اور ہم سب کے بزرگ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اپنے ابتدائی کلمات بابرکات میں رائے قائم فرما چکے ہیں، یہ انہی کو زیب دیتا ہے۔

ہمارے اس تجزیہ اور تبصرہ کا تعلق اپنے ان دوست احباب سے ہے جو اس قسم کی غرور آمیز باتیں کرتے ہیں، اس قسم کی باتیں نہ مولانا تقی صاحب مدظلہم سے کسی نے سنی ہیں نہ ہی ایسی توقع کی جاسکتی ہے، اس لئے ان باتوں سے وہ بہر حال مستثنیٰ ہیں۔

دوسرے یہ کہ بینکنگ کے نظام کو سمجھنے اور اس پر حکم لگانے کے لئے اولاً تو انگلش میں مہارت ضروری نہیں، کیونکہ بینکاری کے تعارف پر دیگر زبانوں میں اتنا مواد موجود ہے کہ کوئی یہ عذر نہیں کرسکتا کہ ''بنک'' جاننے کے لئے انگلش ضروری ہے، عرب ممالک،

جاپان اور چائنا میں بینکاری کا تعارف قومی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ خود ہمارے ہاں اردو میں اتنا مواد موجود ہے جو کہ ہر کسی کی دسترس میں ہے۔

اس لئے بجا طور پر انگریزی زبان سے مرعوب دوستوں کو یہ الزامی جواب دیا جاسکتا ہے کہ بقول آپ کے بینکار ذہنیت کو آپ نے فقہی معاملات سمجھا دیے اور مروجہ اسلامی بینکاری کا نظام وہ لوگ فقہی معاملات اور اصطلاحات کی معرفت اور بصیرت کے ساتھ چلا رہے ہیں اور اس عملے کے زیرِ عمل چلنے والا سیٹ اَپ مکمل طور پر اسلامی ہے۔ اسی طرح اسٹیٹ بینک نے بھی جدید اسلامی بینکاری کے لئے اسلام کے مطابق، اصول وضوابط بنا رکھے ہیں اور اسلامی بنکوں کو ان کے مطابق کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور آپ کو اپنے عملے اور اسٹیٹ بینک کے ذمہ داروں کی اسلام دوستی پر اعتماد بھی ہے، اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینک کی معلومات (Information) اور استقبالیہ (Reciption) پر براجماں اسلامی بہن سے لیکر بینک دولت آف پاکستان کی گورنر (Governer State bank of Pakistan) محترمہ شمشاد اختر صاحبہ تک ہماری بہنوں کی فقہی مہارت اور اسلام شناسی اگر ہمارے جدید اسلامی بینکاروں کے ہاں قابل اعتماد ہوسکتی ہے، (بلکہ اعتماد کرنا مجبوری بھی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ لوگ دینِ اسلام کی زبان یعنی ''عربی'' سے اَدنیٰ مناسبت بھی نہیں رکھتے، بلکہ بینکوں میں رائج عربی اصطلاحوں کا صحیح تلفظ بھی نہیں کرسکتے،) تو آخر کیا وجہ ہے کہ وہ جدید بینکنگ کو خلافِ شرع قرار دینے والے علماء کی انگریزی زبان سے مناسبت اور بینکاری نظام سے مناسبت اور بینکاری نظام سے واقفیت اور شناسائی کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اسلامی بینک کے استقبالیہ اور معلومات پر بیٹھنے والی مسلمان بہن یا بھائی جس قدر فقہی معاملات اور فقہی اصطلاحات جانتے ہیں یا اسٹیٹ بینک کی گورنر محترمہ یا ان کی ٹیم اسلامی احکام جانتی ہے اور

اپنی صوابدید اور اختیارات پر اسلامی بینکوں کے لئے اسلامی اصولوں کو قابلِ عمل قرار دیتی ہے، ان کے بقدر یا ان سے کہیں زیادہ انگریزی اور بینکاری معاملات کو وہ تمام علماء کرام جانتے ہیں جنہوں نے متفقہ فتویٰ کے ذریعہ مروجہ اسلامی بینکاری کو روایتی بینکاری کی مانند قرار دیا ہے، مگر افسوس کہ ہمارے اپنے لوگ، بینکوں میں جانے کے بعد اپنی مسلمان بہنوں کی فقہی مہارت اور اسلام شناسی کی قدر تو فرماتے ہیں، مگر اپنے علماء کے علم اور فہم پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ یہ باور کراتے ہیں کہ عوام بھی ان پر اعتماد نہ کریں۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی شخص بینک کا ملازم بننا چاہے یا نظام بینکاری کا حصہ بننا چاہے یا شرعی ایڈوائزر لگنا چاہے تو اس کے لئے انگریزی زبان میں مکمل مہارت اور بینکاری نظام سے پوری واقفیت ضروری ہے، یہ بینکاری نظام سے جڑنے کے لئے بنیادی شرط ہے، کیونکہ بینکاری کا نظام مغربی آقاؤں کی زبان میں مرتب ہونے کی وجہ سے بینکاری نظام کے لئے ان کی زبان کو مجبوری بنا دیا گیا ہے۔ بہر کیف ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکوں کو ناجائز کہنے والے اکثر علماء اس معیار پر پورا نہیں اُتر سکتے۔ اس لئے وہ بینک کے کسی عہدے کے لئے کوشش نہیں کر سکتے اور ہم یقین دلاتے ہیں کہ جو اس معیار پر پورا اُتر سکتے ہیں وہ بھی قطعاً شریعہ ایڈوائزر بننے کے لئے کسی بینک میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ اس لئے بینکوں کے حامی حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنا طعنہ واپس لیں۔

اس حقیقت حال کی روشنی میں یہ پہلو قابل غور ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مروجہ بینکوں کے حامی حضرات اتنی شدّ ومدّ کے ساتھ یہ واویلا کرتے ہیں کہ مروجہ بینکوں کو ناجائز کہنے والے علماء انگریزی نہیں جانتے وغیرہ وغیرہ۔ آخر اس کا مقصد، باعث اور سبب کیا ہے؟

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیئے تو کرتا ہے بیان کوتاہی!

ایک زمانے میں دنیا کے اندر ریاستی بالا دستی مسلمانوں کو حاصل تھی اور مسلمانوں کی مذہبی زبان چونکہ عربی ہے اس لئے محکوم اور ماتحت قومیں عربی زبان سے واقفیت کو اعزاز اور فخر کی چیز سمجھا کرتی تھیں۔ اب ہمارے دور میں ایک تو دنیا پر ریاستی بالا دستی انگریزی زبان والوں کو حاصل ہے، دوسرا یہ کہ انگریز قوم نے جس جس خطے میں حاکمانہ وفاتحانہ کچھ وقت گزارا ہے وہاں اپنے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور چھوڑے ہیں بالخصوص پاک و ہند کے گندم گوں جسموں میں انگریزی دل و دماغ کی خوب خوب سرجری (Surgery) ہوئی ہے۔ یہاں کی اشرافیہ اپنے ''تن میں ہندی اور من میں انگریز'' کی باکمال مثال ہے، اس لئے انگریز اور انگریزی کو سمجھنے میں غلامانہ ذہنیت اور نفسیاتی غلامی کے اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے فرمایا تھا:

ے یہاں مرض کا سبب ہے غلامی وتقلید!

ے شاعر بھی ہیں پیدا علماء بھی حکماء بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

چنانچہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ عربی ماحول سے نکل کر انگریزی ماحول میں جانے کی وجہ سے ہمارے بعض دوستوں کا مزاج، نفسیات اور ذہنیت بدل چکی ہے، انگریزی زبان کی عالمگیریت اور انگریزی نظام کی بالا دستی نے جہاں رہتی دنیا پر گہرا اثر جما رکھا ہے وہاں ہمارے بعض دوستوں کے دل و دماغ پر بھی گہری چھاپ بٹھادی ہے۔ بقول حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے تقلید مغرب کی عینک بہت منحوس ہے، یہ منحوس عینک جس نے بھی پہنی، قابل نفرت چیز دلکش نظر آئی، غیر ضروری ضروری دکھائی دیا، مضر اور نقصان دہ بے ضرر اور نفع بخش

نظر آیا اور گزیرا ایسا ناگزیر سمجھا جانے لگا کہ اس کے خلاف کچھ سننے کا حوصلہ بھی کافور ہو گیا۔(۱)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت حال کا ادراک اور غیروں کی ذہنی ونفسیاتی غلامی سے نجات نصیب فرمائے، افسوس کہ ہمارے جسموں کی طرح ہمارے دل ودماغ بھی انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے :

إن اللّٰہ لا یغیرما بقوم حتیٰ یغیّروا ما بانفسھم ط

سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون

؏ وسلٰم علی المرسلین ؏ والحمد

للّٰہ رب العٰلمین ؏

۵ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ بمطابق ۵ اکتوبر ۲۰۰۸ء

---

(۱) ماخوذ از جواہر الفقہ، تجارتی سود: ۱۶۳/۳۔ ط: مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند۔

مراجع ومصادر

قرآن کریم

کتب تفسیر

کتاب	مصنف	ناشر
التفسیر الکبیر	امام فخر الدین رازی	بیروت
احکام القرآن	ابوبکر احمد الرازی الجصاص	دارالکتب بیروت، قدیمی کراچی
بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	ایچ ایم سعید کراچی
تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	دارالتصنیف تبلیغی کالج کراچی

کتب حدیث

کتاب	مصنف	ناشر
صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	دمشق/قدیمی کراچی
الصحیح لمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث السجستانی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
سنن ترمذی	محمد بن عیسی الترمذی	ایچ ایم سعید/رحمانیہ لاہور۔
سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	قدیمی کراچی۔
مشکوٰۃ المصابیح	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	قدیمی کتب خانہ کراچی
مسند احمد	احمد بن محمد بن احمد	قاہرہ
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نور الدین الہیثمی	دارالکتاب العربی بیروت

نصب الرایۃ	عبداللہ بن یوسف الزیلعی	مؤسسۃ الریان
شروحات حدیث		
فتح الباری	علامہ ابن حجر عسقلانی	ادارۃ البحوث العلمیہ
عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر
مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان محمد القاری	مکتبہ امدادیہ ملتان/ رشیدیہ کوئٹہ
تکملہ فتح الملہم	مولانا مفتی محمد تقی العثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
تحفۃ الاحوذی	حافظ عبدالرحمٰن المبارک پوری	قدیمی کتب خانہ کراچی
مظاہر حق (جدید)	علامہ نواب قطب الدین الدہلوی	دارالاشاعت کراچی
تقریر ترمذی	مولانا مفتی محمد تقی العثمانی	میمن پبلشرز کراچی
شرح الکرمانی علی البخاری	الامام الکرمانی	داراحیاء التراث العربی
اکمال اکمال المعلم	ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الأبی المالکی	دارالکتب العلمیہ بیروت
التعلیق الصبیح	مولانا محمد ادریس کاندہلوی	داراحیاء التراث العربی
اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی	ادارۃ القرآن کراچی
کتب اصول **اصول افتاء**		
المصباح فی رسم المفتی	مولانا مفتی محمد تقی العثمانی	
شرح عقود رسم المفتی	علامہ ابن عابدین الشامی	شرکت علمیہ/ دارالکتاب ناظم آباد
صفۃ الفتویٰ والمفتی والمستفتی	امام احمد بن حمدان الحرانی	منشورات الکتب الاسلامی
اعلام الموقعین	ابن قیم الجوزیہ	دارالکتب العلمیہ بیروت
مجموعہ قواعد الفقہ	مولانا عمیم الاحسان	میر محمد کتب خانہ کراچی
المستصفیٰ	حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	مطبعہ امیریہ بولاق مصر

اصول فقہ وقواعد

کشف الاسرار	امام علاوالدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	دارالکتب العلمیہ بیروت
الاشباہ والنظائر	علامہ زین العابدین المعروف بابن نجیم	قدیمی کتب خانہ کراچی
شرح الحموی علی الاشباہ	علامہ شیخ احمد بن محمد الحموی	ادارۃ القرآن کراچی
شرح المجلہ	محمد خالد الاتاسی	مکتبہ رشیدہ کوئٹہ
شرح المجلہ	لسلیم رستم باز	مکتبہ حنفیہ کوئٹہ
اصول الفقہ الاسلامی	الدکتور وہبۃ الزحیلی	دارالفکر العربی/ دارالاحسان
اصول السرخسی	ابوبکر محمد بن احمد السرخسی	دارالمعارف النعمانیہ
الفروق	ابوالعباس القرافی	عالم الکتب بیروت
الموافقات	امام ابواسحاق الشاطبی	داراحیاء التراث العربی
نظریۃ الضرورۃ الشرعیہ	الدکتور وہبۃ الزحیلی	دارالفکر
القواعد والاصول الجامعہ	عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی	مکتبہ الامام الشافعیؒ ریاض

کتب فقہ وفتاویٰ

الہدایۃ	ابوالحسن علی بن بکر المرغینانی	شرکت علمیہ/ مکتبہ رحمانیہ لاہور
شرح الوقایہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	دارالکتب العلمیہ بیروت
فتح القدیر	محمد بن عبدالواحد بن الہمام	داراحیاء التراث العربی
البنایہ	علامہ بدرالدین العینی	مکتبہ حقانیہ پشاور
العنایہ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی الحنفی	دارالکتب العلمیہ بیروت
شرح فتح القدیر	علامہ قاسم بن قطلو بغا	بیروت
المبسوط	ابوبکر محمد بن احمد السرخسی	دارالکتب العلمیہ بیروت
البحرالرائق	ابن نجیم الحنفی	ایچ ایم سعید کراچی
الفقہ الاسلامی وادلتہ	دکتور وہبۃ الزحیلی	دارالفکر

تبیین الحقائق	عثمان بن علی الزیلعی	ایچ ایم سعید کراچی
بدائع الصنائع	علاؤالدین ابوبکر بن سعود الکاسانی	ایچ ایم سعید کراچی
النطف فی الفتاویٰ	علی بن الحسین السغدی	ایچ ایم سعید کراچی
فتاویٰ شامی	علامہ ابن عابدین الشامی	ایچ ایم سعید کراچی
فتاویٰ ہندیہ	شیخ نظام و جماعۃ من علماء الہند	رشیدیہ کوئٹہ
الفتاویٰ التاتارخانیہ	علامہ عالم بن العلاء الانصاری الاندریتی	ادارۃ القرآن کراچی
الفتاویٰ تنقیح الحامدیہ	علامہ ابن عابدین الشامی	مکتبہ حقانیہ پشاور
المتانۃ فی مرمۃ الخزانہ	محمد جعفر بن العلاء البوبکانی السندی	سندھی ادب بورڈ کراچی
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
احسن الفتاویٰ	مفتی رشید احمد لدھیانوی	ایچ ایم سعید کراچی
کتاب الحجۃ	امام محمد ابن الحسن الشیبانی	دارالمعارف النعمانیہ لاہور
جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	مکتبہ دارالعلوم کراچی
فقہی مقالات	مفتی محمد تقی عثمانی	میمن اسلامک پبلشرز
سلسلہ فقہی رسائل (جواہر الفقہ)	مفتی محمد شفیع	مکتبہ سیرت النبی دیوبند
الموسوعۃ الفقہیہ	لجنۃ وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ	کویت
قاموس الفقہ	خالد سیف اللہ رحمانی	زمزم پبلشرز
الفقہ الحنفی وادلتہ	اسعد محمد سعید الصاغرجی	دارالکلم الطیب
البحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی

کتب لغات واقتصادیات

معجم المصطلاحات الاقتصادیہ الاسلامیہ	علی بن محمد الجمعہ	مکتبہ العبیکان ریاض
معجم مصطلحات العلوم التجاریہ	وجدی رزق غالی	مکتبہ لبنان ناشرون
قاموس الاقتصاد والتجارہ	لجنۃ دائرۃ المعاجم	مکتبہ لبنان ناشرون

شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم	نشوان بن سعيد الحميری	دار الفكر بيروت
الفروق الغويہ	حسن العسكری	مكتبہ اسلاميہ كوئٹہ
المصباح المنير	احمد بن محمد بن علی المقری الفيومی	دار الہجرۃ ایران
القاموس المحيط	مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادی	داراحياء الترث العربی
موسوعة مصطلحات علم المنطق عند العرب	الجنۃ	مكتبہ لبنان ناشرون
الاستصباع	الدكتور سعود بن مسعد الثبيتی	المكتبہ المكيہ دار ابن حزم
عناصر الانتاج فی الاقتصاد الاسلامی	الدكتور صالح العلی	اليمامہ دمشق
التوزيع والنقود فی الاقتصاد الاسلامی والاقتصاد الوضعی	اسماعيل ابراہيم البدوی	مجلس النشر العلمی جامع كويت
اسلام کا اقتصادی نظام	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی	
اسلام اور جدید معیشت وتجارت	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن
الخزمات المصرفيہ	الدكتور علاؤ الدين الزعتری	دار الكلم الطيب دمشق
بحوث فقہیہ فی قضایا اقتصادیہ معاصرہ	لجنۃ	دار النفائس
دراسۃ الشرعیہ لاہم العقود المالیہ المستحدثہ	محمد مصطفیٰ ابوہ الشنقيطی	مكتبة العلوم والحكم
مقومات الاقتصاد الاسلامی	عبد السميع المصری	مكتبہ وہبة
الاقتصاد فی الاسلام	حمزہ الجميعی الدموہی	دار الانصار
كتاب الاموال	ابن زنجويہ	دار الكتب العلميہ بيروت
المعاملات الماليہ المعاصرہ فی ضوء الفقہ والشريعہ	دكتور محمد رواس قلعہ جی	دار النفائس
بحوث فی فقہ المعاملات الماليہ المعاصرہ	دكتور علی محی الدين علی القرہ داغی	دار البشائر الاسلاميہ
البنوك فی العالم انواعہا وكيف تتعامل معہا	جعفر الجزار	دار النفائس
الدولۃ وظيفتہا الاقتصاديہ فی الفقہ السياسی الاسلامی	دكتور عبد اللطيف الحميم	دار عمار
شرکت ومضاربت عصر حاضر میں	مولانا عمران اشرف عثمانی	ادارۃ المعارف کراچی
جدید مالیاتی نظام کا اسلامی تصور	ترتیب مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی	مجلس تحقیق الفقہ جامعہ المرکز الاسلامی بنوں

مضاربت اور بلاسود بینکاری	مولانا ڈاکٹر عبدالحق (زیارت گل)	ایجوکیشنل پریس کراچی
پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجب الاصلاح امور	ڈاکٹر مفتی عبدالواحد	جامعہ مدنیہ لاہور
کمپنیوں کی محدود ذمہ داری کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر مولانا مفتی عبدالواحد	جامعہ مدینہ لاہور (غیر مطبوعہ)
غرر کی صورتیں	مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز الصمدانی	ادارۃ المعارف
اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار	مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز صمدانی	ادارہ اسلامیات
اسلامی بینکاری کی بنیادیں ایک تعارف	مترجم مولانا محمد زاہد	مکتبۃ العارفی فیصل آباد
کریڈٹ کارڈ کے شرعی احکام	مولانا محمد اسامہ	دارالاشاعت
متبادل سودی نظام کے دعوے	استاذ محمد طاسین	گوشۂ علم و تحقیق
تعارف زرو بینکاری	شیخ مبارک علی	رہبر پبلشرز
اسلامی بینکاری کا ایک تعارف	ڈاکٹر محمد عمران اشرف عثمانی	مکتبہ معارف القرآن کراچی
معاشیات کا اسلامی فلسفہ	مولانا عبدالباری ندوی	ادارہ تالیفات اشرفیہ لاہور
مضاربت سود کا ایک اہم متبادل	ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم	مکتبہ قاسمیہ ملتان
جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ	ڈاکٹر مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی	مکتبہ معارف القرآن
اسلامی بینکاری ایک حقیقت پسندانہ جائزہ	ڈاکٹر محمد اعجاز احمد صمدانی	ادارہ اسلامیات
المذاہب الاقتصادیہ الکبریٰ	مترجم دکتور راشد البراوی	مکتبہ النہضہ المصریہ
الموجز فی الاقتصادیات النقود	دکتور مصطفی کمال فاید	دارالفکر العربی
کتب دیگر		
حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	دارالکتب العلمیہ بیروت
رحمۃ اللہ الواسعۃ	مفتی سعید احمد پالنپوری	زمزم پبلیشرز
اسد الغابۃ	عزالدین ابن الاثیر الجزری	دارالکتب العلمیہ بیروت
تحریر الکلام فی مسائل الالتزام	امام خطابؒ	بیروت

ابطال الحیل	ابن بطہ	بیروت
موسوعۃ اطراف الحدیث	ابوہاجر محمد سعید بسیونی زغلول	دار الفکر
بصائر وعبر	مولانا محمد یوسف بنوریؒ	المکتبہ البنوریہ
فتاویٰ بینات	رفقاء دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ	مکتبہ بینات
ماہنامہ بینات کراچی	ماہنامہ	مکتبہ بینات کراچی
البلاغ کراچی	ماہنامہ	دار العلوم کراچی
ماہنامہ الخیر ملتان	ماہنامہ	خیر المدارس ملتان
ماہنامہ ندائے شاہی مرادآبادی	ماہنامہ	شاہی مرادآباد
خاتمہ سود پر اسلامی نظریاتی کونسل کی اردو رپورٹ		اسلامی نظریاتی کونسل
روزنامہ جنگ		جنگ

انگریزی مراجع

Books	Author	Publisher
An Introduction to Islamic Finance.	Justice Muhammad Tiqi Usmani	Idardtul-Ma,arif
Islamic banking	Dr.Imran Ashrfaf Usmani	Meezan Bank
Let'sLeamIslamicbanking		Bank al .Islami
www.meezan bank.com		

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی صاحب مدظلہم

حامداومصلیا ومسلماامابعد!

یہ کہ مروجہ اسلامی بینکاری اور اسلامی انشورنس کے متعلق احقر جب تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں موجود رہا، عدم جواز کا فتویٰ دینے کے ساتھ ساتھ رفقاء دارالافتاء کے ساتھ مل کر ہمیشہ اس کے بارے میں مزید غور وفکر کرتا رہا، مگر اس کے جواز کے بارے میں شرعی دلائل نہ ملنے کی وجہ سے، بلکہ اس کے برعکس اسلامی بینکاری اور اسلامی بیمہ وانشورنس کے خلاف نصوص شرعیہ اور روایات فقہیہ اور اکابر علماء دیوبند کے فتویٰ کی وجہ سے بنوری ٹاؤن سے تاحال مروجہ اسلامی بینکاری کا عدم جواز کے فتویٰ دیا جاتا رہا۔

مگر احقر بیماری کے بعد جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے مستعفی ہوکر بنگلہ دیش آگیا اور دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری سے منسلک ہوگیا تو یہاں پر بھی مروجہ اسلامی بینک اور اسلامی بیمہ اور انشورنس کے بارے میں بے شمار سوالات آتے رہے۔ اور دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری کے رفقاء دارالافتاء بھی عدم جواز کا فتویٰ دیتے رہے، البتہ اس بارے میں مزید تحقیق کے لئے دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری کے مہتمم حضرت علامہ مولانا احمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں بنگلہ دیش کے دوسرے اہل علم واہل فتویٰ کو بھی دعوت دی گئی تاکہ اس بارے میں مروجہ اسلامی بینکاری کے ذمہ

داروں سے معلومات حاصل کرکے کوئی حتمی اور تحقیقی جواب تیار کیا جاسکے، اس سلسلہ میں متعدد بار اجلاس منعقد کیئے گئے۔

بالآخر تحقیق وتفتیش کے بعد ایک فیصلہ مرتب ہوا جو اشاعت کے لئے دینا تھا، مگر امروز وفردا کرتے کرتے یہ فتویٰ معرض التواء میں پڑ گیا۔ دوسری طرف معاملہ مجوزین حضرات کا اسلامی بینکاری اور اسلامی بیمہ وانشورنس کے بارے میں جواز کے فتویٰ تک محدود نہ رہا، بلکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے مجوزین علماء کرام نے بینکاری کے سودی کاروبار کو اسلامی بینکاری کے نام سے جواز کا فتویٰ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی بینک کے معاملات میں شمولیت اختیار کی۔ اور مروجہ اسلامی بینکاری کے تحت مختلف ممالک میں علاقوں میں، متعدد بینک قائم کئے جو کہ بہت بڑا دینی فتنہ ہے۔ دارالعلوم معین الاسلام کے رفقاءِ دارالافتاء اس بارے میں کچھ کرنے کے لئے سوچ رہے تھے، اس دوران گذشتہ ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ میں احقر کو سفر عمرہ سے واپسی پر اپنے احباب ومتعلقین کے ساتھ ملاقات کے لئے جب کراچی جانا ہوا اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون کراچی میں قیام کیا۔تو دوران قیام جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رفقاءِ دارالافتاء نے مروجہ اسلامی بینکاری معاملات کے عدم جواز کے سلسلہ میں پاکستان کے اکثر اہل علم اور اہل فتویٰ کی جانب سے ایک مفصل اور مدلل متفقہ فتویٰ کی کاپی ہمیں پیش کی اور فرمایا اس کو دیکھ کر اپنی رائے لکھ دی جائے۔ احقر نے وہاں قیام کے دوران جس قدر ممکن ہوا مطالعہ کیا، باقی بنگلہ دیش میں واپس آنے کے بعد اس کو مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رائے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری کے دوسرے اہل فتویٰ اور اہل علم کی رائے اور تائید لکھ دینے کا وعدہ کرکے پاکستان کے اکثر علماء کے فتویٰ کو بنگلہ دیش لیکر آگیا۔

ماہ رمضان المبارک میں سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اس لئے بعدِ

رمضان سب سے پہلے اس فتویٰ کو حضرت علامہ مولانا احمد شفیع صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعۃ اہلیہ دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام، وخلیفہء اجل شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں پیش کیا اور دارالعلوم معین الاسلام کے رفقاء دارالافتاء کو بھی ایک ایک کاپی دی۔ ان سب حضرات نے اس کو مطالعہ کر کے اس فتویٰ سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ یہ فتویٰ دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری کے فتویٰ اور موقف کے مطابق ہونے کی وجہ سے سب نے خوشی کا اظہار فرمایا۔

لہٰذا دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام کے اہل علم اور اہل فتویٰ کی تصدیقات اور توثیقات کے ساتھ اس کو واپس کیا جارہا ہے۔

فقط والسلام

بندہ محمد عبدالسلام چاٹگامی عفا اللہ عنہ

۲۲ شوال ۱۴۲۹ھ

مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں پاکستان کے اکثر اہل علم اور اہل فتویٰ کے متفقہ فتویٰ کے بارے میں بنگلہ دیش کے سب سے بڑے اور مقتدر دینی ادارے

دار العلوم معین الاسلام ہاٹھزاری بنگلہ دیش

کے اہل علم وارباب فتویٰ کا اتفاق اور ان کے تائیدی کلمات

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

امابعد! یہ کہ مروجہ اسلامی بینکاری اور اس کے دوسرے معاملات کے بارے میں جو عرصہ سے پاکستان اور بنگلہ دیش کے بینکوں میں جاری ہیں اور بعض اہل علم اور اہل فتویٰ اس کی تائید وتعاون کرتے رہے بلکہ اب انہوں نے اس کے نہ صرف جائز ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ خود بینکنگ کے معاملات میں ملوث ہو گئے۔ایسے حالات میں دوسرے اہل علم واہل فتویٰ کی کوئی متفقہ رائے اور متفقہ فتویٰ کا آنا ضروری ہو گیا ہے۔

حسنِ اتفاق سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رفقاء کی طرف سے پاکستان کے اکثر اہل علم واہل فتویٰ کے متفقہ فتویٰ کی کاپی ہمیں ملی جس میں پاکستان کے اکثر اہل علم اور اہل فتویٰ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکنگ کے معاملات غیر شرعی اور غیر اصولی ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہیں۔

چونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے سلسلہ میں یہ فتویٰ جامع ہے اور دلائل کے ساتھ ہے اور بعض شبہات کے جوابات بھی مفصل اور مدلل ہیں۔لہٰذا دار العلوم معین الاسلام ہاٹھزاری کے اہل علم اور اہل فتویٰ نہ صرف اس سے اتفاق کرتے ہیں بلکہ اس فتویٰ کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔اور جو اہل علم واہل فتویٰ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے موقف کو غلط اور گمراہ کن سمجھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس بارے میں ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور جو

لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، ہم ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سمجھ دیوے تاکہ یہ عامۃ الناس کی گمراہی کا سبب نہ بنیں اور خود بھی راہ راست پر آجائیں۔ آمین یارب العٰلمین۔

اس سلسلہ میں ہم سب کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ وہ حدیث یہ ہے:

قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الحلال بین والحرام بین وبینهما امور مشتبهة فمن ترک ما شبه علیه من الاثم کا ن لما استبان له اترک ومن اجترأ علی ما یشک فیه من الاثم او شک أن یواقع ما استبان والمعاصی حمی اللّٰه ومن یوقع حول حمی اللّٰه یو شک أن یو ا قع.

(صحیح البخاری : ۱/ ۲۷۵ ط: المکتبة الاشرفیه دیوبند.)

حدیث کی رو سے مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات مجوزین کے نزدیک اگرچہ واضح حرام نہیں ہیں، لیکن واضح حلال بھی نہیں ہیں مشتبہ معاملات میں سے ہیں، لہٰذا اس وجہ سے بھی ان کے لئے جواز کے فتویٰ دینے کی کوئی دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آتی جبکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے معاملات کے عدم جواز پر بے شمار شبہات موجود ہیں۔

(۱) عرصہ دراز تک مجوزین حضرات اشتباہ کی بناء پر جواز کا فتویٰ نہیں دے رہے تھے۔

(۲) ان کے تحریری وتقریری مجموعے موجود ہیں کہ بینک کے اہل کاران کے عائد کردہ شرائط کو پورے نہیں کر رہے ہیں۔

(۳) اسلامی بینکاری کے معاملات ان کے نزدیک اسلامی مشارکہ ومضاربہ سے ملتے تو نہیں لیکن بعض امور کو عبوری طور پر مرابحہ اور اجارہ کے نام اختیار کیا گیا ہے جبکہ ان کے نئے فتویٰ کے اندر مرابحہ اور اجارہ کو مستقل تمویل کا ذریعہ بنایا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔

(۴) شرعی مشارکہ ومضاربہ کے تقاضوں کو بینک کے اہل کار پورے نہیں کر رہے ہیں، جس کا شکوہ یہ حضرات بار بار تقریراً وتحریراً کرتے آرہے ہیں۔

(۵) مشتبہ رقوم کو صدقہ کرنے کے واسطے گاہکوں پر جبری صدقہ کے کھاتے رکھے ہوتے ہیں۔ جو کہ شرعاً غلط اور نادرست ہے۔

(۶) بینک اہل کاروں کے خصوصی اور ہنگامی اخراجات کے لئے رقم منہا کرنے کی نہ صرف گنجائش رکھی گئی ہے بلکہ اس کو قانونی حیثیت دی گئی ہے جبکہ شرعی مشارکہ و مضاربہ میں ان چیزوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۷) مروجہ اسلامی بینکنگ والے ورلڈ بینک اور اپنے ملک کے اسٹیٹ بینک کے سودی معاملات سے آزاد نہیں ہیں بلکہ ان کے تمام اصول وفروع بلکہ ہر آنے والے قواعد وضوابط اور اصطلاحات کے تابع ہیں۔

(۸) مروجہ اسلامی بینک کے اہل کار گاہکوں کو اپنے اصل سرمایہ کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں، جبکہ شرعی مشارکہ ومضاربہ میں اصل سرمایہ کے تحفظ کی ضمانت دینا اور لینا دونوں چیزیں نادرست ہیں۔

(۹) اسلامی بینک کے اہل کار گاہکوں پر حقیقی منافع کا حساب دیئے بغیر ایک متعین منافع تقسیم کر کے دیتے ہیں جو کہ شرعی مشارکہ ومضاربہ کے اصول کے خلاف ہے۔

(۱۰) اسلامی بینک کے نام اور اعلان کے سوا حقیقی معنی میں روایتی سودی بینک اور مروجہ اسلامی بینک کے معاملات میں کوئی فرق نہیں ہے، بینک کے اہل کاروں کی تحریری شہادات اس بارے میں ہمارے پاس موجود ہیں۔

جب مروجہ اسلامی بینک کے معاملات میں اتنی خرابیاں موجود ہیں تو ان کے جواز اور حلال ہونے کا فتویٰ دینا تو ہمارے نزدیک دانستہ یا نادانستہ سودی معاملات کو جائز قرار دینا ہے جو کہ صریح گمراہی کے سوا کچھ نہیں، اور مجوزین اہل علم واہل فتویٰ کے نزدیک تو اسلامی بینکاری کے معاملات اگر چہ واضح حرام کے زمرے میں نہیں آتے لیکن کم از کم امور مشتبہات کے زمرے میں تو آتے ہیں، ایسے حالات میں ان کے لئے جواز کا فتویٰ دینا ناجائز اور مکروہ معاملات کو اختیار کرنے کے مترادف ہے، جو کہ آہستہ آہستہ واضح سودخوری اور حرام خوری کا ذریعہ بنے گا۔ سواس واسطے ہم جمہور اور اکثر اہل علم واہل فتویٰ کے متفقہ

فتویٰ سے نہ صرف اتفاق کرتے ہیں، بلکہ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ سودی معاملات کو حلال سمجھ کر ہرگز اختیار نہ کریں اور اس سے حتی الامکان اجتناب کرنے کی کوشش کریں، اور اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار بھی کرتے رہیں۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین

کتبہ

بندہ محمد عبدالسلام چاٹگامی عفا اللہ عنہ

دارالافتاء جامعہ معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام بنگلہ دیش

الجواب صحیح سود جیسے حرام سے امت مسلمہ کو بچانا ہر مقتدائے امت پر لازم اور ضروری ہے۔

جسیم الدین

احمد شفیع

بندہ نور احمد

محمد ہارون عفی عنہ

شریعت مطہرہ میں ربوٰی کا معاملہ بہت سنگین ہے اس لئے ربوٰی اور ریبہ دونوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے جبکہ اس بارے میں اسلامی بینکنگ کے اہل کاروں سے عدم احتیاطی کی خبریں مشہور اور مسلم ہیں اس لئے ہم حضرت مفتی صاحب مدظلہم سے متفق ہوکر ان کی زرین اپیل کو دہراتے ہیں کہ سودی معاملات کو حلال سمجھ کر ہرگز اختیار نہ کریں، اس لئے حتی الامکان اجتناب کی کوششیں کریں اور توبہ استغفار کرتے رہیں

فالجواب صحیح

بندہ کفایت اللہ عفی اللہ عنہ

شریعت مطہرہ کا اہم اصول ہے کہ فدو الربوا والریبۃ (شبہۃ الربوا)

محمد شمس العالم

جواب درست ہے لہٰذا اس قسم کے معاملات سے پرہیز کرنا بہت ضروی ہے

۲۸ / ۱ / ۲۹

فقط محمد جنید عفا اللہ عنہ

ملک کے جمہور اہلِ فتویٰ نے قرآن وسنت، احوال واقعی اور مجوزین حضرات کی تحریرات کی روشنی میں دوٹوک الفاظ میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سرمایہ کاری کا اسلامی تصورِ نفع ونقصان کی بنیاد پر شرکت ومضاربت ہے، جس کا مروجہ اسلامی بینکوں میں کوئی خاطر خواہ حجم نہیں پایا جاتا، بلکہ مروجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ، اجارہ اور شرکت متناقصہ کے نام سے جو سودی حیلے اختیار کیے گئے ہیں وہ ایک تو شرکت ومضاربت کے شرعی مقصد اور مثالی تمویلی طریقے کو فوت کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان حیلوں پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کرنا اور ان حیلوں کو معمول کے کاروبار کا طریقہ بنالینا قطعاً ناجائز ہے۔ ان حیلوں کے ذریعہ حاصل ہونے والا مرابحہ کا ''ربح'' اور اجارہ کی اجرت، ۱۹۸۱ء کی ''بلاسودی بینکاری'' کے ''مارک اپ'' سے سرِ مو مختلف نہیں ہے، جس طرح وہ ''مارک اپ'' شرعی اعتبار سے خالص سود اور سرمایہ کاری کے اسلامی نظام پر بدنما داغ تھا، بعینہ اسی طرح، بلکہ اس سے بڑھ کر مروجہ مرابحہ کا ربح اور اجارہ کی اجرت بھی سود ہے اور روایتی بینکاری میں اسلامی پیوندکاری کے گھناؤنے جرم کے مترادف ہے۔ بلکہ مروجہ اسلامی بینکوں نے اپنی ترقی کی معراج یہ سمجھ رکھی ہے کہ وہ روایتی بینکوں کی تقلید اور نقالی کرتے ہوئے انہی کے پروڈکٹس (PRODUCTS) کے مشابہ پروڈکٹس بنا کر اسلامی لبادے میں متعارف کروائیں، یہ ان کا مشن بنا ہوا ہے۔ ایسے بینک قرآن وسنت اور اکابر کی تصریحات کے مطابق غیر سودی یا اسلامی قطعاً نہیں ہوسکتے، اگر اس کے باوجود بھی کوئی ان بینکوں کو اسلامی کہنے پر اصرار کرے اور اسلامی جتلائے تو یہ اسلام کے نام پر دھوکہ ہوگا اور یہ طرزِ عمل حرام چیز پر اسلامی لیبل لگانے کے مترادف ہوگا جو کہ ایمانی لحاظ سے بہت ہی خطرناک بات ہوگی۔



مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان
Tel: 0092-21-4913570-4123366-4121152
Fax: 009-21-4919531-4916819
www.banuri.edu.pk